مجموعہ مقالات

ایمان کا راستہ

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان حفظہ اللہ تعالیٰ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ
فضیلۃ الشیخ علی بن نفیع العلیانی حفظہ اللہ تعالیٰ



ہماری دعوت
اسلاف کا راستہ

مجموعہ مقالات

ایمان کا راستہ

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان حفظہ اللہ تعالیٰ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ

فضیلۃ الشیخ علی بن نفیع العلیانی حفظہ اللہ تعالیٰ

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ

فضیلۃ الشیخ ابو کلیم مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ تعالیٰ

الشیخ ابو حذیفہ ابراہیم بن محمد حفظہ اللہ تعالیٰ

الشیخ انصار زبیر محمدی حفظہ اللہ تعالیٰ

الشیخ محمد طیب بھواروی حفظہ اللہ تعالیٰ



الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

نام کتاب

ایمان کا راستہ

مصنفین

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ — فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان حفظہ اللہ تعالیٰ — فضیلۃ الشیخ علی بن نفیع العلیانی حفظہ اللہ تعالیٰ

سعودی عرب

دار العلوم النحیه للنشر والتوزیع

س ت: ١٠١٠٢٠٤٨٧٦

فرع: مركز الجامع التجاری شارع باخشب جده

معرض: ٠٢٦٣٣٦٦٤٠ فاكس: ٠٢٦٨٧٤٥٥٧

المكتب الرئيسی الرياض، حي الفيصلة

هاتف: ٠١٢٤٢٣١٢٦

مكتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ٠١-٤٣٥٨٦٤٦، ٠٥٦٣٠٦٤٧٣٦، ٠٥٠٧٤١٩٩٢١

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ٠١-٤٤٦٠١٢٩، ٠٥٠٥٤٤٠١٤٧، ٠٥٠٢٠٣٣٢٦٠

پاکستان

مکتبہ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

ڈیلرز

اسلامی اکیڈمی: الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-37357587

کتاب سرائے: الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-37320318

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 042-37321865

مکتبہ اسلامیہ: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور فون: 042-37244973

دار الکتب السلفیہ: اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37361505

مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4460487

مکتبہ آل ابراھیم غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0322-4005775

ملنے کے پتے

اسلام آباد ■ دار النور: 0321-5336844 ■ المسعود اسلامک بکس: 051-32261356
■ تجلیات طیبہ 051-35535168 ■ الحرم (اسلامک بکس) 0300-322-4814274

کراچی ■ فضلی بکس: 021-32212991 ■ علمی کتاب گھر: 021-32628939

سیالکوٹ ■ مکتبہ رحمانیہ: 052-34591911

فیصل آباد ■ مکتبہ اسلامیہ: 041-32631204 ■ مکتبہ اہل حدیث: 041-32629292

AL-FURQAN TRUST

فہرست مضامین

سچے موتی کیسے ڈھونڈیں؟

ملاوٹ کا آغاز نہ جانے کب سے ہو اور کون اس کا موجد تھا، لیکن اس کی پہچان کا عزم رکھنے والوں نے جلد ہی اس کی جانچ کا پیمانہ ایجاد کر لیا۔ دین اسلام جیسے بے پایاں، گراں قدر اور انمول خزانے میں ملاوٹ کی پہچان اور اس کو پکڑنے کا طریقہ علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صدیوں پہلے متعارف کروا دیا، کیونکہ اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے۔

میرے مسلمان بھائی! خالص دین اسلام پر عمل کرنے سے اس کے اثرات یقیناً ہماری زندگی کی گہرائی میں پائے جائیں گے اور ان اثرات سے برکت کا حصول تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب ایک مسلمان ان اعمال کے ساتھ عقیدۂ توحید کو بھی تھامے رکھے اور کبھی بھی اس کا دامن نہ چھوڑے۔ عقیدۂ توحید صرف ایک لفظ ہی نہیں ہے کہ جسے کان سے سن کر، زبان سے ادا کر کے یا دوسروں کو رَٹ کر سنا دیا جائے، بلکہ یہ اپنے اندر ایک وسیع معانی و مفہوم لیے ہوئے ہے جو انسانی معنی سے لے کر دینی دلائل اور سماجی آثار تک پھیلا ہوا ہے جن کو اختیار کرنے کی آج ہمیں ضرورت ہے۔

اسلام جو نافع اور نفس کا تزکیہ کرنے والا، روح کو پاک کرنے والا، مسلمان کو دنیا و آخرت کی سعادت و کمال دینے والا ہے اس کے اندر لوگوں نے ''بدعت حسنہ'' کے نام سے ایسی بدعات ایجاد کی ہیں جن کے ذریعے سے انہوں نے سنتوں کو مردہ کر دیا اور قرآن و سنت والی اُمت کو بدعت کے سمندر میں غرق کر دیا ہے۔ جس کے سبب اُمت مسلمہ کے اکثر لوگ طریق حق اور راہِ ہدایت سے ہٹ گئے۔ نتیجتاً باہم لڑنے جھگڑنے والے مذاہب پیدا ہوئے اور ایسے طریقے نکلے جو اِس اُمت کے انحراف کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہیں۔ اس کا

سبب بدعت کو اچھا سمجھنا اور بدعت کو "حسنہ" کہنا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تشریع اسلامی جو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے، مگر کوئی بھی ایک شخص بدعات ایجاد کرتا ہے جو سنت صحیحہ کے خلاف ہیں اور کہتا ہے کہ یہ "حسن" اور اچھی ہیں، وہ اپنی بدعت کو رواج دیتے وقت اسے "بدعت حسنہ" کا نام دیتا ہے تاکہ یہ مقبول ہو جائے اور اس پر عمل کیا جانے لگے۔ لوگ شعوری اور لاشعوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی پیروی چھوڑ کر اس شخص کی پیروی میں لگ جاتے ہیں۔ کیا یہ شریعت سازی نہیں؟ حالانکہ ایسا کام کرنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .))

"ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔"

جب انسان ایک گمراہی میں یہ کہہ کر قدم رکھ دیتا ہے کہ "کوئی بات نہیں"، تو پھر یہ گمراہی اس کو اندھیروں کی دلدل کی طرف لے جاتی ہے، جہاں اسے "سب اچھا ہے" دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ بدعت تو بدعت ہی ہے، اُسے حسنہ کہہ کر اس کا گناہ کم کیسے ہو سکتا ہے؟ یا اُسے گمراہی کے زمرے سے کیسے نکال سکتے ہیں؟ کیا کبھی "گناہِ حسنہ" بھی ہوتا ہے؟ کیا اختیار ہے "مولانا"، "شیخ الاسلام"، "شیخ طریقت"، "پیر صاحب"، "مولوی صاحب"، "اعلیٰ حضرت"، "امیر اہل سنت" جیسے لقب اختیار کرنے والوں کے پاس کہ وہ دین اسلام میں اپنا بنایا ہوا دین داخل کریں؟

یہاں ایک اور بات عرض کیے دیتا ہوں کہ بدعتی عمل صرف گمراہی ہی نہیں بلکہ شرک بالرسالت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں بھی اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں پر پیارے رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (آل عمران : ۱۳۲)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول ﷺ کو اپنی اطاعت قرار دیا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (آل عمران : ۱۳۲)

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، اللہ کے ساتھ شرک ہے بعینہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے مقابلے میں ایک "مُلّاں" کو لا کھڑا کرنا یا اُس کی بات کو "بدعت حسنہ" کہہ کر فوراً قبول کرنا اور آپ ﷺ کے احکامات کو ٹھوکر مار دینا اور کہنا: "جی! بات تو آپ ٹھیک کر رہے ہیں، مگر ہمارے "امیر اہل سنت" بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں، آخر وہ اتنے بڑے عالم ہیں، عاشق رسول ہیں، وہ کوئی غلط تھوڑی نہ کہتے ہیں۔" تو یہ شرک بالرسالت ہے بلکہ توحید حاکیت میں بھی شرک ہے۔ کیونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مقابلے میں ایک نیا دین کھڑا کر دیا، اور ایسے کام کی طرف چل پڑے جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم نہیں دیا۔ وہ شخص جو خود ساختہ "امیر اہل سنت" ہے، اس کی بات "امام الانبیاء ﷺ" سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگئی۔ جس کی بات مانی گئی وہ بہتر اور جس کی بات کو چھوڑ دیا گیا اُسے چھوٹا خیال کیا گیا (نعوذ باللہ)، کیا یہ شرک بالرسالت نہیں؟ اگر پھر بھی آپ خیال کرتے ہیں کہ بدعت حسنہ ہونی چاہیے تو اپنے ایمان کی فکر کریں، کیونکہ جب مسلمان کسی عمل کو یہ سمجھ کر کرنے لگے کہ یہ ثواب ہے تو پھر شیطان کو بھی اس کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کا کام مکمل ہو چکا ہوتا ہے، اب "بدعت حسنہ" کے نام پر لوگ خود ہی اس کا کام کرتے رہیں گے۔ (اللہ محفوظ رکھے)

ایسے دور میں جب اعتقادی خرابیاں بہت تیزی سے جڑ پکڑ چکی ہوں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بدعت کو "حسنہ" کا درجہ دے کر پیارے رسول ﷺ کی سنت صحیحہ کے خلاف کھڑا کر دیا گیا ہو تو ضرورت ہے ایسی کسوٹی کی جس سے صحیح اور غلط کی جانچ ہو سکے۔ وہ طریقہ بھی قرآن مجید اور فرمانِ رسول ﷺ میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ٥٩)

"اگر تم میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اس بات کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول سے لے لو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ساتھ ہی سن لیجئے:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔''

قرآن کی آیت واضح کر رہی ہے کہ اگر تم واقعی اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو یعنی تم یہ خیال کرتے ہو کہ کل روزِ قیامت اپنے تمام اعمال کا حساب اللہ کو پیش کرنا ہے، اور رسول اکرم ﷺ کا سامنا ہونا ہے تو پھر ضرور قرآن مجید اور سنت صحیحہ کی طرف ہی رجوع کرو گے نہ کہ جھوٹے ملاؤں کی طرف۔ اور ارشادِ رحمۃ للعالمین ﷺ یہ اشارہ دے رہا ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت صحیحہ کے علاوہ گمراہی ہی گمراہی ہے، اگرچہ اس گمراہی کا نام کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ رکھ دیا جائے۔ جیسے سانپ کے ظاہری حسن کو دیکھ کر اسے پکڑنے کا خیال عقل مندی نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَاِنْ رَاٰهَا النَّاسُ حَسَنَةً .))

''لوگ چاہے بدعت کو نیکی ہی سمجھیں مگر وہ گمراہی ہے۔''

ان جھوٹے ''امیر اہل سنت'' اور نہ جانے کیسے کیسے لقب اختیار کرنے والوں نے دین کے نام پر اپنی اپنی دُکانیں سجائی ہوئی ہیں، میرے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث صحیحہ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک واقعہ یہاں نقل کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، اور معصوم مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے نبی کریم ﷺ کی رائے پر اپنی رائے قائم کرنے والے شخص کے بارے میں آپ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''یمن سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیری کے پتوں سے دباغت دیے ہوئے چمڑے کے ایک تھیلے میں سونے کی چند ڈلیاں بھیجیں، ان سے (کان کی) مٹی بھی ابھی صاف نہ کی گئی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر آپ ﷺ نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ عیینہ بن بدر، اقرع بن

حابس، زید الخیر اور چوتھے علقمہ بن کلاثہ یا عامر بن طفیل تھے۔ وہیں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ ان لوگوں سے زیادہ ہم اس سونے کے مستحق تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

((اَلَا تَأْمَنُوْنِیْ وَ اَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَ مَسَاءً .))

''کیا تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ میں اس ہستی کا امین ہوں جو آسمان پر ہے اور اس کی وحی میرے پاس صبح وشام آتی ہے۔''

وہ شخص کہنے لگا: یا رسول اللہ! اللہ سے ڈریے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَیْلَكَ اَوَ لَسْتُ اَحَقَّ الْاَرْضِ اَنْ یَّتَّقِیَ اللّٰهَ .))

''افسوس تجھ پر! کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔''

راوی نے بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کی طرف دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّهُ یَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِیْ هٰذَا قَوْمٌ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا وَّ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ...... وَاَظُنُّهُ...... قَالَ: لَئِنْ اَدْرَکْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُوْدَ .)) ❶

''اس کی نسل سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کرے گی، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، دین سے وہ لوگ اس طرح نکل چکے ہوں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے اور میرا (راوی) خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر میں ان کے دور میں ہوا تو قومِ ثمود کی طرح ان کو قتل کروں گا۔''

❶ صحیح البخاری، ح: ٤٣٥١.

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''یہ خوارج کا سب سے پہلا اور بدترین آدمی ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔'' دوسری حدیث میں ہے کہ اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا: ''انصاف سے کام لیجئے'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيْلَكَ ، وَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلُ .)) ❶

''تیرا ستیاناس ہو، کون انصاف کرے گا، اگر میں نے نہیں کیا؟''

اس طرح یہ پہلا شخص تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اپنی رائے کو بہتر جانا، جس نے اسلام میں بغاوت کا شوشہ چھوڑا، اس کی مصیبت یہ تھی کہ اس نے خود رائی کو پسند کیا، اگر وہ کچھ دیر توقف کرتا تو جان لیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے آگے کسی کی رائے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ (فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْاَبْصَار .)

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کا مولوی جو بدعت کا دلدادہ ہے، وہ صرف اس لیے اس کو رواج دیے ہوئے ہے کہ اس کی دُکان خراب نہ ہو جائے، اس کے مریدوں کو اگر سیدھی راہ کا پتہ چل گیا تو کون اس کے ہاتھ چومے گا، کون اس کے آگے جھکے گا۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ اسے چھوٹا گناہ خیال کیے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

اس کتاب کا ایک اور اہم حصہ ہمارے معاشرے کی اہم خرابی ''تعویذ گنڈے'' کا رواج پانا ہے۔ اس کے پیچھے بھی یہی لوگ ہیں جو شروع اسلام سے آج تک اسلام کا لبادہ اوڑھے، بغل میں چھری لیے، غیر مسلموں کے مذاہب کو مسلمانوں میں رواج دینے کے لیے نہایت کوشاں رہے ہیں۔ اس برائی کی خاص بات یہ ہے کہ اسے ''نوری علم'' کے نام سے موسوم کر کے اپنا کام چلایا جاتا ہے یعنی اس کے لیے بھی قرآن کا نام استعمال کیا جاتا ہے۔

ہمارے دینی راہنما اور مذہبی پیشوا جس طرح تعویذات و عملیات کو اپنائے ہوئے ہیں، اگر ہم چودہ سو برس پیچھے جائیں اور حضراتِ صحابہ کے شب و روز کا جائزہ لیں، تو ہمیں ان

❶ صحيح مسلم: ۲/ ۷٤۰.

نفوسِ قدسیہ کی اس طرح کی کوئی مصروفیت نہیں ملے گی۔ ان کی زندگیوں میں قرآنِ کریم کا رنگ نظر آتا تھا۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے تھے اور اس پر غور وفکر بھی فرماتے تھے۔ پھر اس کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالتے تھے۔ قرآنی نقوش، عملیات، تعویذات، مجاہدات وغیرہ کا وہاں تصور بھی نہیں تھا۔ ان پاکیزہ خصال حضرات کے ہاں ''اعمالِ قرآنی'' یا ''مجرب عملیات'' کے نام پر بدعات نہیں پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے ہر مسئلے میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ وہ ہماری طرح نام کے مسلمان نہ تھے کہ جنہیں ذرا تکلیف آتی ہے تو عاملوں اور کاہنوں کے ہاں ایمان برباد کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں ان کاہنوں پر پختہ اعتقاد ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کے بتلائے ہوئے اوراد و وظائف میں وہ اثر نہیں جو ان عاملوں کے تعویذوں میں ہے۔ زبان سے تو ہم ایسا نہیں کہتے لیکن ہمارا عمل اس کی چغلی کھاتا ہے۔

تعویذ، مجرب عملیات، قرآنی عملیات کے نام پر بہت سی ایسی کتب مارکیٹ میں پائی جاتی ہیں جن میں آیاتِ قرآنیہ کی تقدیس کو پامال کرنے کے طریقے ہوتے ہیں جن کو ایک سادہ لوح مسلم آسانی سے نہیں سمجھ پاتا۔ مثال کے لیے یہاں ایک معروف کتاب ''شمع شبستانِ رضا'' کا حوالہ درج کیے دیتے ہیں تاکہ بات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ اس کے عملیات وتعویذات لوگوں ہاں انتہائی مجرب اور مستند سمجھے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ برائے قبض جریان خون در ایامِ حمل:

''یہ نقش لکھ کر اس کے نیچے یا چاروں طرف یہ دُعا تحریر کر کے ناف پر یہ نقش موم جامہ کر کے باندھے......'' [1]

دُعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ ......

ان سطور کے بارے میں ہم کچھ کہنے اور لکھنے سے عاجز ہیں۔ قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود شریف کے الفاظ پر مشتمل دُعا کو اگرچہ اس پر ایک بار نہیں، سو بار

[1] حصہ اول، ص: ۲۱.

ہی موم جامہ کیوں نہ چڑھایا ہو، اس طرح ناف پر باندھنا کس حد تک درست ہے۔ اگر یہ عمل کوئی اور کرتا تو اس پر درود شریف کے منکر کا مشہور فتویٰ لگ چکا ہوتا اور اسے گستاخ رسول بھی قرار دے دیا گیا ہوتا۔

۲۔ دیگر برائے استقرار حمل:

اس عنوان کے تحت دو نقش دیے گئے ہیں۔ ایک مربع شکل میں اعداد پر مشتمل ہے اور دوسرا مثلث ہے "یا مصور" کا۔ اب ان دونوں کے استعمال کا فرق ملاحظہ فرمائیے:

"مشک اور زعفران سے جو گلاب میں حل کیا ہوا ہو، یہ نقش لکھے۔ اس طرح کہ ۶ نقش مربع مضمر لکھے اور ایک مثلث یا مصور کا لکھے۔ بعد طہارت گلے میں ڈالے اور یا مصور کا زیر ناف اور بقیہ پانچ پانی سے دھو کر غسل کریں۔"❶

یعنی اعداد والا نقش گلے میں ڈالا جائے گا اور اللہ رب العزت کی صفت مبارک یا مصور والا نقش زیر ناف ہوگا۔ استغفر اللہ!

۳۔ "یہ نقش لکھ کر بہتر ہے کہ چاندی کے پتر پر کندہ کرا کے عورت کے زیر ناف باندھے۔ مستطیل شکل کے اس نقش کے وسط میں یا حي یا قیوم لکھا ہوا ہے اور نیچے یہ آیت درج ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾

"اور (اے میرے نبی!) آپ صبر سے کام لیجیے اور صرف اللہ کی توفیق سے ہی آپ صبر کریں گے اور (کافروں کے ایمان نہ لانے سے) آپ ملول خاطر نہ ہوں اور جو سازشیں وہ کر رہے ہیں، ان سے آپ تنگ دل نہ ہوں۔"

لمحے بھر کے لیے ذرا تصور کیجیے کہ چاندی کے چھوٹے سے ٹکڑے پر یا حي یا قیوم کا ورد اور آیت مبارکہ درج ہو کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے خصوصی خطاب

❶ حصہ اوّل، ص: ۳۱۔

فرمایا ہو اور وہ عورت کے زیر ناف باندھا گیا ہو۔ایسی خرافات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اولاد کی خاطر قرآن کریم اور نبی مکرم ﷺ کی توہین پر مبنی ایسے وظائف سے اللہ رب العزت ہمیں محفوظ رکھے۔ ایسی اولاد سے بے اولاد رہنا ہزار بار گوارا ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک اور قرآن کریم کی آیت شریفہ زیر ناف باندھی جائے۔

قارئین! اس سے زیادہ مثالوں کو تحریر میں لانے کی ہمت نہیں ہے۔

یہ کتاب اسی مقصد سے شایع کی جارہی ہے کہ لوگ ان ظالموں سے بچ جائیں جو انہیں دین کے نام پر گمراہیوں کے گڑھوں میں لے گئے ہیں۔ اوپر بیان کردہ بدعات کے علاوہ اس کتاب میں اسراء ومعراج کے نام پر عبادات اور حلوے مانڈے کھانا، شعبان کی پندرہ تاریخ کو شب بیداری اور نوافل کا سلسلہ، نبی کریم ﷺ سے استغاثہ کا حکم، ماہِ محرم کے فضائل اور اس کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہِ صفر اور اُلو کو منحوس خیال کرنے والے لوگوں کے ردّ میں دلائل بھی شامل ہیں۔ صوفیا نے دین کے نام پر ہی دین کو کیسے بدنام کیا، جادو اور کہانت کے اندھیروں کے خفیہ گوشوں کو بھی کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ عشرہ ذی الحجہ، ایامِ تشریق کے فضائل و برکات اور زندہ انسان کے عمل سے میت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ یہ سب اس کتاب میں شامل ہے۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور ایسے تمام لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائے اور نصیب فرمائے جو راستہ بھول کر گمراہوں کے ساتھ گمراہی کی طرف جارہے ہیں۔

آپ کا بھائی

عبدالرؤف

رفیق ادارہ الفرقان ٹرسٹ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهُ...... اَمَّا بَعْدُ!

ہم سب مسلمان ہیں۔ اللہ رب العزت کی تعظیم وتکبیر اور نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ کا احترام ہمارا ایمان ہے، بلکہ یہی ہمارا سرمایہ حیات ہے جو دنیا میں ہماری عزت وتمکین اور آخرت میں ہماری نجات کا ضامن ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ اس تعظیم ومحبت کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ ہمارے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ کے مطابق ہوں، اور پھر قرآن وسنت کے اس عظیم پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی مخلصانہ اور پرعزم سعی کی جائے۔

عقائد، عمل اور دعوت کا یہی راستہ ''سعادت دارین'' کی منزل کی طرف جاتا ہے اور اس کتاب کے ترجمہ اور شائع کرنے میں یہی فکر اُجاگر کرنے کا جذبہ کارفرما ہے۔

زیر نظر کتاب ''ایمان کا راستہ'' سعودی عرب کے معروف علمائے دین کی کتب کی جمع و ترتیب پر مبنی ہے۔ کچھ کتب کا ترجمہ کیا گیا ہے اور کچھ تصنیفات ہیں۔ ترجمے میں کوشش کی گئی ہے کہ اسلوب ایسا ہو کہ قاری کی سمجھ میں آسانی سے آسکے اور کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

یہ علمائے کرام کسی تعارف یا مقدمہ کے محتاج نہیں ہیں۔ ان علمائے گرامی کی کتب اپنے علمی دلائل، قوت استدلال اور آسان اسلوب کی وجہ سے پوری دنیا میں معروف ومطلوب ہیں، لوگوں کا ان کے علم سے استفادہ کرنا جاری وساری ہے۔

البتہ مصنفین نے بعض مقامات پر علمی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے، ان کا بھی اُردو ترجمہ کیا گیا ہے مگر ان اصطلاحات کے اصل مفہوم کو سمجھنے کے لیے حاشیہ میں مترجمین نے مزید شرح کی ہے تاکہ کوئی تشنگی نہ رہے۔

آیات واحادیث کے ترجمے کے لیے معروف و عظیم علمائے دین کے مفید ترجموں سے استفادہ کیا گیا ہے تاکہ کتاب میں ثقاہت پیدا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین کے صحیح فہم سے آراستہ کرے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ ان تمام احباب واخوان کو اجر وثواب میں شریک فرمائے جو اس کتاب کی اشاعت میں ہمارے متعاون رہے۔ہم ان اہل علم کے انتہائی مشکور ہیں جنہوں نے اشاعت کے لیے اپنی تحریریں ہمارے ادارے کو اشاعت کے لیے دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور صراطِ مستقیم کے لیے اُن کی جہود کو ثمر قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

آخر میں ہم کمپوزر، ڈیزائنر اور دیگر معاونین جنہوں نے تیاری کتاب میں حصہ لیا، کے شکر گزار ہیں کہ ان تمام لوگوں نے انتہائی محنت اور توجہ سے اپنے کام کو انجام دیا۔ بالخصوص ہمارے قابل دوست عبدالرؤف (رفیق ادارہ الفرقان ٹرسٹ) کا، جن کی کاوشیں ادارہ کے لیے جاری ہیں۔

ابوساریہ عبدالجلیل

سعودی عرب

اسلام میں سنت رسول ﷺ کا مقام

فضیلة الشیخ دکتور صالح الفوزان

ترجمہ:......ابوشمس عبداللطیف کشمیری (فاضل اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ الْقَائِلِ: " أَلَا وَاِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ . " اَمَّا بَعْدُ!

تمام تعریف اور حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر جو خاتم النبیین ہیں۔ آخری نبی اور ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ درود وسلام اس نبی پر جن کا فرمانِ عالی ہے:

((أَلَا وَاِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ .)) ❶

''بے شک مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کیا گیا۔'' ❷

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد کریم ﷺ کو مشعل ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، سلسلہ نبوت کے ایک وقف کے بعد آپ کو ہر خیر کی خوش خبری سنانے والا اور ہر شر سے ڈرانے والا ایک روشن چراغ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اسی شمع ہدایت کی روشنی سے نابینا کو بینائی عطا کی اور ہر گمراہ کو راہِ ہدایت دکھائی۔ آپ ﷺ نے تبلیغ رسالت کی امانت کو اس طرح واضح اور کھلے انداز میں لوگوں تک پہنچایا کہ پوری اُمت کو ایک ایسی واضح اور روشنی دلیل پر چھوڑا جس کی شب بھی دن کی طرح پرنور ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ مسند امام احمد: ٤/ ١٣٠.

❷ حدیث میں لفظ ''مثل'' سے مراد نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے۔ کیونکہ حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو قرآن کے مثل قرار دیا گیا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

((اِنِّی تَارِكٌ فِيكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ ، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ .)) [1]

''میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لوگے تو تم میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) اور میری سنت ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِیْ فَسَيَرٰی اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ، فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) [2]

''پس تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ (میرے بعد) بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا تو (ایسی حالت میں) تمہارے لیے میری سنت اور رشد و ہدایت یافتہ خلفاء رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے۔ اسی کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے پکڑے رکھو...... اور خبردار! دین میں نئی ایجادات سے بچو۔ کیونکہ دین میں ہر ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

سنت کا لغوی معنی اور اس کی اصطلاحی تعریف:

اس کتاب میں جس موضوع پر آپ سے بات کرنے جارہے ہیں وہ ہے ''اسلام میں سنت رسول ﷺ کا مقام'' اس لیے ہم پہلے سنت کے لغوی و اصطلاحی معانی کو بیان کرتے ہیں۔

سنت کا لغوی معنی: ......لغت میں سنت کا معنی ''طریقہ'' اور ''دستور'' کے ہیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

---

[1] موطا امام مالك: ۸۹۹/۲، ح: ۱۵۹٤.

[2] سنن ابوداؤد: ۲۰/٤، ح: ٤٦۰۷۔ جامع ترمذی: ٤٤/۵، ح: ۲٦۷٦۔ سنن ابن ماجه: ۱۵/۱، ح: ٤۲.

﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ﴾ (فاطر: ٤٣)

"سو کیا یہ لوگ بھی اسی طریقہ کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔"

یعنی اے اللہ کے رسول! کیا یہ کافر لوگ بھی اسی دستور اور طریقہ کے منتظر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب اور ان کی مخالفت کی وجہ سے پہلے لوگوں (سابقہ اُمتوں) کے ساتھ اپنایا۔ ان اُمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ اور دستور رہا کہ ان کو انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے عذاب وعقاب سے دوچار کر دیا۔

اس معنی میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ .)) ❶

"اور تم ضرور ان ہی طریقوں کو اختیار کرو گے جو طریقے تم سے پہلے والے لوگ اپنائے ہوئے تھے۔"

سنت کی اصطلاحی تعریف: ......علمائے شریعت یعنی محدثین کرام، علمائے اُصول اور فقہائے اُمت کے ہاں سنت کا معنی یہ ہے:

((مَا ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ .))

"جو نبی ﷺ کے قول، فعل یا تقریر سے ثابت ہو۔" ❷

بعض علماء نے قول وفعل اور تقریر کے علاوہ "صفت" کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ❸ بہرحال

---

❶ صحیح بخاری: ۱۲۷٤/۳، ح: ۳۲٦۹۔ صحیح مسلم: ۲۰۵٤/٤، ح: ۲٦٦۹۔

❷ قول وفعل معروف ہیں جب کہ تقریر سے مراد یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کوئی کام کیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو اس کام سے منع نہیں فرمایا۔ تو یہ کام سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ کام جائز نہیں ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے، اس لیے نبی کریم ﷺ کی خاموشی اس عمل پر آپ کی رضا مندی کی دلیل ہے اور اُصولِ حدیث کی رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل نبی کریم ﷺ کی تقریر سے ثابت ہے۔

❸ بعض علماء نے سنت کی تعریف کرتے ہوئے جو "صفت" کا اضافہ کیا ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی خلقی اور خُلقی صفات ہیں۔ خلقی صفات وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پیدائشی طور پر مزین فرمایا تھا، اور خُلقی صفات سے مراد آپ ﷺ کے وہ اخلاق و عادات، معاملات، طرزِ حیات اور آدابِ زندگی ہیں، جن سے آپ کی مکمل حیاتِ مبارکہ معمور تھی۔ (مترجم)

انہی مذکورہ طریقوں سے جو کچھ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوا، اس کو سنت شمار کیا جائے گا اور علمائے شریعت کے یہاں سنت کی یہی تعریف ہے۔

اسلام میں سنت کی اہمیت:

اسلام میں سنت مطہرہ کا مقام بڑا عظیم اور انتہائی بلند ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعد دوسرا مرتبہ سنت ہی کا ہے۔ وہ اس لیے کہ اُصولِ دین کی پہلی اصل اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے رسول محمد کریم ﷺ پر ہدایت و بیان کے ساتھ نازل فرمائی۔ جب کہ دوسری اصل نبی اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ ہے۔ قرآن وسنت کے ان دو بنیادی اصول کے بعد جو بھی شرعی دلائل کے دوسرے اُصول ہیں ان سب کا اصل مرجع بھی قرآن وسنت ہی ہے۔

اسلام میں دلائل کے اُصول کی اساس ان ہی دو عظیم اُصول یعنی قرآن وسنت پر ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان ہی دو اُصول کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ مَ)اِنْ تَمَسَّكُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ ، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ .)) ❶

"میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو گے تو تم میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) اور میری سنت ہے۔"

آپ ﷺ نے قرآن مجید کے ساتھ ساتھ سنت مطہرہ کو مضبوطی سے لازم پکڑنے کی وصیت اسی لیے فرمائی کیونکہ سنت نبوی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝﴾ (النجم: ٣، ٤)

"اور وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو (آپ ﷺ) پر نازل کی جاتی ہے۔"

---

❶ مؤطا امام مالك: ٢/٨٩٩، ح: ١٥٩٤.

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سنت مطہرہ بھی وحی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا، اور پھر آپ ﷺ نے اس وحی کو اوامر و نواہی کی صورت میں لوگوں تک پہنچایا۔

اسی طرح سنت کی اہمیت و عظمت اس امر سے بھی آشکارا ہوتی ہے کہ سنت رسول ﷺ قرآن مجید کی تفسیر، اس کی تبیین اور وضاحت کرتی ہے۔ مجمل احکام کی تفصیل ❶، مطلق کی تقیید ❷، اور عام کی تخصیص ❸ کرتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات سنت مطہرہ قرآنی حکم کو منسوخ بھی کرتی ہے ❹ اور اسی طرح سنت مطہرہ سے ایسے احکام بھی

---

❶ مجمل احکام کی تفصیل...... جیسا کہ قرآن میں نماز کا حکم اجمالاً بیان ہوا ہے مگر نماز کی رکعات، اوقات اور طریقہ کی تفصیل سنت مطہرہ سے واضح ہوتی ہے۔

❷ مطلق کی تقیید...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ: ۳۸) ''اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ ڈالو'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلق حکم دیا ہے جب کہ سنت نے اس کی اس طرح تقیید کی کہ ہاتھ دایاں اور کلائی (ہتھیلی کے جوڑ) سے کاٹا جائے گا، بہر حال ان سب اُمور کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

❸ عام کی تخصیص...... مثلاً قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲) اس آیت کریمہ میں وارد لفظ ''ظلم'' سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام ظلم مراد لیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس ظلم کی عمومیت کو شرک کے ساتھ خاص کیا اور فرمایا: ((لَيْسَ بِذَالِكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ)) یعنی ''اس سے عام ظلم نہیں بلکہ شرک مراد ہے۔''

❹ اس کی مثال قرآن کی یہ آیت ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرہ: ۱۸۰) ''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ کر جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے لیے وصیت کر جائے۔ پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔'' اس آیت کریمہ میں اقرباء کے ساتھ ساتھ والدین کے حق میں بھی وصیت کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ حکم نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے منسوخ ہو گیا: ((اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ)) یعنی ''اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اپنا حق دیا اس لیے وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔'' یعنی وارث جن میں والدین بھی ہیں وہ میت کے مال سے قرآن کے تقسیم کردہ نصاب کے مطابق ہی حصہ پائیں گے۔ اس لیے ان کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی جائے گی۔

بھی ثابت ہیں جو قرآن مجید میں ذکر ہی نہیں۔ ❶

مذکورہ مختصر وضاحت سے ہم پر سنت کی عظمت و اہمیت بالکل عیاں ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت مطہرہ قرآن مجید کی تفسیر ہے اور وہی قرآنی احکام کو تفصیل سے بیان کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اُتارا تاکہ آپ وہ کھول کھول کر وضاحت سے بیان کر دیں جو ان لوگوں کی طرف نازل کیا گیا۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور اس کے بیان و تفسیر کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو سونپ دی اور یہ بیان و تفسیر آپ کی سنت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ (ابراهيم: ٤)

''اور ہم نے ہر ہر پیغمبر کو اس کی قومی زبان میں ہی مبعوث کیا ہے تاکہ وہ ان کو وضاحت سے بیان کر دے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی طرف حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ بھی دوسرے انبیاء و رسل کی طرح اپنی اُمت کو (اللہ تعالیٰ کا پیغام) وضاحت سے بیان فرما دیں۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ قرآن مجید کی تفسیر سنت رسول ہے اور اللہ نے قرآنی احکام کی توضیح و تفصیل کی ذمہ داری اپنے پیارے نبی محمد کریم ﷺ کو سونپ دی تو اب یہاں پر اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

---

❶ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سمندر کے بارے میں فرمایا: ((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ.)) ''اس کا پانی اور مدہ دونوں پاک ہیں'' اور یہ حکم قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح شادی شدہ بدکار (زانی وزانیہ) کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم بھی قرآن مجید سے نہیں بلکہ (قولی اور عملی) احادیث مبارکہ سے ثابت ہے

پہلی مثال:...... نماز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا لیکن قرآن نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کون سی نماز کتنی رکعات پڑھنی ہیں۔ فجر ہو یا ظہر، عصر ہو یا مغرب یا نمازِ عشاء...... کسی نماز کی رکعات کی تفصیل و تعداد قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

(العنکبوت : ٤٥)

''اور نماز قائم کریں بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البينة : ٥)

''اور ان لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اسی کے لیے دین کو خالص کریں اور نماز کو قائم رکھیں۔''

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ (التوبة : ٥)

''پس ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کو پابندی سے قائم کریں۔''

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات کریمہ موجود ہیں جن میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے (لیکن کسی آیت میں تعدادِ رکعات کی تفصیل موجود نہیں ہے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کا حکم دیتے وقت اس کے اوقات کی تفصیل کا ذکر نہیں فرمایا کہ کون سی نماز کس وقت ادا کرنی ہے۔ اگرچہ قرآن میں اوقاتِ نماز کا اجمالی ذکر موجود ہے مگر اس اجمال کا تفصیلی بیان موجود نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (الاسراء: ۷۸)

''نماز قائم کریں سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک، اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔ یقیناً فجر کے وقت قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔'' ❶

اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○﴾ (الروم: ۱۷، ۱۸)

''پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو جب تم شام کرو اور جب صبح کرو اور تمام تعریفوں کا سزاوار اور زمین و آسمانوں میں صرف وہی (اللہ سبحانہ) ہے۔''

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں اوقاتِ نماز کا مجمل ذکر تو موجود ہے مگر اس کی تفصیل سنت رسول ﷺ سے واضح ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی اور فرمایا:

((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ .)) ❷

''نماز (اس طرح) پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

اس طرح سے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کی رکعات کی مکمل تعداد بیان کی۔ پس ہم آج اسی طرح نماز ادا کرتے ہیں جس طرح اور جس تعداد میں آپ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپ ﷺ کے فرمودات کے مطابق ہم ظہر کی نماز حالت حضر میں چار رکعات پڑھتے ہیں اور سفر کی حالت میں قصر کر کے صرف دو ہی رکعات پڑھتے ہیں۔ جب کہ مغرب کی نماز حالت اقامت اور حالت سفر دونوں میں تین رکعات پڑھتے ہیں۔ اس طرح نمازِ عشاء حضر کی حالت میں چار رکعات اور بحالت سفر صرف دو رکعات قصر پڑھتے ہیں اور

❶ یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ (مترجم)

❷ صحیح بخاری: ۱/۲۲۶، ح: ۶۰۵.

نمازِ فجر سفر و حضر دونوں میں دو رکعات پڑھتے ہیں۔ ❶ یہ ہے وہ تفصیل جو نبی کریم ﷺ نے ہم کو ہر نماز کی رکعات کی تعداد بیان کرتے ہوئے فرمائی۔

رہی بات اوقات کی تو اس بارے میں بھی نبی کریم ﷺ نے ہماری مکمل راہنمائی فرمائی اور ہر نماز کے لیے اس کا وقت خود نماز پڑھ کر عملاً بیان فرمایا جیسا کہ ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نماز کے اوّل اور آخر وقت پر نبی کریم ﷺ کی امامت فرمائی اور پھر کہا:

((اَلصَّلَاةُ بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتَيْنِ .)) ❷

''نماز ان دو اوقات کے درمیان ہے۔''

اسی طرح سے آپ ﷺ نے ہمیں تفصیل کے ساتھ نماز، رکعات کی تعداد، طریقہ اور اس کے اوقات بیان فرمائے اور ان اُمور و احکام کی معرفت سنت رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ نماز کے وجوب و فرضیت کا علم ہمیں قرآن مجید کے ذریعے سے معلوم تھا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ، ادا کرنے کے اوقات، تعداد رکعات کی مکمل اور تفصیلی معلومات سنت مبارکہ سے معلوم ہوئیں، اور یہ اس بات پر واضح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس (نماز) کی توضیح و تبیین کی ذمہ داری نبی اکرم ﷺ پر ڈالی اور آپ نے یہ ذمہ داری اپنے قول و فعل سے پوری فرمائی۔

حجیت حدیث اور خوارج:

ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس خوارج کی ایک جماعت آئی۔ یہ لوگ چونکہ

❶ مصنف نے تعدادِ رکعات بیان کرتے ہوئے صرف فرائض کی تعداد پر اکتفا کیا ہے اور چونکہ سنتوں کی تعداد معروف بھی ہے۔اس لیے مسئلہ سمجھانے کی غرض سے صرف فرائض کا ذکر کر کے اختصار سے کام لیا ہے۔یاد رہے کہ دورانِ سفر قصر صرف فرض نمازوں (ظہر، عصر، عشاء) میں ہے جب کہ سنت کی قصر نہیں بلکہ سنت معاف ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت پر ایک احسان ہے۔ اس لیے رب کے احسان کو لینا اور رخصت پر عمل کرنا بہتر اور افضل ہے۔(مترجم)

❷ سنن ابوداود: ۱/۱۰۷، ح: ۳۹۳۔ جامع ترمذی: ۱/۲۷۸، ح: ۱۴۹.

سنگ کے منکر تھے، تو انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سنت رسول کو حجت اور شرعی دلیل تسلیم کرنے پر مناظرہ کیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے کہا:

((اَللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا اَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ فِي الْقُرْآنِ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ؟ هَاتُوا لِيْ آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ تُبَيِّنُ كَيْفِيَّةَ الصَّلَاةِ.))

''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، تو اب ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ مجھے قرآن سے ایک آیت ہی ایسی لادو جو نماز پڑھنے کے طریقے کو واضح کرتی ہو۔''

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس سوال کے ساتھ ہی وہ بھونچکا رہ گئے اور پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان پر واضح کیا کہ سنت مطہرہ سے دلیل اخذ کرنا اور اس کو حجت تسلیم کرنا واجب ہے۔

دوسری مثال:...... **زکوۃ**

ایسے ہی نماز کی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ لیکن ہمیں یہ تفصیل کیسے معلوم ہو کہ کس قسم کے اموال میں زکوۃ واجب ہے اور کس میں نہیں۔ بات واضح ہے کہ سنت رسول ﷺ کے بغیر اس کی معرفت ممکن نہیں...... تو نبی کریم ﷺ نے اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ سونا، چاندی، غلہ، پھل، مویشی اور سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہے اور یہ بات بھی واضح فرمائی کہ ہر قسم کی اشیاء پر زکویۃ واجب نہیں۔ [1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے زکوۃ کی مقدار بھی بیان فرمائی اور کس چیز میں کتنی زکوۃ واجب ہے۔ اس کو الگ الگ واضح کیا اور فرمایا کہ زمین سے پیدا ہونے والا غلہ اور پھل پر عشر (دسواں حصہ) ۱۰ فیصد زکوۃ ہے۔ بشرطیکہ زمین کی آبپاشی باران آسمانی (بارش) سے ہو

[1] واضح رہے کہ نقد مبلغ بھی سونا و چاندی کے حکم میں ہے اور اس پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ لیکن سکونت کے لیے مکان اور ذاتی استعمال کی گاڑی جیسی اشیاء پر زکویۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ (مکان یا گاڑی) جیسی اشیاء بھی تجارت کے لیے ہوں تو پھر ان پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ (مترجم)

رہی ہو اور اگر آبپاشی کا دارومدار بارش پر نہیں بلکہ زمین دار خود سے آب پاشی (ٹیوب ویل وغیرہ) کے ذریعے سے کرتا ہے تو اس پر نصف العشر (بیسواں حصہ) ۵ فیصد زکوٰۃ فرض ہے اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی ہے تو اس پر (سال گزرنے کے بعد) ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔

اسی طرح مویشی پر زکوٰۃ کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری کی زکوۃ ہے۔ ❶

پانچ اونٹوں پر ایک سالہ بکری، دس اونٹوں پر دو بکریاں، پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، بیس اونٹوں پر چار بکریاں، پچیس اونٹوں پر ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) اور چھتیس اونٹوں پر ایک بنت لبون (یعنی دو سالہ اونٹنی)...... و ھکذا.

بے شک اگر ان سب اُمور کی تفصیل سنت مطہرہ بیان نہیں کرتی تو ہمیں قرآن مجید سے زکوٰۃ کے وجوب کا علم ضرور ہوتا مگر زکوٰۃ کس طرح ادا کرنی ہے، اس سے بالکل بے خبر ہوتے...... سنت طیبہ نے ہی ہمیں زکوٰۃ کی مقدار اور وہ اموال و اشیاء جن پر زکوٰۃ واجب ہے کی مکمل تفصیل فراہم کی۔

اسی طرح سنت نبوی سے ہی زکوٰۃ کے اوقات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں کہ ہر قسم کے اموال پر تب ہی زکوۃ واجب ہے جب ان پر ایک سال مکمل گزر جائے۔ الا یہ کہ زمین سے پیدا ہونے والا غلہ اور پھل ...... اس پر اسی وقت زکوۃ واجب ہو جائے گی جب وہ تیار ہو کر کاٹا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (الانعام: ۱٤۱)

''اور اسی (زمین سے پیدا ہونے والے پھل اور غلہ) میں جو حق (زکوٰۃ) واجب

---

❶ اگر کسی کے پاس چالیس بکریوں سے کم ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ نہیں ہیں بلکہ چار ہی ہیں یا اس سے کم، تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ نصاب کا مکمل ہونا اور سال گزرنا بنیادی شروط ہیں۔ (مترجم)

ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔" ❶

تیسری مثال:...... روزہ

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں (ماہِ رمضان میں) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ "رمضان المبارک" کا روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روزوں کی حدود (احکام واوقات) بیان نہیں فرمائے اور نہ ہی ان اُمور کی وضاحت فرمائی جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور نہ ہی ان اعمال کی تفصیل بیان کی جن سے ایک روزہ دار کو اجتناب کرنا (بچنا) ضروری ہے...... بلکہ ان سب اُمور واحکام کی تفصیل سنت رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

چوتھی مثال:...... حج

اسی طرح حج بیت اللہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیت اللہ کا قصد اور ادائے حج کا واضح حکم دیا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

(آل عمران : ۹۷)

"اور اللہ تعالیٰ نے اس گھر (بیت اللہ شریف) کا حج ان لوگوں پر فرض کر دیا جو اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔"

یہ آیت کریمہ فرضیت حج پر واضح دلالت کرتی ہے۔لیکن حج کب کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے، ان سب احکام کی تفصیل نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی۔آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا اور فرمایا:

---

❶ یعنی جب غلہ کھیتی سے کاٹ کر صاف کر لیا جاتا ہے اور پھل درختوں سے توڑے جاتے ہیں تو اسی وقت ان کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ان میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔لیکن وجوب کے لیے شرط ہے کہ وہ پانچ وسق سے کم نہ ہو، یعنی اگر پھل یا غلہ پانچ وسق سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع دو کلو چالیس گرام کا۔اس حساب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پھل اور غلہ جات پر تب ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب اس کی مقدار کم از کم چھ سو بارہ کلو ہو۔(مترجم)

((خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ .)) ❶

''تم لوگ مجھ سے حج کے احکام واعمال سیکھ لو۔''

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کے تمام احکام ومناسک ایک ایک کر کے تفصیل کے ساتھ (قولاً وفعلاً) بیان فرمائے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی فرمایا کہ ان احکام کو ہم اس طرح لازم پکڑیں جس طرح سے ان کو آپ کے ساتھ حج میں شریک اور ان مناسک کا براہِ راست مشاہدہ کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کر کے ہم تک پہنچایا۔

پانچویں مثال:...... **حدود**

اسی طرح حدود کے باب دیکھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا کہ جو شخص بھی (مرد ہو یا عورت) چوری کا ارتکاب کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ : ۳۸)

''اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

لیکن چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے (شریعت میں) احکام وشروط متعین ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی تفصیل ہمیں سنت نبوی میں ملتی ہے...... احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ چور کا ہاتھ تب کاٹا جائے گا جب اس سے ربع دینار (ایک دینار کا چوتھائی حصہ) یا تین درہم یا اس کے مساوی قیمت کی چوری ثابت ہو جائے۔ ❷ اسی طرح مذکورہ آیت کریمہ میں یہ وضاحت بھی موجود نہیں ہے کہ چوری کے جرم میں کون سا ہاتھ اور کس جگہ سے کاٹا جائے گا۔ جب کہ اس کی تفصیل بھی سنت مطہرہ میں وضاحت

---

❶ صحیح مسلم: ۳۴۹/۲، ح: ۱۲۹۷۔

❷ اگر ربع دینار یا تین درہم یا اس کے مساوی قیمت سے کم چوری پکڑے جائے تو پھر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی اور شروط ہیں۔ لیکن شیخ الفوزان حفظہ اللہ نے یہاں پر صرف ایک مسئلہ سمجھانے کے لیے اختصار سے کام لے کر حد سرقہ کا ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ اس کی کلائی (ہتھیلی کے جوڑ) سے کاٹا جائے گا۔

یہ چند مثالیں بطورِ مثال ہی پیش کی گئیں تا کہ اسلام میں سنت مطہرہ کی اہمیت اور مقام کی وضاحت ہو وگرنہ ایسی لا تعداد مثالیں موجود ہیں جو اس بات کی واضح اور بین دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ قرآن مجید میں موجود احکام کی تفصیل وتفسیر بیان کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں اطاعت رسول ﷺ کا حکم

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ان کی اطاعت کا حکم فرمایا اور واضح کیا کہ جس نے میرے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی اس نے میری اطاعت اور فرماں برداری کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

”جو اس رسول کی اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی۔“

اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ان تمام احکام و اوامر پر عمل کیا جائے جو آپ کی سنت مطہرہ سے (قولاً، عملاً وتقریراً) ثابت ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

”اور تمہیں جو کچھ رسول دے، اسے لے لو اور جس سے وہ روکے، اس سے رُک جاؤ۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اوامر ونواہی اور دینی تشریعات میں نبی کریم ﷺ کے بیان کردہ تمام احکام کو لازم پکڑنے کا حکم دیا، اور ہر اس کام سے اجتناب (بچنے) کا حکم دیا جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم متعدد صورتوں اور مختلف اسالیب میں وارد ہوا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم ایک ہی جگہ

بیان فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء: ٥٩)

''اے ایمان والو! تم اللہ کی فرماں برداری کرو اور فرماں برداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور ان کی جو تم میں سے اختیار والے ہیں۔''

اسی اسلوب میں ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ (آل عمران: ٣٢)

''کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو۔''

اور بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا ذکر انفرادی صورت میں فرمایا، یعنی صرف نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا ذکر فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ٨٠)

''اور جو رسول کی اطاعت کرلے اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

اسی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۝﴾ (النور: ٥٦)

''اور نماز پابندی سے قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

بالکل اسی اسلوب میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (النساء: ٦٤)

''اور ہم نے ہر ایک رسول کو صرف اسی لیے مبعوث فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

رجوع الی اللہ والرسول کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نزاع اور اختلاف کی صورت میں (اہل ایمان کو) کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اختلاف اور نزاع ختم کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۠﴾ (النساء: ٥٩)

”اے ایمان والو! فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول ﷺ کی اور ان کی جو تم میں سے اختیار والے ہیں۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔“

یہاں پر اس آیت کریمہ میں معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی طرف لوٹایا جائے، اور رسول کریم ﷺ کی طرف لوٹانے کا مقصد آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی ذاتِ مبارکہ پر (براہِ راست) پیش کرنا تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنت مطہرہ کی طرف لوٹانا مقصود ہے۔ آیت کریمہ میں ہر معاملہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم تا قیامت باقی اور قائم ہے، جب کہ روزِ قیامت تک اس حکم کی بقا و دوام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی طرف رجوع کا مطلب آپ کی سنت مطہرہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور پھر یہ رجوع الی السنۃ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ سنت رسول ہی کوئی بھی اختلاف ختم کرنے کے لیے اصل مصدر اور بنیادی اساس ہے۔ اُمت میں جب بھی، جہاں بھی اور کسی قسم کا بھی اختلاف واقع ہو جائے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی

طرف رجوع کر کے ہی اس اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے، چاہے وہ اختلاف کسی دینی معاملے میں ہو، عبادت کے مسائل میں ہو یا لوگوں کے آپسی حقوق کے بارے میں ہو...... اور یہ بات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ سنت رسول قرآن مجید کے مثل ہے اور وہ اسلامی شریعت کے اُصول میں ایک ایسا اصل اور اساس ہے جس سے مسلمان کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

سنت رسول ﷺ سے اعراض پر وعید وعقوبت

جو لوگ سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی شدید وعید سنائی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الحشر: ٧)

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے اس کو لے لو، اور جس سے روکے اس سے رُک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو بھی شخص اوامر ونواہی میں نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کی مخالفت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے دوچار ہونا ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (القصص: ٥٠)

''پس اگر یہ لوگ آپ کی نہیں مانتے (آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے ہیں) تو آپ یقین کرلیں کہ یہ لوگ اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔''[1]

اسی طرح ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] خواہشات کی پیروی حق سے اعراض اور گمراہی میں مبتلا ہونے کی واضح علامت ہے۔

((كُلُّكُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى.)) [1]

''تم میں سے ہر ایک جنت میں داخل ہوگا، الا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔''

جو شخص بھی اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی سنت مطہرہ کے مخالف چلتا ہے تو گویا وہ جنت میں جانے سے انکاری ہے اور اس کا انجام جہنم ہے۔ اسی طرح معصیت رسول ﷺ کے انجام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک اور انتباہ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (النور: ٦٣)

''اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں تو انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ گھیر لے۔''

اس آیت کریمہ میں سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے شخص کو دو طرح کی شدید وعید سنائی گئی ہے:

پہلی وعید :......سنت رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اس کا دل فتنے کا شکار ہوسکتا ہے اور حق سے بھٹک جائے گا اور پھر ایمان کے بعد کفر کا مرتکب ہو جائے گا...... اور جب اس کا دل حق سے بھٹک کر گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس گمراہی کے بعد حق کی ہدایت نہیں پاسکے گا۔ گمراہی میں ابتلاء کی یہ وعید آگے مذکور دوسری وعید سے زیادہ شدید اور خطرناک ہے۔

---

[1] صحیح بخاری: ٦/٢٦٥٥، ح: ٦٨٥١.

دوسری وعید :......آیت کریمہ میں دوسری وعید اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ہے، اور یہ عذاب الیم بھی دو طرح کا ہوسکتا ہے:

۱۔ ممکن ہے سنت رسول ﷺ سے اعراض کے سبب اس کو دنیا میں ہلاک کر دیا جائے یا مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جائے یا عذابِ الٰہی سے اس طرح ہلاک ہو جائے جس طرح ان کافر لوگوں کا مقدر ہلاکت ہی ٹھہرتی ہے جو امر رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔

۲۔ اور عذاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مخالفت سنت کے سبب آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار ہونا ہے۔

اور جان بوجھ کر (عمداً) احکامِ رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے شخص کا مقدر دونوں طرح کا عذاب ہوسکتا ہے۔ اس کا دل بھی حق سے بھٹک جائے گا (نعوذ باللہ) اور مال و جان بھی تباہ ہو جائے گا...... یا موت و ہلاکت کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور مال بھی کسی آفت کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ امر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کا انجام یہی ہے۔

سنت رسول ﷺ پر عمل کی کیفیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا احوال بیان فرماتے ہیں کہ مخالفین سنت کے برعکس ان کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جونہی ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اور فیصلہ معلوم ہو جائے تو پھر ان کے لیے فیصلہ تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

بلکہ جو حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے مومن اس کو دل کی رضا، اطمینان اور شرح صدر سے بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ سراسر خیر و ہدایت ہے اور اگر اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر عمل نہیں کیا تو پھر وہ بھی کھلی گمراہی کا شکار ہو جائے گا۔ ❶

گمراہی ہدایت کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گمراہی (ضلال) کو مذکورہ آیت کریمہ میں لفظ (مبین) کے اضافی وصف کے ساتھ بیان کیا۔ یعنی یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والا کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔ کیونکہ اس نے صحیح راستہ ترک کر دیا اور گمراہی کی راہ اختیار کی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر عمل حق کا راستہ ہے جب کہ اس حکم سے اعراض اور اس کی مخالفت ضلالت و گمراہی کا راستہ ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کے سبب عذاب و عقوبت کی مزید وضاحت کے لیے یہاں ایک ایسے شخص کا واقعہ قابل ذکر ہے جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا، مگر اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ گھمنڈ اور تکبر نے اس کو حکمِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے سے روکا، حالانکہ وہ دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت رکھتا تھا تو پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا اسْتَطَعْتَ)) ''تو دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت ہی نہ رکھ۔'' ❷

آپ ﷺ نے اس کو اس کے تکبر کی وجہ سے سنت سے اعراض پر بددعا کی اور اس بددعا کی وجہ سے وہ پھر کبھی اپنا دایاں ہاتھ پھیلا ہی نہ سکا اور نہ اس کو کبھی اپنے منہ تک لے

---

❶ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو اپنا فیصل (جج) تسلیم کرنا ہی ایک سچے مومن کی شان ہے، مومن بندہ صرف قبول ہی نہیں بلکہ اس طرح تسلیم کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اس سے تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء: ٦٥)

❷ صحیح مسلم: ١٥٩٩/٣، ح: ٢٠٢١.

جا سکا۔ اس طرح سے اس کو جلد ہی عذاب و عقوبت نے گھیر لیا۔ پس یہ واقعہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے سنت رسول ﷺ کی مخالفت اور اس سے اعراض کا انجام عقوبت اور سزا سے دوچار ہونا ہے۔ سابق الذکر واقعہ کے برعکس اب ایک صحابی کا فرمانِ نبوی پر عمل کی کیفیت کو دیکھیے جس نے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی...... جب نبی کریم ﷺ کی نظر اس کی انگوٹھی پر پڑی تو فرمایا:

((یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ اِلٰی جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَیَضَعُهَا فِیْ یَدِہٖ .))

''تم میں سے ایک شخص آگ کے انگاری کی طرف بڑھتا ہے، پھر اس کو اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے اس شخص سے یہ انگوٹھی لے لی اور اس کو زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد جب نبی کریم ﷺ مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے گئے اور انگوٹھی ابھی زمین پر ہی پڑی ہوئی تھی، چنانچہ جس شخص کی یہ انگوٹھی تھی وہ ابھی مجلس میں ہی بیٹھا تھا تو مجلس میں موجود دوسرے لوگوں نے اسے اپنی انگوٹھی اُٹھانے کا مشورہ دیا تا کہ اس سے استفادہ کر سکے [1] لیکن اس نے انگوٹھی اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا:

((وَاللّٰهِ لَا آخُذُہٗ وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ .)) [2]

''نہیں، اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو اب نہیں اُٹھاؤں گا، کیونکہ اس کو اللہ کے رسول ﷺ نے (اپنے دستِ مبارک سے) پھینک دیا۔''

حکم رسول ﷺ کی تعمیل میں دونوں اشخاص کا واضح فرق دیکھیں۔ پہلا شخص کبر اور غرور کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ میں دائیں ہاتھ سے کھا ہی نہیں سکتا، جب کہ دوسرا شخص نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک سے پھینکی ہوئی انگوٹھی اُٹھانے سے انکار کرتا ہے، یہ ہے ایمان

---

[1] سونے کا استعمال صرف مرد کے لیے حرام ہے عورت پر نہیں۔ اس لیے انگوٹھی سے استفادہ کیا جا سکتا تھا۔ مگر اس صحابی نے اسے نہیں اُٹھایا یہ کمالِ محبت اور کمالِ اطاعت کی ایک بہترین مثال ہے۔ (مترجم)

[2] صحیح مسلم: ۳/۱۶۵۵، ح: ۲۰۹۰.

اور یہ ہے حکم رسول کی تعمیل کا بہترین اظہار۔

یہاں پر ہم حکم رسول ﷺ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعمیل کی توصیف میں ایک اور مثال کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہجرت کی ابتدا میں مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اللہ باری تعالیٰ کا حکم آیا کہ:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرہ: ١٤٤)

''پس آپ اپنا روئے مبارک مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔''

اس حکم کے ساتھ ہی قبلہ بیت المقدس سے کعبہ شریف کی طرف بدل گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پاتے ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبہ شریف کی طرف موجہ ہو گئے۔ جب اہل ایمان بیت المقدس کی طرف قبلہ رُو ہو کر نماز ادا کرتے تھے، اس وقت بھی وہ ...رف اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾
(البقرہ: ١٤٢)

''(اے اللہ کے رسول ﷺ!) آپ فرما دیجیے کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت وراہنمائی فرما دے۔''

جب آسمان سے اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ اپنا قبلہ بدل دو، اور کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرو، تو اس وقت بھی کسی تامل یا قیل وقال کے بغیر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام اہل ایمان بیت المقدس سے کعبہ کی طرف قبلہ رو ہو جاتے ہیں۔ [1]

جس وقت تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت (جنہیں

[1] جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بیت المقدس سے کعبہ شریف کی طرف قبلہ بدلنے کا حکم دیا تو منافقین اور یہودیوں نے بڑا شور مچایا اور مسلمانوں پر اعتراض کرنے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ ہر جہت اور ہر طرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے حکم سے کسی بھی طرف کی جا سکتی ہے مشرق ہو مغرب...... بس شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو بس!! (مترجم)

تحویل قبلہ کی خبر نہیں ملی تھی) ابھی بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کر کے نمازِ عصر پڑھ رہی تھی کہ ایک صحابی تشریف لاتے ہیں اور ان کو حالت نماز ہی میں تحویل قبلہ کی خبر سناتے ہیں۔ حکم کی تعمیل و اتباع کی یہ کیفیت دیکھئے کہ کسی سوال یا اعتراض کے بغیر پوری کی پوری جماعت حالت نماز ہی میں بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف گھوم جاتی ہے۔❶ یہ ہے ایمان کا رسوخ اور اہل ایمان کی شان...... جونہی اللہ کا حکم پاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور جیسے ہی اپنے نبی کریم ﷺ کا حکم پاتے ہیں کسی چوں چرا کے بغیر فوراً اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور یہی اہل ایمان سے مطلوب بھی ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے دل میں مرض ہے یا نفاق کے شکار ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ تعمیل حکم کی بجائے سوالات کے انبار لگا دیتے ہیں اور اتباع کی بجائے اعتراض کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾ (البقرہ: ۱۴۲)

"عنقریب یہ نادان لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو کس چیز نے اس قبلے سے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے"

یعنی مرض اور نفاق میں مبتلا لوگ عمل کی بجائے کثرتِ سوال اور اعتراض کا راستہ اپناتے ہیں۔ جب کہ اہل ایمان بغیر کسی چوں و چرا کے حکم پاتے ہی اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

مراحل تدوین سنت

پیچھے جو بعض مثالیں اور چند عملی نمونے ہم ذکر کر آئے ہیں وہ اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں کس قدر سنت نبوی ﷺ کا مقام و احترام بسا ہوا تھا اور کس قدر وہ اطمینان اور یقین کے ساتھ اس پر عمل پیرا تھے کیونکہ دین میں شرعی دلائل کی اساس قرآن

❶ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کی بستی سے باہر پیش آیا۔ جگہ بڑی معروف ہے یہاں پر تعمیر مسجد "مسجد قبلتین" (یعنی وہ مسجد جس میں ایک ہی نماز دو قبلوں کی طرف رُخ کر کے پڑھی گئی) کے نام سے مشہور ہے بعض صحیح روایات کے مطابق ایسا ہی واقعہ مسجد "قبا" میں بھی پیش آیا۔ (مترجم)

مجید کے بعد سنت مطہرہ ہی ہے۔ اسی لیے اہل ایمان اس اصل ثانی کی تعظیم، احترام اور توقیر کرتے آئے ہیں۔ کیوں نہیں! یہ سنت تو ان کے اس نبی ﷺ کا کلام ہے جو کبھی بھی اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ کیوں نہیں! اس سنت پاک کی توقیر اور اس پر عمل پیرا ہونے میں ہی برکت اور پوری اُمت کی خیر خواہی مضمر ہے۔

زمانہ کتنا بھی گزرتا گیا لوگوں کے دلوں میں سنت پاک کی یہی قدر و منزلت رہی اور اس کی تعظیم و احترام کے ساتھ ساتھ وہ اس پر اس طرح عمل کرتے رہے گویا کہ وہ خود اپنے رسول ﷺ کو یہ سنت بیان کرتے سن رہے ہیں، کیونکہ یہ سنت مطہرہ ان کے پاس صحیح اور موثوق طریقے سے پہنچی ہے جس کی اصل اور معانی و مدلول میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پس مومن کی یہی شان ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوجاتا ہے اور ہر وقت اس کے احکام کو اپنے اور دوسروں پر نافذ کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ اور خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے اور اسے من وعن دوسروں تک پہنچا دے بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جاتی ہے براہِ راست سننے والے سے کہیں زیادہ ذہین اور یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

یعنی نبی کریم ﷺ نے قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو سنت مطہرہ کی تبلیغ و اشاعت کی ترغیب فرمائی۔

اسی طرح جب آپ ﷺ حجۃ الوداع میں وقوفِ عرفات کے دوران اپنا عظیم (تاریخی) خطبہ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں بھی اُمت کو اشاعت سنت کی وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ .)) ❷

---

❶ جامع ترمذی: ٥/٣٤، ح: ٢٦٥٧.

❷ صحيح بخاری: ١/٣٧، ح: ٦٧۔ صحيح مسلم: ٣/١٣٠٥، ح: ١٦٧٩.

''آج کے اس اجتماع میں شریک ہر حاضر یہ پیغام اس کو پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے، کیونکہ بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جاتی ہے، براہِ راست سننے والے کے مقابلہ میں زیادہ ذہین اور یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

یہ ہے وہ حکم جو نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیتے ہیں کہ وہ اس پیغام کو ہر اس شخص تک پہنچائیں جو آج کے اس اجتماع میں ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ تبلیغ سنت کی ترغیب اور اس کی اشاعت کے اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مسلمانوں نے ہر دور میں سنت رسول ﷺ کے حصول اور اس کے حفظ و ضبط کا بڑا اہتمام کیا۔ ایسا اہتمام کہ جس کی مثال سابقہ اُمتوں میں نہیں ملتی۔ آج تک دنیا میں کوئی اُمت ایسی نہیں گزری ہے جس نے اپنے رسول کے آثار و فرامین کو محفوظ کرنے کا ایسا اہتمام کیا ہو جیسا کہ اُمت محمدیہ نے اپنے نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) کے آثار و ارشادات کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا۔

اہل ایمان (ہر دور میں) سنت مطہرہ کو یاد کر کے اپنے دلوں میں محفوظ کرتے رہے، خود اس علم کو حاصل کرتے اور پھر نسل در نسل آگے پہنچاتے رہے۔ وہ سنت کے حفظ و اتقان پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ احادیث مبارکہ کو تحریری شکل میں بھی جمع کرتے تھے اور اس طرح سے وہ ایک طرف اس عظیم سرمایہ کو اپنے سینوں میں بسا لیتے اور دوسری طرف اس کو تحریری طور پر (آنے والی نسلوں کے لیے) بھی محفوظ کرتے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے ابتدائی عہد سعید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا فَلْيَمْحُهُ .)) [1]

''جس نے کوئی بھی چیز مجھ سے لکھ دی ہے تو وہ اس کو مٹا دے۔''

ابتدائی دور میں احادیث مبارکہ کو تحریری طور پر محفوظ کرنے سے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں اور کہیں کوئی شخص کسی

[1] صحيح مسلم: ٤/٢٢٩٨، ح: ٣٠٠٤.

حدیث کو آیت سمجھ کر اس کو قرآنی آیات میں شامل نہ کر بیٹھے۔ ❶

لیکن اس کے بعد آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، جن میں سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ معروف ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی وہی حدیث تحریر کرتے جو وہ خود براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے سن لیتے تھے، اور اسی اذنِ خاص اور براہِ راست سن کر تحریر کرنے کی وجہ سے سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہ نسبت بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اُس دور میں احادیث کو لکھنے سے زیادہ اس کو زبانی حفظ کرنے پر زور دیا کرتے، اور اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ وہ احادیث مبارکہ کو خود حفظ کرتے اور درساً ایک دوسرے کو پڑھا کر اس کی اشاعت کرتے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ لوگ سنت رسول ﷺ کا اتنا زبردست اہتمام کرتے کہ بسا اوقات وہ حفظ سنت کے سلسلے میں باضابطہ سفر کرتے، حتیٰ کہ ایک راوی نے بعض صحابہ سے صرف ایک حدیث حاصل کرنے کی غرض سے ارضِ حجاز سے مصر کی طرف سفر کیا، اور یہ پر مشقت سفر اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ احادیث رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور اس کے حفظ وتدوین میں کتنا اہتمام کرتے تھے۔ ❷

پھر اسے بعد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں باضابطہ حدیث کی کتابت اور تدوین کا کام شروع ہوا ❸ اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور ترقی کرتے کرتے یہاں تک

---

❶ اس دور میں خلط ملط کا ڈر اس لیے تھا کیونکہ ایک طرف نبی کریم ﷺ اُمت کو مختلف اُمور کی رہنمائی فرماتے ہوئے احکام واحادیث بیان فرماتے تھے اور دوسری طرف نزولِ وحی کا سلسلہ بھی جاری تھا، چنانچہ قرآنی آیات اور نبوی ارشادات دونوں تحریراً محفوظ کرنے سے خلط ملط کا امکان موجود تھا، اس لیے آپ ﷺ نے احادیث لکھنے سے شروع شروع میں منع فرمایا۔ واضح رہے کہ اس دور میں لوگ پتوں، ہڈیوں، کھالوں کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے۔ آج کی طرح باضابطہ کاغذ اور نوٹ بک کا انتظام نہیں تھا۔ (مترجم)

❷ راویانِ حدیث کے یہ پر مشقت سفر ہماری اسلامی تاریخ کا ایک مستقل باب ہیں۔ طلب حدیث میں ان لوگوں نے ایسی ایسی مشکلات کا سامنا کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ان کا یہ عزم وحوصلہ ان کے قوتِ ایمان اور تعظیم سنت کی واضح دلیل ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے ''کتاب الرحلة فی طلب الحدیث'' کے نام سے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ (مترجم)

❸ بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے باضابطہ اپنے گورنروں کو علم حدیث کی تدوین کے اہتمام کا حکم صادر کیا اور ان کو لکھا کہ ((انظروا حديث رسول الله فاجمعوه)) ''احادیث رسول کو تلاش کرو اور پھر ان کو جمع کرو۔'' (مترجم)

پہنچا کہ حدیث رسول ﷺ کو باضابطہ کتابوں کی صورت میں مدون کر کے صحاح، مسانید، جوامع اور معاجم کی شکل میں تصنیف کیا گیا اور اس طرح سے آج سنت پاک کا یہ عظیم ذخیرہ مسلمانوں کے پاس موجود اور محفوظ ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے حفاظ سنت کی اس عظیم جدو جہد سے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو کسی بھی نقص یا اضافے سے محفوظ رکھا۔ سنت کے ان ہی محافظین نے جھوٹی احادیث گھڑنے والوں کی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو اصل اور ثابت احادیث سے الگ کر کے صحیح سنت کی حفاظت و نگہبانی کی اور اس غرض سے انہوں نے ایسی ایسی عظیم کتابیں تصنیف کیں جن کی مثال مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسری اُمت میں نہیں ملتی۔ اتنا ہی نہیں ...... بلکہ انہوں نے کوئی روایت لینے اور اس کو قبول کرنے کے لیے باضابطہ دقیق اُصول اور سخت قوانین وضع کیے اور ساتھ ہی جھوٹی احادیث گھڑنے والوں کے احوال بھی بیان کیے اور ضعیف و متروک ❷ راویوں

---

❶ تصنیف حدیث کی ترقی کا یہ دور تیسری صدی ہجری کا ہے، جس میں کتب حدیث مختلف انواع میں مدون کی گئیں۔ شیخ ﷾ نے اوپر چند انواع کا ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل و تفہیم درج ذیل ہے:

مسانید مسند کی جمع ہے۔ بعض محدثین نے اپنے پاس جمع کردہ تمام احادیث کو مدون کرتے وقت اس بات کا اہتمام کیا کہ ہر صحابی کی روایات کو ایک جگہ جمع کیا۔ مثلاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام روایت کردہ احادیث کو ایک جگہ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی احادیث کو ایک جگہ، اور اس طریقہ پر مدون کی گئی کتب حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں "مسانید" کہتے ہیں۔ جیسے مسند امام احمد وغیرہ۔ اور جو کتب حدیث فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق تصنیف کی گئی ہوں ان کو "سنن" کہتے ہیں۔ مثلاً: سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی وغیرہ۔ (فقہی ابواب کی ترتیب سے مراد یہ ہے کہ کتاب پہلے کتاب الطہارہ پھر کتاب الصلاۃ سے شروع کرنا......)

جوامع جامع کی جمع ہے۔ جو کتب حدیث "ابواب" میں تقسیم کر کے لکھی گئی ہوں مگر ان میں فقہی ابواب کی ترتیب کا التزام نہیں کیا گیا ان کو "جوامع" کہتے ہیں، مثلاً: الجامع الصحیح (صحیح بخاری)۔ یہ کتاب پہلے کتابی الطہارہ سے نہیں بلکہ کتاب بدء الوحی پھر کتاب الایمان اور پھر کتاب العلم سے شروع کی گئی ہے۔

معاجم معجم کی جمع ہے۔ جن کتب حدیث کی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے جمع کیا گیا ہو ان کو "معاجم" کہتے ہیں، مثلاً: محدث پہلے ان احادیث کو ایک جگہ جمع کرتا ہے جو "الف" سے شروع ہوتی ہے، پھر جو "ب" سے ...... الخ)...... (مترجم)

❷ "متروک" حدیث بھی ضعیف احادیث میں شمار ہوتی ہے۔ "ضعیف" کی اصطلاح عام ہے اور ضعف کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں جو علم اصول حدیث میں معروف ہیں۔ جب کہ "متروک" حدیث کے ضعیف ہونے کا سبب اس کی سند میں کسی ایسے راوی کا پایا جانا ہے جس پر کذب کی تہمت ہو لیکن روایت حدیث کے بارے میں جھوٹ ثابت نہ ہو۔ (مترجم)

کی بھی مکمل تفصیلات ذکر کریں۔

سنت مطہرہ کی حفاظت دراصل کتاب اللہ کی حفاظت کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

''بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔''

جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو کسی بھی زیادتی یا کمی، نقص یا اضافہ سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح سنت رسول ﷺ کی حفاظت بھی راویانِ حدیث کے ذریعے سے فرمائی۔ کیونکہ سنت مطہرہ قرآنی احکام وتعلیمات کی تفسیر وتوضیح کرتی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمائی جس طرح سے قرآن مجید کی نگہبانی کی۔ یہ اس اُمت پر اللہ کا عظیم احسان اور اس کا خاص فضل ہے کہ اس نے دین اسلام کے ان دو عظیم اُصول و مصادر (کتاب وسنت) کو محفوظ فرمایا اور خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔

منکرین سنت اور ان کے باطل شبہات

ان حقائق کو جاننے کے بعد ہمیں اُس گمراہ گروہ سے بچنا چاہیے جس کا شر موجودہ دور میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ لوگ سنت رسول میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سنت کی طرف محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن مجید ہی ہمارے لیے کافی ہے اور پھر اپنے باطل دعویٰ پر قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸)

''ہم نے کتاب (قرآن مجید) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ۸۹)

''اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی، جس میں ہر چیز کا مکمل اور شافی

بیان ہے۔''❶

اس کے علاوہ وہ اپنے باطل دعویٰ کی دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ سنت رسول ﷺ ہم تک متواتر طریقے سے نہیں پہنچی ہے، بلکہ وہ طریقہ آحاد کی صورت میں روایت کی گئی ہے اور راویان حدیث میں غلطی یا کذب کا بھی احتمال ہے اس کے برعکس قرآن موثوق طریقے سے ہم تک پہنچا ہے اور وہ یقین وقطعیت سے ثابت ہے اس لیے موثوق ہی ہمارے لیے کافی ہے اور جس میں شک کا امکان موجود ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔❷

یہ ہے اس گمراہ جماعت کا سنت مبارک کے بارے میں گمراہ کن خیال۔ یہ لوگ دراصل سنت میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اس خبیث ترین مکر سے شریعت ہی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اس بات کی جراٴت نہیں کر سکتے کہ لوگوں کو صاف کہیں کہ شریعت کو چھوڑ دو یا

❶ منکرین سنت ان آیاتِ کریمہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے اس لیے ہم حدیث کی طرف محتاج نہیں ہیں، لیکن ان کی یہ تفسیر باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے احکام تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اکثر احکام اجمالاً بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل سنت مطہرہ میں موجود ہے، لیکن اگر وہ قرآن ہی کو دلیل مانتے ہیں تو ان کو قرآن کی اس آیت پر بھی ایمان رکھنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ فَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ''اور جو تمہیں رسول دے دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔'' ساتھ ہی ان کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اہل ایمان کو کسی بھی مسئلہ میں اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر قرآن ہی کافی ہوتا تو پھر رجوع الی الرسول کا حکم کیوں دیا جاتا؟ مزید وضاحت کے لیے اس کتاب کے پہلے صفحات کا مطالعہ کریں۔ (مترجم)

❷ ''متواتر'' اور ''آحاد'' اصولِ حدیث میں دو معروف اصلاح ہیں۔ علمائے حدیث نے ان کی مکمل تفصیل بیان کی ہے اور ان کی حجیت پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، لیکن منکرین سنت نے مسلمانوں میں سنت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے ان اصطلاحات کا لفظی استعمال کیا اور باقی تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ انصاف یہ ہے کہ محدثین کی بیان کردہ ان اصطلاحات کا سہارا لینے والے منکرین کو تفصیل وضوابط کا بھی التزام کرنا چاہیے تھا۔ مگر انہوں نے اپنے باطل مقصد کو سہارا دینے کے لیے محدثین کی اصطلاحات استعمال کیں مگر ان کی تفصیلات وضوابط کو نظر انداز کیا اور صرف قرآن مجید کو متواتر طریقے سے ثابت مانا۔ جب کہ احادیث بھی متواتر طریقے سے ثابت ہیں اور جو آحاد کی صورت میں ثابت ہیں ان کی حجیت کے لیے بھی محدثین نے تفصیل کے ساتھ شروط بیان کی ہیں اور اُمت قرونِ اولیٰ سے آج تک ان پر عمل کرتی آئی ہے اور ان کو حجت تسلیم کیا ہے۔ (مترجم)

اسلام کو ترک کر دو۔ اس لیے انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ خبیث اور شیطانی راستہ اختیار کیا اور اسی شیطانی راہ پر چلتے ہوئے لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ صرف قرآن پر عمل کرو...... قرآن ہی ہمارے لیے کافی ہے اور قرآن کے ہوتے ہوئے ہم سنت کی طرف محتاج نہیں ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اس طرح سے جب سنت پر لوگوں کا عمل معطل ہو جائے گا تو اس کے ساتھ ہی قرآن پر عمل ختم ہو جائے گا اور جب قرآن پر عمل ختم ہو جائے گا تو خود بخود پوری کی پوری شریعت معطل ہو جائے گی۔ کیونکہ سنت مطہرہ ہی قرآن کی تفسیر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور اگر خدانخواستہ ہم ان گمراہ لوگوں کے کہنے پر عمل کرنے لگیں اور سنت مطہرہ پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو پھر اس طرح ہم نہ نماز پڑھیں گے نہ روزہ رکھیں گے، نہ زکوٰۃ دیں گے، نہ ہی حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کریں گے، اور اسی طرح ہم معاملات اور دوسرے اُمور میں حلال وحرام کی تمیز بھی نہیں کر پائیں گے، کیونکہ اس کی تفصیل ہمیں سنت رسول ﷺ ہی میں ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عبادات کی تفصیل، معاملات کی توضیح اور حلال وحرام میں تمیز ختم ہو جائے گی تو شریعت پر ہمارا عمل خود بخود ختم ہو جائے گا۔

ایک عظیم معجزہ

سنت رسول ﷺ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے یہ لوگ وہی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو پہلے ہی خبردار کیا تھا اور چودہ سو سال پہلے ان کو اُمت کے سامنے رسوا اور ذلیل کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسی گروہ کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا:

((يُوْشَكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ مُتَّكِيءٌ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَبْلُغُهُ الْحَدِيْثُ عَنِّيْ فَيَقُوْلُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ ، مَا اَحَلَّهُ اَحْلَلْنَاهُ وَمَا حَرَّمَهُ حَرَّمْنَاهُ. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : اَلَا وَاِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ .)) [1]

---

[1] اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

”قریب ہے کہ ایک شکم سیر آدمی اپنے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے ہوگا اور اس کو میری حدیث پہنچ جائے تو کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ جو اس کتاب میں حلال قرار دیا گیا ہے ہم اسے حلال سمجھتے ہیں اور جو کچھ اس میں حرام قرار دیا گیا ہے ہم اس کو حرام مانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار! بے شک مجھے کتاب دی گئی ہے اور کتاب کے ساتھ اس کی مثل (یعنی حدیث)“

غور کیجئے! یہ حدیث نبی الصادق المصدوق ﷺ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو لوگ آج اس دور میں سنت رسول ﷺ میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی خبردار کر چکے ہیں اور ان سے بچنے کی تلقین بھی فرمائی ہے، اور ساتھ ہی اُسی وقت اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ مجھے قرآن کریم اور اس کے ساتھ اس کی مثل یعنی سنت مطہرہ عطا کی گئی ہے اور یہ دونوں (قرآن وسنت) اللہ کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم: ۳، ۴)

”اور وہ (نبی اکرم ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔“

اب رہی بات ان گمراہ لوگوں کی کہ قرآن مجید متواتر طریقے سے نقل کیا گیا ہے اور وہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، جب کہ سنت طریقہ آحاد کی صورت میں روایت کی گئی ہے اور اس میں کچھ خلل کا بھی امکان ہے، اور سنت حجیت میں قرآن کی طرح نہیں ہے۔ تو یہ سب باتیں باطل اور فرسودہ ہیں۔ کیونکہ سنت بالکل محفوظ اور موثوق طریقے سے ہم تک پہنچی ہے۔ جس کا تذکرہ ہم تفصیل کے ساتھ پہلے کر چکے ہیں۔

سنت رسول ﷺ ادیبوں، افسانہ نویسوں اور خرافیوں کے قصے کہانیوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کی نقل اور سلسلہ روایت کے لیے مستقل قواعد وضوابط متعین ہیں۔ عہد نبوی سے لے کر آج تک بڑے عظیم لوگ اس کی حفاظت اور نگہبانی کرتے آرہے ہیں اور

کرتے رہیں گے ...... اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لے رکھی ہے، اس لیے اس میں کسی فضول شخص کے لیے کسی قسم کا کلام کرنے یا تشکیک کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

یہ بات ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سنت رسول ﷺ کے محافظین کوئی بھی حدیث نقل کرتے وقت راویانِ حدیث کی مکمل چھان بین کرتے تھے۔ ضعیف اور کذاب راویوں کے مکمل احوال ذکر کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ان موثوق راویوں کے بھی مکمل احوال بیان کرتے تھے جن کی ثقاہت کے باوجود ان کی روایات میں کچھ وہم پایا جاتا، یا کچھ ایسی وجوہات پائی جاتیں جن کی وجہ سے ان کی روایات ضعیف کا درجہ پاتیں۔ جیسا کہ مدلسین [1] اور مختلطین [2] کا مکمل تذکرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بہر حال سنت مطہرہ کی عظمت مسلمانوں کے دلوں میں بسی ہوئی ہے۔ اس لیے ان گمراہ

---

[1] ''تدلیس'' اصولِ حدیث کی معروف اصطلاح ہے۔ عربی لغت میں تدلیس کے معنی ''خریدار سے اس چیز کے عیب چھپانا ہے جس کو وہ خریدنا چاہتا ہے'' اصطلاحی معنی بھی اسی کے قریب ہے۔ ''یعنی سند میں پائے جانے والے عیب کو مخفی رکھنا'' اس کی دو معروف اور اساسی قسمیں ہیں: تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ۔

علمائے حدیث نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں تاکہ صحیح احادیث کو ضعیف سے الگ کیا جائے۔ تدلیس سے کام لینے والے لوگوں کے احوال اُمت کے سامنے رکھے۔ اس باب میں خطیب بغدادی کی کتاب ''التبیین لاسماء المدلسین'' اور برہان الدین بن الحلبی کی کتاب ''التبیین لاسماء المدلسین'' اور حافظ ابن حجر کی کتاب ''تعریف اهل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس'' معروف ہیں۔ (مترجم)

[2] بہت سے ثقہ راوی جن کی روایات پر ان کے ثقہ ہونے کے باوجود جرح کی گئی ہے اور اس جرح کا سبب ان کی معلومات میں اختلاط کا پایا جانا ہے۔ مثلاً: اگر کسی راویٔ حدیث کی معلومات میں کبرسنی (بڑھاپے) کی وجہ سے یا آنکھوں کی بصارت چلی جانے کی وجہ سے یا کتابیں جلنے کی وجہ سے اختلاط پایا جاتا تو حدیث کے نگہبان (محدثین) اس اختلاط کی وجہ سے حدیث لینے میں بڑے محتاط رہتے تھے تاکہ حدیث نبوی میں کسی قسم کی ایسی بات نہ درج ہو جائے جو آپ ﷺ نے بیان نہ کی ہو۔ علمائے حدیث اس پر بڑی تحقیق کرتے تھے اور اصطلاح حدیث میں یہ بات معروف ہے کہ جو راوی اختلاط کا شکار ہو اس کی وہی روایت قبول کی جائے گی جو اس نے اختلاط سے پہلے روایت کی ہو اور جو اختلاط کے بعد روایت کی ہو اس کو قبول نہیں کرتے، بلکہ اگر کسی روایت میں یہ شک پیدا ہوتا کہ یہ اختلاط سے قبل کی ہے یا بعد کی تو اس کو بھی وہ چھوڑ دیتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس موضوع پر محدثین کی مستقل کتابیں موجود ہیں۔ جن میں حافظ ابراہیم بن محمد العجمی کی کتاب ''الاغتباط بمن رمي بالاختلاط'' معروف ہے۔ (مترجم)

کن لوگوں کے یہ مجرم ہاتھ اور کذاب و وضاع اس پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتے۔ الحمد للہ!

سنت رسول ﷺ آج بھی اسی طرح باقی اور محفوظ ہے جس طرح وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی تھی۔ بڑے عظیم اور ثقہ لوگ اس کو ایک دوسرے سے نقل کرتے ہوئے مستقل کتابوں میں مدون کر چکے ہیں۔۔ سلسلہ روایت اور تدوین و تصنیف ایک ایسا کام بلکہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے ایک طرف سنت مطہرہ میں شبہات پیدا کرنے والے ان دجالوں کے تمام شبہات ختم ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف سنت رسول ﷺ ایسے ثابت اور صحیح طریقے پر محفوظ ہوئی ہے جس میں اب کسی خلل یا شک کی گنجائش کا امکان ہی نہیں ہے اور یہ سب رب العزت کا اپنی مخلوق پر فضل و احسان ہے۔

اسلام میں منکرین سنت کا مقام

جو شخص سنت رسول ﷺ میں طعن اور شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ سنت پر عمل کرنا جائز نہیں، عمل صرف قرآن پر ہوگا، تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس نے شریعت کے بنیادی اُصول میں سے (قرآن مجید کے بعد) دوسرے اصل یعنی "سنت رسول ﷺ" کا انکار کیا۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مت کرو۔ بلکہ صرف اللہ کی فرماں برداری کرو، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اطاعت رسول ﷺ کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم قرار دیتا ہے تو اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اطاعت رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے نہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع رہا، نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ کا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

"اور تمہیں جو کچھ رسول دے اس کو لے، اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔"

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۳،۴)

"اور وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ تو صرف

وحی ہے جو (آپ ﷺ) پر نازل کی جاتی ہے۔''

اسی طرح آج کل ہمارے یہاں ایک اور جماعت ظاہر ہوئی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ (دینی علوم) پڑھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے علماء سے علم حاصل نہیں کیا ہے۔ وہ صرف کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، علماء کے پاس علم حاصل نہیں کرتے، بلکہ صرف کتابوں کے اوراق گردانتے رہتے ہیں، اور یہ لوگ بھی سب سنت مطہرہ سے کھیلنے لگے ہیں۔ ان کے پاس حدیث اور اُصولِ حدیث کا کوئی علم نہیں ہے، مگر وہ پھر بھی احادیث مبارکہ کی تخریج کرتے رہتے ہیں اور ان پر صحیح وضعیف کا حکم لگاتے رہتے ہیں، اور یہ وہ جماعت ہے جن کی وجہ سے سنت مطہرہ کو زیادہ خطرہ لاحق ہے، بہ نسبت پہلی جماعت کے۔ کیونکہ پہلی جماعت کی گمراہی اور جہالت واضح اور ظاہر ہے۔ مگر ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ عالم ہیں اور علومِ دین کی پوری واقفیت رکھتے ہیں، فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ......

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق سے نوازے، رشد و ہدایت کی راہ پر چلائے اور ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم حق کو حق سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور باطل کو باطل سمجھیں پھر اس سے اجتناب کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ممنوع ومشروع تبرک

تالیف:...... ابو حذیفه ابراهیم بن محمد

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أَمَّا بَعْدُ!

صالحین کی ذات، ان کے آثار، زمان ومکان سے تبرک حاصل کرنے کا مسئلہ عقیدے کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کے اندر غلو اور حق کی مخالفت نے ایک بہت بڑے طبقے کو پہلے اور موجودہ زمانے میں شرک و بدعات اور خرافات میں مبتلا کیا ہے، یہ مسئلہ پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی کا سبب یہی تبرک بنا، وہ بتوں سے اپنی جان و مال اور اپنی اولاد کے لیے برکت حاصل کرتے، پھر جب اس دین میں زنادقہ اور منافقین کی وجہ سے بدعت داخل ہوئی تو دین میں تحریف کے لیے انہوں نے جو وسائل اختیار کیے ان میں اولیاء وصالحین کے بارے میں غلو اور ان کی قبروں سے تبرک حاصل کرنا بھی تھا۔ سب سے پہلے روافض نے یہ طریقہ اختیار کیا، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہاں سے اہل نفاق نے اسلام میں بہت سی چیزیں داخل کیں اور جس شخص نے سب سے پہلے روافض کا دین ایجاد کیا وہ ایک ملحد اور یہودی تھا۔ اس نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور کفر کو چھپائے رکھا، تاکہ مسلمانوں کے دین کو فاسد کرنے کے لیے حیلہ کرے، جیسے کہ بولس نے نصاریٰ کے دین کو فاسد کرنے کے لیے

حیلہ کیا تھا۔ اسی نے مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلایا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے اس کی باتیں مان لیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَّلَا أَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ٤٧)

''اگر وہ تم میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوئے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے، اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔''

پھر جب اُمت میں انتشار ہوا تو اس نے امامت وعصمت کا مسئلہ کھڑا کیا اور سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر انگلی اُٹھائی اور ان کے بارے میں غلط بیانی کی۔ کچھ نادان مسلمانوں نے بھی اس کا ساتھ دیا، اگرچہ وہ کافر نہیں تھے۔ چنانچہ تشیع کی بدعت ظاہر ہوئی جو کہ شرک کے دروازے کی کنجی ہے۔ پھر جب زنادقہ کو موقع ملا تو انہوں نے منڈپ بنانے کا حکم دیا اور مساجد کو ویران کر دیا۔ اس سب کی یہ دلیل پیش کی کہ جمعہ اور جماعت سے نماز، معصوم کے پیچھے ہی پڑھنا جائز ہے۔ انہوں نے منڈپوں کو روشن کرنے، ان کی تعظیم کرنے اور ان کے پاس دعا کرنے کے بارے میں ایسی جھوٹی حدیثیں بیان کیں کہ اہل کتاب نے بھی ایسا جھوٹ نہیں باندھا تھا، یہاں تک کہ ان کے ایک بڑے شخص ابن نعمان نے مناسک حج المشاہد پر کتاب لکھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت پر جھوٹی باتیں گھڑیں۔ اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین وملت کو بدل دیا اور شرک ایجاد کیا جو کہ توحید کے منافی ہے۔ اس طرح انہوں نے شرک اور کذب کو اکٹھا کر دیا۔'' ❶

پھر روافض میں جو غلو پسند صوفی تھے۔ انہوں نے مشائخ اور ان کی قبروں سے تبرک

❶ مجموع الفتاوی: ٢٧/ ١٦١.

حاصل کرنا شروع کیا۔ مثال کے طور پر بوصیری کہتا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کی قبر کی مٹی سے تبرک حاصل کیا اس کے لیے طوبیٰ ہے:

لا طيب يعدل تربا ضم أعظمه
طوبى منتشق منه و ملتثم ❶

''اس مٹی کی خوشبو کے برابر کوئی خوشبو نہیں، جس میں نبی ﷺ کی ہڈیاں ہیں، اس شخص کے لیے طوبیٰ ہے جس نے اسے سونگھا اور اسے بوسہ لیا۔''

طریقۂ رفاعیہ کے متبعین نے صاحب الطریقہ کے برکات و اوصاف کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، جس میں ان کا یہ شعر بھی ہے:

انا الرفاعي ملا ذالخافقين فلذفي
باب جودي لتسقي الخير من ديم

''جب میرا مرید مجھے بلاتا ہے اور وہ گہرے پانی میں ہوتا ہے تو وہ حالت عدم سے نجات پا جاتا ہے۔''

هلال سلطان عزى للوجود بدا
وحالتي انفردت من جملة الامم

''میری عزت کی بادشاہت کا چاند دنیا کے لیے طلوع ہو چکا ہے اور میری حالت ساری اُمتوں سے مختلف ہے۔''

فلو ذكرت بارض لا نبات لها
لأقبلت بصنوف الخير والنعم

''پس اگر میرا ذکر ایسی سرزمین میں کیا جائے جہاں پیڑ پودے نہ ہوں تو وہ زمین خیر و برکت کی بہت سی قسمیں لے کر آئے گی۔''

❶ نقد البردة لعبد البديع صقر: ۸۲.

ولــو ذكــرت بــنــار قــط مــالهبت

ولــو ذكـرت ببـحـر غــارمـن عظمـي

''اور اگر میرا ذکر آگ میں کیا جائے تو آگ کبھی شعلہ بن کر نہیں بھڑکے گی اور اگر میرا ذکر سمندر میں کیا جائے تو سمندر کا پانی میری بڑائی سے گہرائی میں چلا جائے گا۔''

رفاعی ان برکات میں شیخ نقشبندی کی طرح مانے جاتے ہیں جو کہ طریقۂ نقشبندیہ کے شیخ ہیں۔ جن کے بارے میں شیخ محمد امین کردی کہتے ہیں کہ وہ غوث اعظم ہیں۔ جن کی ہدایات کے انوار سے اغیار کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں، اور جن کے اسرار کی برکت سے بُرے لوگ اچھے بن گئے۔ ❶

اس زمانے میں علم پھیل جانے کے باوجود بھی اولیاء اور ان کے آثار سے قبروں اور صاحب قبر سے تبرک حاصل کرنے کا رواج پھیلتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ یہ عقیدہ ان لوگوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے جن کے پاس اعلیٰ قسم کی علمی ڈگریاں ہیں۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ روافض کے حجاج اپنے ساتھ نجف کی مٹی رکھتے ہیں، جس پر وہ نماز میں سجدہ کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت اس حرام تبرک کا ایک مظہر ہے۔ اسی طرح عید میلاد کے موقع پر لوگ پڑھتے ہیں اور پڑھنے والے کے پاس پانی رکھا ہوتا ہے، ان میں سے بعض کا اعتقاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح آتی ہے اور پانی پیتی ہے، پھر وہ اس بقیہ پانی سے تبرک حاصل کرتے ہیں، یہ بھی درحقیقت اس حرام تبرک کا مظہر ہے۔

اس بنا پر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ عقیدے کے اس اہم مسئلے میں حق کی وضاحت کروں اور جائز تبرک کو ممنوع سے الگ کر دوں۔ اس بحث میں ایک تمہید، دو باب اور ایک خاتمہ ہے۔ تمہید میں تبرک کا معنی اور اس کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر علی بن نفیع العلیانی

❶ ملاحظہ ہو: احسان الٰہی ظہیر کی کتاب: البریلویہ، ص: ۲۳۔

حصہ اوّل

مشروع تبرک

تمہید

تبرک کا معنی اور اس کی حقیقت

امام لیث تَبَارَكَ اللّٰهُ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تَبَارَكَ کا مطلب تمجید و تعظیم ہے۔ وَتَبَارَكَ بِالشَّيْءِ کا مطلب کسی چیز سے نیک فال حاصل کرنا ہے۔

زجاج آیت کریمہ ﴿وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبَارَكٌ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''مبارک وہ ہے جس کی طرف سے کثیر خیر آئے اور تَبَرَّكْتَ بِهٖ کا مطلب ہے: ''میں نے اس کے ذریعے سے برکت حاصل کی۔'' [1]

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ برکت کا مطلب کسی چیز میں خیر الٰہی کا پایا جانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦)

''ہم ان کے اوپر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔''

چونکہ خیر الٰہی اس طرح سے آتی ہے کہ اس کا احساس نہیں ہوتا، اس لیے جس چیز میں بھی یہ غیر محسوس زیادتی ہوتی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مبارک ہے اور اس کے اندر برکت ہے۔ [2]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ)) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''برکت کا اصلی مطلب ثابت ہونا، لازم پکڑنا اور استقرار ہے۔ چنانچہ جب کہا

---

[1] اللسان: ١٠/٣٩٦.
[2] الشرك ومظاهره، ص: ٩٩.

جاتا ہے: "بـرك البعير" تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اونٹ بیٹھا اور المبرك کا مطلب ہے اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ۔ صاحب الصحاح کہتے ہیں: "ہر وہ چیز جو ثابت رہے اور ٹھہرے اس کو برکت کہتے ہیں۔" اور البـرك کا مطلب ہے، اونٹوں کا گلہ اور البـركة کا مطلب ہے حوض۔ اس کی جمع بـرك ہے، اس کو جوہری نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "اس کا نام بـركـه اس لیے ہے، کیونکہ اس کے اندر پانی ٹھہرتا ہے اور "البـراكـا" کا مطلب ہے لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور کوشش کرنا۔ اور البركة کا مطلب ہے نمو، زیادتی اور تبريك کا مطلب ہے برکت کی دعا کرنا۔ کہا جاتا ہے: "بَارَكَ اللّٰهُ وَبَارَكَ فِيْهِ ، وَبَارَكَ عَلَيْهِ" اس کا مطلب ہے اللہ برکت دے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر برکت کا لفظ آیا ہے، جیسے:

﴿بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (النمل : ۸)

"بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے۔"

﴿بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ (الانبياء : ۷۱)

"جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔"

﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى إِسْحَاقَ﴾ (الصّافات : ۱۱۳)

"اور ہم نے ابراہیم واسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں۔"

اور حدیث میں بھی متعدد مقامات پر برکت کا لفظ آیا ہے، جیسے:

((وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ .))

"اور جو نعمت تو نے مجھے دی اس میں برکت عطا کر۔"

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ .))

"اللہ تعالیٰ تمہیں، تمہارے اہل و مال میں برکت دے۔"

﴿وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مريم : ۳۱)

''اور اس نے بھی مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں۔''

اور قرآن کریم کے بارے میں ہے:

﴿وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ﴾ (الانبیاء: ۵۰)

''اور یہ نصیحت اور برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے۔''

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ (ص: ۲۹)

''یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔''

قرآن کریم اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو مبارک کہا جائے اس لیے کہ اس کے اندر خیر و برکت کثرت سے پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے تبارک کا لفظ استعمال کیا جائے گا نہ کہ لفظ مبارک۔ اہل لغت کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جس میں جوہری بھی ہیں کہ تبارك بارك کے معنی میں ہے جیسا کہ قاتل اور تقاتل ایک ہی معنی میں ہیں، البتہ فاعل متعدی ہے اور تفاعل متعدی نہیں، لیکن محققین کے نزدیک یہ غلط ہے۔ تبارك کا لفظ صرف اللہ کے لیے خاص ہے، جیسا کہ تعالیٰ کا لفظ اللہ کے لیے خاص ہے، اسی لیے دونوں کو ملا کر تبارک وتعالیٰ کہا جاتا ہے، دعائے قنوت میں ہے: ((تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ)) اللہ تعالیٰ اس کلمہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ سب خیر و برکت اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف سے ہے، اس کی ساری صفات صفاتِ کمال ہیں، اس کے سارے افعال حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں۔''[1]

سلام کرنے کے وقت کہا جاتا ہے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ))

برکت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ برکت تبارک وتعالیٰ کا فعل ہے، اس کا فعل بارك ہے، جو فعل متعدی ہے، اس کا مفعول مبارک ہے۔

[1] جلاء الافهام: ۱۷۸.

۲۔ برکت میں جب رحمت وعزت بھی شامل ہو تو اس کا فعل تبارک ہوتا ہے، جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر اپنے بارے میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے، مثلاً:

﴿تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾

﴿تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾

مبالغے کے طور پر تبارک کے ساتھ تعالیٰ وتعاظم بھی کہا جاتا ہے، اسی لیے سلف میں سے بعض نے اس کا معنی تعاظم لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تبارک کا مطلب ہے کہ ساری برکتیں اسی کی طرف سے آتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اپنی مخلوق پر اس کا بے حد احسان اور خیر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اپنے بندوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی صفات و افعال میں ہر چیز سے بلند ہے، یعنی تعالیٰ وتعاظم کے معنی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تقدس کے معنی میں ہے، یعنی مقدس و پاک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نام سے ہر چیز میں برکت کی دُعا کی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں تبارك، ارتفع کے معنی میں ہے، یعنی بلند ہوا اور مبارک کا مطلب ہے مرتفع (بلند)۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ برکت اسی کے ذکر سے حاصل کی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ثبت و دوام ہے، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

حقیقت میں لفظ برکت کا مطلب ہے کثرت خیر اور اس کا دوام اور کوئی بھی شخص وصف وفعل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس لفظ کا مستحق نہیں۔ لہٰذا سلف کی تفسیر انہی دونوں چیزوں پر گھومتی ہے۔ لیکن وصف کے معنی فعل کا معنی لینے سے بہتر ہیں، کیونکہ وصف کے ساتھ فعل لازم ہے جیسا کہ لفظ تعالیٰ تقدس اور تعاظم بھی ہے۔ اس قسم کے الفاظ غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ لہٰذا تبارک، بارک کے معنی میں نہیں ہو سکتا اور جس نے اس کو بارک کے معنی میں لیا ہے، اس کی تفسیر صحیح نہیں ہے۔ بارك فعل متعدی ہے اور تبارك فعل لازم ہے۔

اس کی تفصیل ہم نے کتاب الفتح المکی میں بیان کی ہے، وہاں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ سب برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی ذات مبارک ہے اور جس پر اس کی برکت پڑے وہ مبارک ہے۔ لہٰذا کتاب اللہ مبارک ہے، اس کے رسول مبارک ہیں، اس کا گھر مبارک ہے، بعض زمان و مکان مبارک ہیں، جیسے شب قدر، مسجد اقصیٰ کے آس پاس کی سرزمین اور ارض شام جس کے بابرکت ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چار یا پانچ جگہوں پر ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر غور کریں جسے امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ دُعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ .))

یہاں تعریف کی دونوں قسموں (یعنی تنزیہ و تسبیح اور حمد و تمجید) کو انتہائی مختصر اور بلیغ الفاظ میں جمع کر دیا گیا ہے، یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ سلامتی والا ہے اور اس کے سارے کمال صفات وافعال اور اسماء سلامتی والے ہیں۔ سب حمد اسی کے لیے ہے وہ بذاتِ خود محمود ہے اور اپنی طرف سے جس کو چاہتا ہے حمد عطا کرتا ہے، اور اس کو محمود بنا دیتا ہے۔ سب عزت اسی کے لیے ہے، وہ بذاتِ خود عزیز ہے اور اپنی جانب سے جس کو چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور اس کو عزیز بنا دیتا ہے۔ اسی طرح سب رحمت و برکت بھی اسی کے لیے ہے، اس کی ذات خود بابرکت ہے اپنی

جانب سے جس کو چاہتا ہے برکت عطا کرتا ہے اور اس کو مبارک بنا دیتا ہے۔

﴿تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَتَبَارَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ❶

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی یہ جو لمبی بحث ہم نے نقل کی ہے، اس سے بہت سی باتیں واضح ہوتی ہیں، جیسے:

۱۔ سب برکت اللہ کی طرف سے ہے، جیسے کہ رزق، نصرت و فتح اور عافیت اللہ کی طرف سے ہے۔ وہی برکت عطا کرنے والا ہے اور صرف اسی سے برکت کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہمارے پاس پانی کی کمی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پانی بچا ہو وہ لے آؤ، چنانچہ لوگ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں اپنا ہاتھ ڈالا، پھر کہا کہ تم مبارک پاک پانی کے پاس آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا تھا۔ (صحیح بخاری)

لہٰذا جب برکت اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو غیر اللہ سے طلب کرنا شرک ہے۔ جیسا کہ روزی و نفع کا طلب کرنا اور نقصان کو دُور کرنے کے لیے غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے۔ برکت درحقیقت خیر کا نام ہے اور سب خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا

❶ بدائع الفوائد: ۲/ ۱۸۵.

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ. ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي ذُنُوْبِي جَمِيْعًا، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ. لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ. وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ. أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ.)) ❶

''میں نے اپنا چہرہ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز، میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو میرا رب ہے، میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں تو میرے تمام گناہوں کو معاف کر دے، اس لیے کہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔ مجھے اچھے اخلاق کی رہنمائی کر، اس لیے کہ تیرے علاوہ کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں۔ مجھ سے میرے نفس کی برائیوں کو دُور کر دے، اس لیے کہ تیرے علاوہ اس کو اور کوئی دُور کرنے والا نہیں۔ اللہ میں تیری خدمت کے لیے بار بار حاضر ہوں، تمام بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری طرف نہیں۔ میرا وجود تیری ہی وجہ سے ہے اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا

❶ صحيح مسلم مع النووى: ٧/٥٧.

ہے۔ تو بابرکت اور بلند ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔"

۲۔ بعض چیزوں اور بعض اقوال و افعال سے جو تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جو شریعت میں موجود ہیں وہ برکت کا سبب ہیں نہ کہ برکت عطا کرنے والے جیسے کہ دوائیں، جھاڑ پھونک یہ شفا کا سبب بنتی ہیں، لیکن وہ شفا عطا کرنے والی نہیں ہیں۔ شفا عطا کرنے والی صرف اللہ ہی کی ذات ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تم کو اس چیز سے جھاڑ پھونک نہ کروں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

((أَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ ، أَذْهِبِ الْبَأْسَ اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ ، لَا شَافِيْ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا .)) [1]

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کماۃ یعنی سانپ کی چھتری منّ کی ایک قسم ہے، جس میں آنکھ کے لیے شفا ہے۔" (منّ ایک قسم کی شبنم ہے جو پتھروں اور درختوں پر شہد کی مانند جم کر خشک ہو جاتی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے غذا بنایا تھا) اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حبۃ السوداء" (کلونجی) میں ہر بیماری کی شفا موجود ہے، سوائے موت کے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں شفا کا سبب ہیں، بذاتِ خود شفا نہیں پہنچا رہیں، بلکہ شفا پہنچانے والا اللہ ہے، اسی سے شفا طلب کی جائے۔ لہٰذا برکت بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ کہا ہے کہ فلاں چیز میں برکت ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ برکت کا سبب ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے کی وجہ سے ان کے قبیلے بنو مصطلق کے قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "میں نے ان سے بڑھ کر کسی

---

[1] صحیح بخاری: ۵/۱۰.

عورت کو اپنے قبیلے کے لیے برکت ثابت ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔" ❶

یہاں سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سبب بنی تھیں اور برکت اللہ کی طرف سے آئی تھی۔

۳۔ کسی چیز کو سبب بنا کر برکت طلب کرنا شریعت سے ثابت ہے اور اس پر نص موجود ہے۔

۴۔ اکثر انہی چیزوں سے تبرک حاصل کیا جاتا جس میں برکت کا سبب موجود ہوتا، نہ کہ ان چیزوں سے جو عوام الناس میں معروف ومشہور ہیں۔

جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور لوگوں کو بلایا کہ مبارک پانی کے پاس آؤ اور کہا: برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے نکلنے لگا، تو سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو لینے میں سبقت کی۔ اس کو خوب پیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ برکت اللہ کی طرف سے ہے، اسی طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ قسم کھالی کہ کھانا نہیں کھائیں گے، لیکن جب دیکھا کہ اس کھانے میں برکت کا نزول ہو رہا ہے تو کھانے لگے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے موجود ہے۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر ومحتاج تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے کر جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچ چھ آدمیوں کو لے کر جائے، یا جس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں سے تین آدمیوں کو لے کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے کر گئے۔ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تین آدمی تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ میں تھا، میری ماں تھی اور میرا باپ تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میری عورت اور میری خادمہ بھی میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رات کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھایا، پھر رک گئے۔

---

❶ المسند: ٦/ ٢٧٧.

یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور رُکے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے شام کا کھانا کھایا، پھر کافی رات گزرنے کے بعد گھر واپس ہوئے جتنا کہ اللہ نے چاہا، تو ان کی بیوی نے کہا کہ تمہیں کس چیز نے اپنے مہمانوں کے پاس آنے سے روک دیا تھا؟ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے ان لوگوں کو کھانا کھلا دیا؟ انہوں نے کہا کہ مہمانوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ آپ آ جائیں، ان کو کھانا دوسرے لوگوں نے کھلا دیا۔ جنابِ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں خوف سے چھپ گیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے احمق! اور مجھے سخت سست کہا۔ پھر انہوں نے کہا کہ تم لوگ کھاؤ میں کبھی نہیں کھاؤں گا۔ جنابِ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جو بھی لقمہ ہم اُٹھاتے تھے، اُس کے بدلے کھانا نیچے سے اور زیادہ ہو جاتا۔ یہاں تک کہ سب آسودہ ہو گئے اور اس سے زیادہ کھانا بچ گیا جتنا کہ پہلے تھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: ''اے بنو فراس کی بہن! یہ دیکھو یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔'' چنانچہ پھر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کھانے میں سے کھایا اور کہا کہ شیطان ان کے دائیں جانب آ گیا تھا۔ پھر انہوں نے ایک اور لقمہ اس میں سے کھایا، پھر اسے اُٹھا کر نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے۔ (صحیح بخاری)

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تبرک کا مطلب یہ ہے کہ خیر واجر، یا جس چیز کی بھی دنیا و آخرت میں انسان کو ضرورت ہو اس میں زیادتی و برکت کسی مبارک ذات یا کسی مبارک وقت کے سبب سے طلب کرنا۔ اس طرح سبب بنا کر برکت طلب کرنا شرعاً ثابت ہے اور اس کی کیفیت کیا ہو گی، یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

پہلی فصل:

رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آثار سے تبرک حاصل کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات، ذاتِ مبارکہ تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں برکت دے رکھی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو جانتے تھے۔ صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض الموت میں معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے، پھر جب آپ کے لیے یہ چیز دشوار ہوئی تو میں ان کو پڑھ کر آپ کے اوپر پھونکتی تھی اور آپ ﷺ کے ہاتھ آپ کے جسم پر اس کی برکت کی وجہ سے پھیرتی تھی۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں برکت ہے، اس لیے ان کو آپ کے جسم پر پھیرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی اور یہ نہیں کہا کہ میرے اور تمہارے ہاتھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے آپ ﷺ کے ہاتھوں میں یہ عظیم برکت دے رکھی تھی اور آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

صحیح مسلم میں جنابِ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو مدینہ کے خادم اپنے برتنوں کو لے کر آپ کے پاس آتے، جن میں پانی ہوتا، آپ ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبوتے، یہاں تک کہ بعض دفعہ وہ سرد صبح میں آتے پھر بھی آپ اپنا ہاتھ ان کے برتنوں میں ڈبوتے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈ رہا تھا اور آپ کے صحابہ آپ کے ارد گرد ان بالوں کو لینے کے لیے چکر لگا رہے تھے، یہاں تک کہ جو بال بھی گرتا وہ کسی آدمی کے ہاتھ میں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

صحیح مسلم میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ سلیم کے گھر جاتے اور ان کے بستر پر سوتے، جب وہ گھر میں نہ ہوتیں تھیں، (اُمّ سلیم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محرم تھیں: نووی) وہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کے بستر پر سو گئے، پھر وہ آئیں تو ان سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گھر میں تمہارے بستر پر سوئے ہوئے ہیں۔ جنابِ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ آئیں اس وقت آپ کو پسینہ آیا ہوا تھا اور آپ کا پسینہ بستر پر چمڑے کے ایک ٹکڑے پر جمع ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنا چھوٹا سا صندوق کھولا اور اس پسینے کو پونچھ کر شیشی میں رکھنے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور پوچھا: اے اُمّ سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول! میں اپنے بچوں کے لیے اس سے برکت کی اُمید رکھتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کیا۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اس کو اپنی خوشبو میں ملاؤں گی۔

صحیح بخاری میں ثمامہ جنابِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُمّ سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا بچھونا بچھاتی تھیں۔ آپ ان کے یہاں اس پر آرام کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سو گئے تو انہوں نے آپ کا پسینہ اور بال ایک شیشی میں جمع کر لیا، پھر اس کو خوشبو میں ملایا اور آپ سوئے ہی رہے۔ راوی کہتے ہیں کہا کہ جب سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس مرکب خوشبو میں سے ان کے جسم اور کفن پر حنوط ملا جائے۔ چنانچہ ان کے حنوط میں اس کو ملایا گیا۔ (فتح الباری)

امام ذہبی کہتے ہیں کہ ایوب نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے وہ مرکب خوشبو اُمّ سلیم سے مانگا تو انہوں نے دیا۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے پھر محمد بن سیرین سے وہ خوشبو مانگی تو انہوں نے اس میں سے مجھے دیا اور وہ اب میرے پاس ہے۔ ایوب کہتے

ہیں کہ جب محمد بن سیرین کا انتقال ہوا تو اس مرکب خوشبو کو ان کے جسم و کفن پر ملا گیا۔ ❶

صحیح مسلم میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری بہن کے لڑکے کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ نے وضو کیا، میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے ختم نبوت کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا جو پردہ میں بٹن کی مانند تھا۔

صحیح بخاری میں صلح حدیبیہ کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس میں ہے کہ عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! جو بھی تھوک یا بلغم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکالتے تو وہ ان میں سے کسی آدمی کی ہتھیلی میں گرتا اور اسے وہ اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم دیتے تو وہ اس کو بجا لانے میں سبقت کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو آپ کے وضو کا پانی لینے کے لیے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ لڑائی کر لیں گے، اور جب آپ گفتگو کرتے تو وہ لوگ اپنی آواز کو پست کر لیتے۔ کوئی آپ کی طرف آپ کی تعظیم کی وجہ سے گھور کر نہیں دیکھتا۔

سیّدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ جنابِ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کے پاس ایک دیہاتی آیا، اس نے کہا کہ کیا تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کرو گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو۔ اس نے کہا کہ تم ہمیں بشارت بہت دے چکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں سیّدنا ابو موسیٰ اور جنابِ بلال رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس نے بشارت کو لوٹا دیا ہے، تم دونوں اس کو لے لو۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم نے اسے قبول کر لیا۔ آپ نے ایک پیالہ میں پانی مانگا اور اس میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اس میں کلی کی، پھر فرمایا کہ تم دونوں اس میں سے پی لو اور اس کو اپنے

❶ سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۰۷۔

چہرے اور سینے کے بالائی حصے پر ڈال لو اور خوش ہو جاؤ۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے آواز دی کہ تم دونوں اپنی ماں کے لیے بھی کچھ بچا لو۔ چنانچہ اس میں سے انہوں نے تھوڑا سا ان کے لیے بھی بچا لیا۔

مالک بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم سے اسرائیل نے بیان کیا اور ان سے عثمان بن عبداللہ بن موہب نے بیان کیا کہ میرے گھر والوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا جو چاندی کا تھا۔ (اسرائیل نے اپنی تین انگلیوں کو سمیٹا اور اشارہ کیا کہ وہ پیالہ اتنا چھوٹا تھا) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال تھا اور جب کسی آدمی کو نظر وغیرہ لگتی تو اپنا برتن ان کے پاس بھیجتا۔ میں نے اس برتن میں جھانک کر دیکھا جس میں آپ کا بال محفوظ کر کے رکھا گیا تھا تو سرخ بالوں کو دیکھا۔ (صحیح بخاری)

جنابِ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت ایک بردہ (دھاری دار چادر) لے کر آئی۔ پھر سہل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ بردۃ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ چادر ہے۔ سہل نے کہا: یہ وہ چادر ہے جس کا کنارہ بُنا ہوا ہوتا ہے، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں آپ کو یہ پہناؤں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا، صحابہ میں سے ایک آدمی نے اس کو دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کتنی اچھی چادر ہے۔ یہ آپ مجھے دے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام نے اس کو ملامت کی اور کہا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چادر لے کر اچھا نہیں کیا۔ آپ نے اس کو ضرورت کے تحت لیا تھا۔ پھر تم نے اس کو مانگ لیا اور تم جانتے ہو کہ آپ سے جو چیز بھی مانگی جاتی ہے آپ اس کو نہیں روکتے۔ اس شخص نے کہا: اس چادر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہننے کی وجہ سے میں نے اس سے برکت کی اُمید کی تاکہ مجھے اس کا کفن دیا جائے۔'' (صحیح بخاری)

یہ تمام صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ

کے جسم سے جدا ہونے والی چیزیں، جیسے بال، پسینہ، لباس اور برتن جو آپ ﷺ نے استعمال کیا، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے برکت دے رکھی تھی جس سے شفا طلب کی جاتی اور جس کے ذریعے دنیا اور آخرت میں فائدہ کی اُمید کی جاتی ہے لیکن اس خیر کا دینے والا اللہ ہی تھا۔

یہ دلیلیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کی طرف علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ گئے ہیں اور وہ اپنی کتاب " التوسل انواعه و احكامه" میں کہتے ہیں:

''لیکن یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ وغیرہ میں صحابہ کرامؓ کو اپنے آثار سے تبرک حاصل کرنے میں رضا مندی ظاہر کی تھی، کیونکہ اس وقت اس کی سخت ضرورت تھی اور وہ ضرورت یہ تھی کہ آپ کفار قریش کو ڈرائیں اور اپنے نبی کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت و محبت، تعظیم و تکریم اور خدمت کے جذبے کو ظاہر کریں۔

لیکن اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کو نہایت ہی حکیمانہ طور پر اس تبرک سے پھیر دیا تھا اور ان کو اعمال صالحہ کی طرف رہنمائی کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ یہ اعمال صالحہ اللہ کے نزدیک اس تبرک سے بہتر ہے جیسا کہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے اصحاب آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے بدن پر ملنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں ایسا کرنے پر کون سی چیز آمادہ کر رہی ہے؟ ان لوگوں نے کہا: اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو جب وہ بات کرے تو سچی بات کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرے اور جو اس کا پڑوسی ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث ثابت ہے اور متعدد طریقوں سے آئی ہے اور اس کے شواہد طبرانی کے دونوں معجم وغیرہ ہیں اور منذری نے الترغیب ۳/۲۶ میں اس کے صحیح ہونے

کی طرف اشارہ کیا ہے اور میں نے اس کی تخریج "الصحیحہ" میں نمبر ۲۹۹۸ کے تحت کی ہے۔" ❶

اس سے اس چیز کی بھی تردید ہوتی ہے جس کو محمد رشید رضا نے "کتاب الاعتصام" کے حاشیہ میں لکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

"حدیبیہ کے دن کے علاوہ دوسرے موقعوں پر یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بچے ہوئے پانی اور تھوک سے تبرک حاصل کی ہے۔" ❷

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبرک حاصل کرنا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کسی غزوہ کے ساتھ خاص نہیں تھا اور کسی صحابی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

البتہ مجھے علامہ البانی رحمہ اللہ کی یہ بات پسند آئی، وہ کہتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ ہمارے بارے میں گمان کرتے ہیں، لیکن اس تبرک کے لیے کچھ شرطیں ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ایمان شرعی ہو، لہٰذا جو سچا مسلمان نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اس تبرک سے کوئی چیز عطا نہیں کرے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تبرک کا مطلب کرنے والا آپ کے آثار میں سے کسی اثر کو حقیقت میں پا جائے اور اس کو استعمال کرے، لیکن ہم یہ بات جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار جیسے کہ کپڑا، بال وغیرہ مفقود ہیں اور کوئی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا کپڑا یا بال ہے، لہٰذا ان آثار سے اس زمانے میں تبرک حاصل کرنا بے معنی اور بے موضوع بات ہے اور یہ صرف ایک خیالی معاملہ ہے، لہٰذا مزید گفتگو اس بارے میں مناسب نہیں۔ ❸

---

❶ التوسل انواعه و احكامه: ١٤٧.

❷ حاشية الاعتصام: ٢/ ١١.

❸ التوسل نواعه و احكامه: ١٤٦.

میں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنے پر دلیلیں بیان کر دی ہیں تا کہ تبرک کی پوری شکل واضح ہو جائے، جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کیا تھا اور آپ کے علاوہ کسی سے تبرک حاصل نہیں کیا، اس کا بیان ممنوع تبرک کے باب میں آئے گا۔

دوسری فصل:

اقوال وافعال سے تبرک حاصل کرنا

بہت سے اقوال و افعال ایسے ہیں کہ اگر مسلم بندہ ان کے ذریعے سے خیر و برکت طلب کرے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرے تو اس کی نیت اور کوشش کے مطابق اس کو خیر و برکت حاصل ہوگی، بشرطیکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو، ان اقوال میں سے بعض چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

اللہ کا ذکر اور کتاب اللہ کی تلاوت:

اس کے ذریعے سے مومن بندے کو بہت سی خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات کسی مسلم پر پوشیدہ نہیں، اس سلسلے میں بہت ساری آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے کچھ فرشتے گلیوں میں گشت کرتے پھرتے ہیں اور اہل ذکر کی مجلسوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں، جب وہ کچھ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ سب کو آواز دیتے ہیں، دوڑ کر آؤ تمہارا مقصد حل ہوگیا۔'' آپ نے فرمایا: پھر وہ ان کو اپنے پروں سے زمین سے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، جب کہ وہ خود ان سے زیادہ جاننے والا ہے، میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اے اللہ! وہ تیری تسبیح وتکبیر اور حمد وثنا کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟'' وہ جواب دیتے ہیں: نہیں، تیری ذات کی قسم! انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھ کو دیکھ لیں تو پھر ان کی کیا حالت ہوگی؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر وہ تجھ کو دیکھ پائیں تو تیری بہت زیادہ عبادت اور حمد وثنا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کہتا

ہے کہ بندے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو کہیں زیادہ اس کے طالب اور حریص بن جائیں اور اس کے بے حد خواہش مند ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ جہنم سے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے، کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں، اللہ کی قسم! انہوں نے جہنم کو نہیں دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہوگی؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو اس سے بہت زیادہ دُور بھاگیں گے اور بے حد ڈریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔ پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! ان میں سے فلاں شخص ہے جو اہل ذکر میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی ضرورت سے آیا تھا تو وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسے جلیس ہیں کہ ان کا ہم نشین ان کی وجہ سے محروم و بدنصیب نہیں رہتا۔ (صحیح بخاری)

لہٰذا دیکھو کہ ذکر سے کتنی برکت حاصل ہوتی ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ آدمی کو جنت میں داخل کرتا ہے اور اس کی برکت صرف ذکر کرنے والوں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ ان کے ساتھ بیٹھنے والے بھی معاف کر دیے جاتے ہیں، اور قرآن کی تلاوت کرنا سب سے بڑا ذکر ہے، اس میں دنیا و آخرت دونوں جگہ بھلائی ہے، جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں سیّدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم قرآن پڑھو اس لیے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرے گا۔ تم زہراوین، یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پڑھو اس لیے کہ وہ قیامت کے دن دو بادل کی طرح سایہ بن کر، یا بہت پروں والے پرندوں کی دو جماعتوں کی شکل میں آئیں گی، اور پڑھنے والوں کی طرف سے حجت کریں گی۔ تم سورۂ بقرہ پڑھو اس لیے کہ اس کا لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے اور اس سے جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ معاویہ بن سلام جو اس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں بطلہ سے مراد سحرۃ، یعنی جادو ہے۔ (صحیح مسلم)

قرآن کریم کی برکت یہ بھی ہے کہ اس سے شفا حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے اور ایک صحابی نے ڈنک زدہ کو سورۂ فاتحہ کے ذریعے جھاڑ پھونک کی تو آپ نے اس پر رضا مندی ظاہر کی۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح بہت سی دعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔ آپ یہ دعا بھی پڑھ کر اپنے گھر والوں میں بعض کے اوپر پھونکتے اور اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے:

((أَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ ، أَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ ، شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا .)) (صحیح بخاری)

لہٰذا ذکر الٰہی، قرآن مجید کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کو پڑھنے میں بہت خیر و برکت ہے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ہے ایسے ہی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ (صحیح بخاری)

لہٰذا کیا زندہ اور مردہ میں کوئی وجہ مشابہت ہے، ذکر الٰہی اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، علامہ ابن قیم اپنی کتاب "الوابل الصیب من الکلم الطیب" میں کہتے ہیں کہ ذکر کے سو سے زائد فوائد ہیں اور انہوں نے ستر سے زیادہ فوائد کو بیان کیا ہے۔ [1]

افعال سے تبرک حاصل کرنا:

مبارک اقوال کے علاوہ بہت سے ایسے افعال بھی ہیں جن کے ذریعے برکت حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے طریقے کے مطابق ہوں، جیسے کہ ذکر کی مجلسیں منعقد کرنا، علم کی مجلسیں منعقد کرنا وغیرہ۔ لڑائی کے میدان میں آگے بڑھنا اور شہادت حاصل کرنا بھی ایسا ہی فعل ہے جس سے بہت بڑی خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ سیّدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے یہاں شہید کے لیے چھ خصلتیں ہیں، اسے پہلی ہی فرصت میں معاف کر دیا

[1] الوابل الصیب، ص: ۵۲.

جائے گا ، وہ اپنا ٹھکانا جنت میں دیکھے گا، اللہ کے عذاب سے بچا لیا جائے گا، وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا، جس کا یاقوت، دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔ اس کی شادی ۷۲ حوروں سے ہوگی اور وہ اپنے ستر اقربا کے لیے سفارش کرے گا۔ (ترمذی)

مبارک افعال میں سے ایک فعل یہ بھی ہے کہ کھانا ایک ساتھ کھایا جائے، اور کھانا ناپ تول کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھانا کھاؤ تو ایک ساتھ کھاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اس کے اندر تمہارے لیے برکت ہوگی۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''برکت کھانے کے بیچ میں نازل ہوتی ہے، لہٰذا تم کنارے سے کھاؤ، بیچ سے نہ کھاؤ۔'' (مسند احمد)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ ان میں برکت کس میں ہے۔'' (مسند احمد)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنا کھانا ناپ تول کر لیا کرو، (اس میں) تمہارے لیے برکت ہوگی۔'' (صحیح بخاری)

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے اقوال و افعال جن کو کہنے اور کرنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، اگر مومن آدمی ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم و فرمان کے عین مطابق کرے تو دنیا و آخرت میں بہت سی خیر و برکتیں حاصل ہوں گی اور یہ ایمان کامل ہے، کیونکہ ایمان دل سے اور زبان سے کہنے اور دل و زبان سے عمل کرنے کا نام ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ [1]

اور جس کو ایمان کامل مل جائے وہ مبارک شخص ہے۔

---

[1] شرح الطحاوية، ص: ٣٧٣.

تیسری فصل:

جگہوں سے برکت حاصل کرنا

روئے زمین پر بعض خاص جگہیں ایسی ہیں جن کے اندر اللہ نے برکت رکھی ہے، لہٰذا اگر ان مقامات پر برکت تلاش کی جائے تو برکت اللہ کے اذن سے حاصل ہوگی، بشرطیکہ عمل میں اخلاص ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو وہ جگہیں (مقامات) یہ ہیں:

مساجد:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ محبوب جگہ اللہ کے نزدیک مسجد ہے اور سب سے مبغوض جگہ بازار ہے۔'' (صحیح مسلم)

مسجد سے تبرک اس کی مٹی یا در و دیوار کو چھو کر حاصل نہیں کی جا سکتی، بلکہ مسجد کے اندر عبادت کر کے حاصل کی جائے گی، کیونکہ تبرک عبادت ہے جیسا کہ مسجد میں اعتکاف کرنا، نماز کا انتظار کرنا، جماعت سے نماز پڑھنا، ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہونا وغیرہ جو مشروع ہیں۔

لیکن جو چیزیں مشروع نہیں ہیں ان میں کوئی برکت نہیں، بلکہ وہ بدعت ہیں، ان مساجد میں خاص طور پر زیادہ برکت مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام ہے۔ (صحیح بخاری، مسلم)

مسند احمد میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ مسجد حرام میں ایک نماز اس مسجد (مسجد نبوی) میں سو نمازوں سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفر کا اہتمام صرف تین مسجدوں کی طرف کیا جائے، مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے گھر میں طہارت حاصل کی (وضو کیا) پھر مسجد

قبا میں آ کر نماز ادا کی تو اس کے لیے عمرہ کے برابر ثواب ہے۔(مسند احمد)

یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کے دن مسجد قبا آتے تھے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مکہ، مدینہ اور شام کا بابرکت ہونا:

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے بارے میں فرمایا: اے مکہ، اللہ کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر اور محبوب سرزمین ہے، اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔(مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے اور اس کے رہنے والوں کے لیے دعا کی ہے اور میں نے مدینہ کو اس طرح حرمت والا بنایا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے اور میں نے مدینہ کے صاع و مد (ایک قسم کا پیمانہ) میں (برکت کی) دعا کی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لیے دُعا کی ہے۔(صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں مدینہ کے دونوں سنگلاخ سوختوں کے درمیان کی جگہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں، اس کے بڑے کانٹے دار درخت کو کاٹا نہیں جائے گا اور اس کے شکار کو مارا نہیں جائے گا اور کہا کہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا، اگر وہ جانتے اسے اگر کوئی شخص اس سے بے التفاتی برتتے ہوئے چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے بہتر اس کے اندر پیدا کر دے گا اور جو بھی شخص اس کی نرم و سخت زمین پر ٹھہرے گا تو قیامت کے دن میں اس کے لیے سفارش کرنے والا یا گواہ ہوں گا۔(صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کے پہاڑی راستوں پر فرشتے ہیں اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوگا۔(صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانا چاہے گا اللہ اسے ایسے ہی پگھلا دے گا جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔(صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل شام کے لیے خیر و سعادت ہے۔ہم نے کہا: ''کس بات کی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے

ہیں۔(مسند احمد)

اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ﴾ (الاسراء: ۱)

''پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے۔''

لہٰذا جو شخص مکہ یا مدینہ یا شام میں اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل کرنے کے لیے ٹھہرے، چاہے روزی کی زیادتی کے لیے یا فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق دے گا، لیکن اگر اس نے تبرک اس کی مٹی، پتھر اور درختوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی مثلاً اس کی مٹی کو چھوئے، اس کو پانی میں مرض سے شفا حاصل کرنے کے لیے ڈالے تو اس کو گناہ ہوگا، کیونکہ یہ مشروع نہیں ہے، نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آخری بحث میں آئے گی۔

اس طرح مشاعر مقدسہ مبارکہ ہیں:

جیسے عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ، کیونکہ اس کے اندر خیر کثیر کا نزول لوگوں پر ہوتا ہے۔ یہاں پر لوگوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں، جہنم سے آزادی ملتی ہے، بہت بڑا اجر حاصل ہوتا ہے اور درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی برکت کی وجہ سے ہے اور مشروع اوقات میں یہاں ٹھہرنے کی وجہ سے، لیکن اگر کوئی شخص یومِ عرفہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں عرفہ میں جا کر ٹھہرے اور تبرک حاصل کرے یا تو یہ جائز نہیں، اس کا بیان آگے آئے گا۔

چوتھی فصل:

زمان واوقات سے تبرک حاصل کرنا

بعض زمان واوقات مبارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ خاص طور سے ان کے اندر برکت نازل کرتا ہے۔ لہٰذا ان میں مشروع عبادت کر کے خیر وبرکت تلاش کی جائے تو عظیم خیر وبرکت حاصل ہوگی، جیسا کہ رمضان کا مہینہ، شب قدر، رات کا آخری تہائی حصہ، جمعہ، پیر، جمعرات، حرمت کے مہینے اور عشرہ ذی الحجہ وغیرہ۔

رمضان کے مہینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر روزے فرض کیے ہیں، اس کے اندر جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس کے خیر سے محروم رہا وہ حقیقی معنوں میں محروم ہی رہ گیا۔ (مسند احمد)

رمضان میں روزوں کی وجہ سے جو برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ مخفی نہیں ہیں، جیسے گناہوں کا بخشا جانا، مومن کی روزی میں زیادتی، بہت سے جسمانی و روحانی فوائد اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر عظیم وغیرہ۔

شب قدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ٥ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ٥ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ٥ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ٥﴾ (القدر)

”یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا، تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟

شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرئیل) اترتے ہیں، یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ﴾ (الدخان : ۳)

"ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا۔"

اس رات کی برکت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اسے تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (صحیح بخاری)

عشرہ ذی الحجہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں جو عبادت کی جاتی ہے، اس سے افضل کسی دن میں کوئی عبادت نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: کیا جہاد بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، جہاد بھی نہیں۔ مگر یہ کہ کوئی آدمی اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال کر نکلا، پھر واپس نہیں ہوا۔ (صحیح بخاری)

حاجیوں کے لیے یومِ عرفہ کی جو فضیلت ہے وہ معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عرفات کے میدان میں حاجیوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے اور اپنے فرشتوں سے فخر کے ساتھ ان کی موجودگی اور بخشش طلب کرنے کو بیان کرتا ہے، لیکن جو حاجی نہیں ہیں ان کے لیے بھی ان ایام میں بے حد خیر و برکت رکھی گئی ہے۔ یومِ عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر مہینے کے تین روزے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان کا روزہ عمر بھر روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ عرفہ کے دن کا روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت

سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی آئے گی۔ (صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر اس کے اندر مسلم بندہ نماز پڑھے اور اللہ سے کسی چیز کے لیے دُعا کرے تو اللہ اسے وہ چیز عطا کرے گا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ گھڑی بہت مختصر ہے۔'' (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کا دروازہ پیر اور جمعرات کو کھولا جاتا ہے، پھر ہر اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ ذرا بھی شرک نہیں کیا، سوائے اس شخص کے جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو۔ پھر کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ اپنا معاملہ درست کر لیں۔ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ اپنا معاملہ درست کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ اپنا معاملہ درست کر لیں۔ (صحیح مسلم)

رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اُترتا ہے اور اس وقت دُعا و استغفار کرنے والوں کے لیے بڑی برکت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ہر رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف اُترتا ہے اور کہتا ہے کہ جو مجھ سے دُعا کرے گا میں اس کی دُعا قبول کروں گا، جو مجھ سے مانگے گا اسے عطا کروں گا، جو مجھ سے بخشش طلب کرے گا اسے بخش دوں گا۔'' (صحیح بخاری)

اور اس سے بڑھ کر کوئی برکت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مسلم بندوں کو بخش دے۔

اوپر جن چیزوں کا بیان گزر چکا ہے ان کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض اوقات و زمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی برکت نازل کرنے کے لیے خاص کر رکھا ہے، لہٰذا ان میں برکت مشروع طریقے سے تلاش کی جائے نہ کہ غیر مشروع طریقے پر۔ غیر مشروع طریقے سے برکت طلب کرنا بدعت ہے، اس سے برکت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ برکت عبادت ہے اور عبادت کے کچھ شروط ہیں جو کہ احادیث رسول سے بیشتر بیان ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل:

کھانے کی چیزوں سے تبرک حاصل کرنا

زیتون:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ (النور: ۳۵)

''وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہے جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے اپنے بدن پر لگاؤ، اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔'' (مسند احمد)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''روغن زیتون کو بطورِ سالن استعمال کرو اور اسے اپنے بدن پر ملو، اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

دودھ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دودھ لاتے تو فرماتے: ''گھر میں کتنی برکت ہے یا کہتے دوہری برکت ہے۔'' (مسند احمد)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو اللہ تعالیٰ کھانا کھلائے اسے کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر رزق دے اور جس کو اللہ تعالیٰ دودھ پلائے اسے کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمارے لیے

اس میں برکت عطا کر اور اس کو زیادہ کر، اس لیے کہ میں دودھ کے علاوہ کسی دوسری چیز کو نہیں جانتا جو کھانے پینے دونوں کے لیے کافی ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

کلونجی، عجوہ اور کھنبی بابرکت ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کلونجی میں ہر بیماری کی شفا ہے، سوائے موت کے۔" (ابن ماجہ)

اور فرمایا: سانپ کی چھتری من کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے اور عجوہ (تازہ کھجور کی عمدہ قسم) جنت سے آئی ہے اور اس میں شفا جنت سے آئی ہے۔ (ابن ماجہ)

آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے صبح کے وقت عجوہ کھجور کے سات دانے کھا لیے اس کو اس دن زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" (صحیح بخاری)

شہد:

شہد میں برکت اور شفا ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میرے بھائی کو دست ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے شہد پلایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، بلکہ دست اور زیادہ بڑھ گیا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جاؤ جا کر شہد پلاؤ۔ وہ گیا پھر واپس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اب بھی کوئی فائدہ نہیں، دست اور بڑھ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا کہا سچ ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاؤ اس کو شہد پلاؤ۔ چنانچہ اس نے اس کو شہد پلایا اور اس کے دست بند ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

یہاں آپ نے اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ کیا تھا:

﴿يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾

(النحل: ٦٩)

"ان مکھیوں کے شکم سے ایک شراب (پینے کی چیز) جس کا رنگ مختلف ہوتا ہے

نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔"

زمزم کا پانی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زمزم کا پانی مبارک ہے وہ کھانے والوں کے لیے کھانا ہے۔" (صحیح مسلم)

یعنی یہ ایسی غذا سے بھر پور پانی ہے اگر کوئی بندہ اسے بھوک دُور کرنے کے لیے پیے تو یہ اللہ کے فضل وکرم سے کھانے کی کمی دُور کر دے۔

بارش کا پانی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَكًا﴾ (ق: ۹)

"اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل کیا۔"

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے بارش ہوئی، آپ ﷺ نے اپنا کپڑا سمیٹا یہاں تک کہ بارش آپ کے بدن پر پڑی۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف سے ابھی نئی نئی آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بارش ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: اے بچی (باندی) میرا زین نکالو، میرا کپڑا نکالو اور یہ آیت کریمہ پڑھتے:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَكًا﴾ (ق: ۹) [1]

گھوڑا:

گھوڑے میں بھی برکت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، برکت گھوڑے کی پیشانی میں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "گھوڑے کی پیشانی میں خیر قیامت تک بندھی ہوئی ہے، اس سے اجر اور مالِ غنیمت حاصل ہوگا۔" (صحیح بخاری)

---

[1] الادب المفرد، ص: ۱۸۰.

بکری:

بکری میں خیر و برکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا بکری کے باڑے میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں نماز پڑھو اس لیے کہ وہ برکت ہے۔'' (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''تم بکری پالو اس لیے کہ اس میں برکت ہے۔''

کھجور کا درخت:

کھجور کے درخت میں برکت ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، اس وقت کھجور کا گابھ آپ کے پاس لایا گیا، آپ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی برکت مرد مسلم کی برکت کی طرح ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ درخت کھجور ہے، میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کہوں کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ پھر میں نے جب لوگوں پر نگاہ ڈالی تو اپنے کو سب سے کم عمر والا پایا۔ اس لیے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے۔ لہٰذا ان کھانے پینے کی چیزوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر برکت دے رکھی ہے، لیکن ان کا استعمال مشروع و مباح طور پر ہی ہونا چاہیے۔

حصہ دوم

ممنوع تبرک

تمہید

زمانۂ جاہلیت میں تبرک

شروع میں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ مبارک وہ ہے جس کی طرف سے خیر و برکت حاصل ہو اور برکت کے معنی نمو و زیادتی کے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ اپنے مال و جسم، اولاد اور قبائل وغیرہ میں زیادتی چاہتے تھے اور اس کا بتوں سے مطالبہ کرتے تھے، اس لیے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ بت مبارک ہیں، خیر و برکت انہی کی طرف سے آتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اللہ کی طرف فعل کو منسوب کرتے وہ بھی اس بات کا اعتقاد رکھتے کہ یہ بت اپنی روحانی قوت کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقرب ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳)

''وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔''

اس لیے ان سے تبرک حاصل کرتے اور مدد مانگتے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ممنوع تبرک حاصل کرنا زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ مکہ میں ہر گھر کے اندر ایک بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور جب ان میں کوئی سفر پر جانے کا ارادہ کرتا تو آخر میں اپنے گھر سے نکلتے وقت ان بتوں کو چھوتا اور چومتا اور جب سفر سے واپس آتا تو سب سے پہلے گھر میں داخل ہونے کے بعد ان کو چومتا اور چھوتا۔ ❶

میں کہتا ہوں کہ یہ چھونا اور چومنا اس وجہ سے تھا کیونکہ وہ اس بت کو مبارک سمجھتے تھے۔

---

❶ بلوغ العرب معرفة احوال العرب: ۲۰٦/۲.

اور اس کو چھو کر اپنے بدن میں برکت حاصل کرنا چاہتے تھے اور تعظیم وتبرک ہی درحقیقت بت پرستی کی وجہ بنی ہے۔

صالحی کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے کہا کہ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ بنی اسماعیل میں پتھروں کی پوجا اس طرح شروع ہوئی کہ جب لوگ تنگی کی وجہ سے مکہ سے کوچ کر کے باہر جانے لگے تو اپنے ساتھ حرم کی تعظیم کے لیے حرم کا پتھر بھی اُٹھا کر لے گئے اور ان پتھروں کو جہاں گئے وہاں نصب کر دیا اور ان کا طواف کرنا شروع کر دیا جیسا کہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے، پھر انہوں نے ہر اس پتھر کو پوجنا شروع کر دیا جو ان کو اچھا لگا۔ پھر بعد کی نسلوں نے دین ابراہیم واسماعیل کو بالکل بدل دیا اور بتوں کی پوجا کرنے لگے اور پہلی گمراہ اُمتوں کے راستے پر چل پڑے، البتہ عہد ابراہیم کے کچھ آثار ان میں باقی رہ گئے جیسا کہ خانۂ کعبہ کی تعظیم اور اس کا طواف۔ [1]

اس طرح سے غیر مشروع طور پر مکہ کے پتھروں کے ساتھ ان کی عقیدت ومحبت اور تبرک وتعظیم نے ان کو بت پرستی میں مبتلا کر دیا، وہ ان بتوں کے سامنے نذر ونیاز اور قربانیاں پیش کرنے لگے۔ ان کو نفع ونقصان پہنچانے والا سمجھنے لگے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے جانوروں اور اموال کو بتوں کے پاس لاتے تاکہ ان بتوں کی برکت سے ان کے مال میں برکت حاصل ہو یا جانور شفایاب ہوں۔ صالحی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی ملکان بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کا ایک بت تھا جس کا نام سعد تھا۔ وہ ایک بڑی چٹان نما تھا۔ ایک مرتبہ بنی ملکان کا ایک آدمی اپنا ایک پالتو اونٹ اس کے پاس برکت حاصل کرنے کے لیے لایا۔ اس بت کے اوپر خون بہایا گیا تھا۔ اونٹ اس کو دیکھ کر بدک اٹھا اور چاروں طرف بھاگنے لگا۔ ملکانی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور اسے بت کے اوپر پھینکا اور کہا تمہارے اندر اللہ برکت نہ دے، تم نے میرے اونٹ کو بھگا دیا ہے، پھر وہ اسے تلاش کرنے کے لیے نکل پڑا۔ جب اس کو اس کا اونٹ مل گیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

---

[1] سبل الهدى والرشاد: ٢/ ٢٤٢.

اتینا الی سعد لیجمع شملنا
فشتتنا سعد فلا نحن من سعد
وھل سعد الا صخرة بتنوفة
من الارض لا یدعی لغی ولا رشد

''ہم سعد کے پاس آئے تا کہ وہ ہمارے اُمور متفرق کو جمع کر دے، لیکن اس نے جمع کرنے کے بجائے اور پراگندہ کر دیا، لہٰذا ہم سعد کے ماننے والوں میں سے نہیں ہیں۔ سعد تو زمین کے چٹیل میدان کی ایک چٹان ہے۔ اس کو کسی گمراہی یا ہدایت کے لیے پکارا نہیں جا سکتا۔''

آخری شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آدمی راہِ راست پر آ گیا تھا اور اس نے یہ جان لیا تھا کہ بت کسی کو خیر و برکت نہیں دے سکتے اور نہ ان سے مانگنا مناسب ہے، بلکہ وہ تو ایک پتھر ہیں جو نہ نفع پہنچاتے ہیں اور نہ نقصان۔ اگر یہ حقیقت اس پر واضح نہ ہوتی تو وہ اس بت کو پتھر سے نہ مارتا۔ اس نے اس شعر میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ کسی گمراہی یا ہدایت کے لیے ان کو پکارنا درست نہیں ہے، جب کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا کام کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر وہ اپنے بتوں کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کریں گے تو ان کو تکلیف پہنچے گی۔ جیسا کہ بنو ثقیف کے لوگ لات بت کو ڈھانے سے ڈرتے تھے، جب کہ ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہم اس دیوی کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دیوی کو ڈھا دو۔ ان لوگوں نے تعجب سے کہا، اگر دیوی کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ ﷺ اس کو ڈھانا چاہتے ہیں تو وہ بنو ثقیف کو ہلاک کر دے گی۔ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبدیالیل! تمہارے اوپر تعجب ہے، تم کتنی احمقانہ باتیں کر رہے ہو، وہ دیوی تو ایک پتھر ہے۔ ان لوگوں نے کہا: اے ابن خطاب! ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی اس کو ڈھانے کی ذمہ داری لے لیجیے۔ ہم اس کو کبھی نہیں ڈھا

پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کچھ لوگوں کو بھیجوں گا جو اس کو ڈھائیں گے۔ پھر وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کے اندر ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ تھے اور سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا کر بھیجا۔ وہ لوگ جب وہاں پہنچے اور اس کو ڈھانے کا ارادہ کیا تو بنو ثقیف کے تمام مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی نکل آئیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس دیوی کو کوئی نہیں ڈھا سکتا۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی کلہاڑی لی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا میں تم کو بنو ثقیف پر نہ ہنساؤں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں ضرور ہنسایئے۔ پھر انہوں نے کدال سے اس کو مارا اور چیخ نکالی اور اپنے منہ کے بل گر پڑے تو خوشی سے بنو ثقیف کے لوگ چیخ پڑے اور کہنے لگے کہ لات نے مغیرہ کو شکست دے دی۔ پھر کہنے لگے: مغیرہ! تمہاری کیا حالت ہے، تم تو یہ سوچ رہے ہو گے کہ کاش! تمہارے علاوہ کوئی دوسرا یہ کام کرتا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ اس شخص کو ہلاک کر دے گی، جو اس سے دشمنی کرے گا۔ اب تم میں سے جو شخص اس کو ڈھانا چاہے وہ قریب آئے اور خود اس کو ڈھانے کی کوشش کرے۔ خدا کی قسم! کبھی کوئی نہیں ڈھا سکے گا۔ پھر مغیرہ ہنستے ہوئے اچھلے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے ثقیف کے لوگو! میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا وہ تو صرف مٹی اور پتھر کا ڈھانچا ہے۔ پھر انہوں نے دروازے پر مارا اور اس کو توڑ دیا۔ پھر لشکر والے اس کی فصیل پر چڑھے اور اس کو ڈھاتے رہے، یہاں تک کہ اس کو زمین کے برابر کر دیا۔ پھر جس کے پاس اس کی چابیاں تھیں اس نے کہا: اس کی بنیاد ضرور غصہ ہو کر ان کو دھنسا دے گی۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو جنابِ خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے اس کی بنیاد کھودنے دیجیے۔ پھر ان لوگوں نے اس کی بنیادیں کھودیں، یہاں تک کہ اس کی مٹی کو نکال ڈالا اور اس کو جلا دیا۔ اس کے زیور اور کپڑے وغیرہ لے لیے۔ [1]

جس طرح اونٹ والے آدمی نے سعد نامی بت کے ساتھ برتاؤ کیا تھا، جب اس کا

---

[1] ادیان العرب فی الجاهلية لمحمد نعمان بن جارم، ص: ۱۵۰۔

اونٹ بدک گیا تھا اور اس کو برکت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح سے ایک اور شخص نے جس کا نام غاوی بن عبدالعزیٰ السلیمی تھا، بنو سلیم کے ایک بت کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ وہ بنو سلیم کے ایک بت جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا نام سواع تھا، کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے دو لومڑیاں دوڑتی ہوئی آئیں اور اس پر چڑھ گئیں، پھر انہوں نے اس کے اوپر پیشاب کر دیا، تو یہ شعر کہا:

اربٌ یبول الثعلبان برأسه

لقد ذل من بالت علیه الثعالب

''کیا رب کے سر پر دو لومڑیاں پیشاب کر رہی ہیں وہ تو ذلیل ہو گیا، جس پر لومڑیاں پیشاب کر دیں۔''

پھر اس نے بنو سلیم سے کہا: اللہ کی قسم! یہ بت نہ نفع پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ یہ نہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں اور نہ ہی کسی سے کچھ روک سکتے ہیں۔ پھر اس کو توڑ دیا۔ وہ نبی کریم ﷺ سے فتح مکہ کے سال ملا تو آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہا: غاوی بن عبدالعزیٰ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم راشد بن عبدربہ ہو، اور پھر ان کو ان کے قبیلے کا سردار بنا دیا۔ ❶

اس طرح بنو سلمہ کے ایک سردار عمرو بن جموح نے کیا۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت نصب کر رکھا تھا۔ جب بنو سلمہ کے دو نوجوان ایمان لے آئے تو وہ اس کو اُٹھا کر لے گئے، اور اسے ایک گڑھے میں پھینک دیا، جس میں پائخانہ پھینکا جاتا تھا اور اس کو ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ باندھ دیا۔ عمرو بن جموح نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ راہِ راست پر آ گئے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

واللّٰه لو کنت الٰهًا لم تکن

أنت و کلب وسط بئر فی قرن

❶ تاریخ العرب قبل الاسلام، ڈاکٹر جواد علی، ص: ٢٥٩.

أف لــمـلــقــاك إلهـــا مستدن

الأن فتشـــنـــاك عـــن سـوء الـغبـن

الـحـمـد لـلّـه الـعـلـي ذي الـمـنن

الـــواهـــب الـــرزق ديـــان الـديـن

هـــوا الـذيـن انـقـذنـي مـن قبـل أن

أكـــون فـــي ظـــلـمة قبـــر مـــرتهـن

’’اللہ کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو، تو اور کتا ایک کنویں میں ایک ساتھ ایک رسّی میں بندھے ہوئے نہ ہوتے۔ ایسے معبود کے پھینکے جانے پر افسوس ہے جس سے قربت حاصل کی جاتی تھی، اب ہم نے تم کو تلاش کیا ہے۔ بدترین غبن و دھوکے سے، اللہ کا شکر ہے جو بلند اور احسان کرنے والا ہے، رزق عطا کرنے والا اور حساب لینے والا ہے۔ اسی نے مجھے بچایا قبل اس کے کہ میں قبر کی تاریکیوں میں مقید ہو جاؤں۔‘‘

زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے بتوں سے اپنے اسلحوں کے لیے بھی تبرک حاصل کرتے، ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے دشمن پر فتح حاصل ہو گی۔ ابو واقد لیثی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، ہم اس وقت کفر سے نکل کر اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے، مشرکین کا ایک بیر کا درخت تھا جس کے اردگرد وہ جمع ہوتے اور اپنے اسلحوں کو اس پر لٹکا دیتے۔ اس درخت کو وہ ذاتِ انواط کہتے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ایسا درخت متعین کر دیجیے جس پر ہم اپنا اسلحہ لٹکائیں جیسا کہ وہ لٹکاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تو پہلے لوگوں کا طریقہ ہے، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے ایسے ہی کہا ہے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے معبود بنا دیجیے، جیسے کہ ان کے لیے معبود ہے تم اپنے پہلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے؟ (مسند احمد)

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اسلحہ برکت کے لیے لٹکاتے تھے۔ ❶

زمانۂ جاہلیت میں لوگ صرف بتوں سے تبرک حاصل نہیں کرتے بلکہ جو بتوں کے خدمت گزار ہوتے ان سے اوران کے کپڑوں سے بھی تبرک حاصل کرتے۔ ❷

تبرک کا اعتقاد ایسی چیزوں میں رکھنا جس میں تبرک نہیں، بت پرستوں کی اصل عبادت تھی۔ اس لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ ❸

---

❶ فتح المجید، ص: ١٤٣.

❷ تاريخ العرب قبل الاسلام: ٢٢٢.

❸ الاعتصام للشاطبى ، ص: ٩.

پہلی فصل:

اماکن اور جمادات سے تبرک حاصل کرنا

مقدس جگہوں کے بارے میں بات گزر چکی ہے، جیسے مساجد، مشاعر مقدسہ، مکہ، مدینہ اور ارض شام یہ مقامات مبارک ہیں اور ان کے اندر بہت خیر و برکت ہے۔ لیکن ان جگہوں سے تبرک مشروع طریقے ہی سے حاصل کیا جائے گا۔ لہٰذا مسجدوں کی چوکھٹ کو چومنا، اور اس کی درو دیوار کو چھونا اور اس کی مٹی سے شفا حاصل کرنا، مشاعر مقدسہ میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان اوقات کے علاوہ ٹھہرنا جو مشروع ہے جائز نہیں۔ اس لیے کہ تبرک عبادت ہے اور عبادت اس طرح سے کرنی چاہیے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی ہے، لیکن بدعتیوں اور غلو پسند لوگوں نے صرف ان مبارک جگہوں سے تبرک حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صالحین کی قبروں اور ہر اس جگہ سے تبرک حاصل کرنے لگے جہاں کوئی مبارک واقعہ پیش آیا، جیسا کہ وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، جہاں سے آپ گزرے تھے، یا جہاں آپ نے اتفاقاً نماز پڑھی تھی، یا جہاں آپ اتفاقاً ٹھہرے تھے، جیسے غارِ ثور وغیرہ۔

چنانچہ یوسف السید ہاشم رفاعی کہتے ہیں:

> ''مبارک جگہیں اور نشانیاں جہاں دُعا قبول ہونے کی اُمید کی جائے اور جس کو وسیلہ بنایا جا سکے جیسے مساجد اور قبریں، ان کی طرف سفر کرنا شرعاً جائز ہے۔'' [1]

محمد علوی رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے مرحوم شیخ عباس قطان جو مقدس سرزمین کے نگراں تھے، یہ توفیق دی کہ انہوں نے ملک عبدالعزیز سے اجازت طلب کی اور اس گھر کو بنایا جو

---

[1] الرد المحکم المنیع، ص: ۷۵.

منہدم اور ویران ہو چکا تھا اور اس میں ایک بڑی لائبریری قائم کی جس کا نام مکتبہ مکة المکرمه ہے اور جو مطالعہ اور مراجع کے لیے کھلا ہوا ہے اور یہ اس وجہ سے کیا تاکہ اس جگہ کی شرف وعظمت کی حفاظت کی جا سکے جس کا وہ اہل ہے۔"❶

محمد علی نے اپنی کتاب "فی رحاب البیت الحرام" میں ایک عنوان باندھا ہے، جس کا نام ہے: "الاماکن والمساجد المأثورة بمکة المکرمة واطرافها" اس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پیدا ہونے کی جگہ، سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گھر، جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے کی جگہ، دار ارقم بن ابی ارقم، غارِ حرا اور غارِ ثور کا ذکر کیا ہے، اس کے ذریعے ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کی زیارت کریں اور اس سے تبرک حاصل کریں، جب کہ یہ صحابہ کرام کے طریقے کے خلاف ہے۔

محمد امین کردی کہتے ہیں:

"اولیاء کی قبروں اور ان کی چوکھٹ پر جو تابوت بنایا جاتا ہے اس کو چومنے میں کوئی حرج نہیں، اگر اس سے تبرک حاصل کرنا مقصود ہے، جیسے کہ عام لوگ کرتے ہیں۔"❷

بعض بریلوی عالم کہتے ہیں کہ برکت حاصل کرنے کے لیے قبروں کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اولیاء کی قبریں اللہ کی علامات میں سے ہیں، جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔❸

اس طرح جگہوں سے تبرک حاصل کرنا اہل بدعت کو شرک صریح کی طرف لے جانے کا سبب بنتا ہے، جیسا کہ قبروں کے لیے ذبیحہ پیش کرنا، ان کا طواف کرنا، اہل قبر سے مدد طلب کرنا اور فریاد کرنا، آج عالم اسلام کے مختلف حصوں میں اولیاء کی قبروں کے پاس یہ منظر دکھائی

❶ فی رحاب البیت الحرام، ص: ۲٦۳.
❷ النقشبندیة، ص: ٥١
❸ البریلویة عقائد و تاریخ، ص: ١٢٤.

دیتا ہے۔

تبرک عبادت ہے اور عبادت اسی طرح سے ہو جس طرح صاحب شریعت نے حکم دیا ہے یا کیا ہے۔ اس سے تجاوز کرنا درست نہیں، اس کی دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کا بوسہ لیا تو فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں بوسہ نہ لیتا۔''

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں دین کے معاملے میں شارع کے لیے سر تسلیم خم کر دینا ہے اور جس کا مطلب واضح نہ کیا گیا ہو، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی اتباع کی جائے، اگرچہ اس کی حکمت معلوم نہ ہو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا ایک اہم اُصول ہے۔ ❶

۲۔ ابن وضاح نے مروان بن سوید الاسدی سے روایت کیا ہے کہ میں امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف نکلا، جب صبح ہوئی تو انہوں نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر انہوں نے لوگوں کو ایک راستے پر جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ ان سے کہا گیا کہ امیر المومنین! ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، اس میں لوگ آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ ہلاک ہو گئے، وہ اس طرح اپنے انبیاء کے آثار کے پیچھے پڑتے تھے اور ان پر کنیسے اور عبادت گاہیں بناتے تھے۔ جس کی نماز کا وقت اس مسجد میں ہو جائے وہ اس مسجد میں نماز پڑھے اور جس کی نماز کا وقت نہیں ہوا ہے وہ گزر جائے اور نماز کا قصد نہ کرے۔ معرور بن سوید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ❷

---

❶ صحیح البخاری مع الفتح: ۳/ ۳۷۰. ❷ البدع والنهی عنها لابن وضاح، ص: ۴۱.

۳۔ مسند احمد میں عمر بن عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام سے روایت ہے کہ ابو بصرہ الغفاری کی ملاقات سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی ۔ وہ طور سے آئے تھے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ ابو بصرہ نے کہا کہ طور سے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی ہے۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم مجھے پہلے ملے ہوتے تو تم وہاں کا سفر نہ کرتے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سفر کا اہتمام صرف تین مسجدوں کے لیے کیا جائے: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

۴۔ طبقات ابن سعد میں نافع سے روایت ہے کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے تھے جس کو ''شجرۃ الرضوان'' کہا جاتا اور اس کے پاس نماز پڑھتے تھے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو لوگوں کو اس کے پاس جانے سے روکا اور اس کو کاٹنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ کاٹ دیا گیا۔ ❶

۵۔ ابن وضاح کہتے ہیں کہ مالک بن انس وغیرہ علمائے مدینہ ان مساجد اور آثار نبی کے پاس جانا ناپسند کرتے تھے، سوائے قبا اور اُحد کے اور میں نے ان سے سنا ہے کہ سفیان ثوری بیت المقدس میں گئے اور وہاں نماز پڑھی اور آثار کے پاس نہیں گئے اور نہ اس کے پاس نماز پڑھی۔ اس طرح دوسروں نے بھی کیا اور امام وکیع مسجد بیت المقدس میں آئے تو انہوں نے سفیان کے فعل کو نہیں دہرایا۔ ❷

۶۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ اور میرے اوپر دُرود بھیجو، اس لیے کہ تمہارا دُرود میرے پاس پہنچے گا جہاں بھی تم ہو گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ صرف قبر کی زیارت کرنے نہیں جاتے بلکہ اس کے پاس دعا کرنے جاتے ہیں، اس کو بابرکت سمجھتے ہیں اور اس اعتقاد کے ساتھ جاتے ہیں کہ ان کی دعا وہاں قبول ہو گی۔ یہ ایک طرح کی عید ہی ہے۔ لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

❶ طبقات: ۲/ ۱۰۰. ❷ البدع لابن وضاح.

قبر پر میلہ لگانا درست نہیں تو بقیہ لوگوں کی قبروں پر میلہ لگانا بدرجہ اولیٰ درست نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے انبیاء یا صالحین کی قبروں کے پاس بطورِ تبرک نماز پڑھی تو یہ دین کی عین مخالفت ہے اور بدعت ہے اور کسی بھی قبر کے پاس نماز پڑھنے میں کوئی خیر و فضیلت نہیں، بلکہ شر ہے۔ ❶

وہ کہتے ہیں، مثلاً کوئی شخص غارِ حرا یا غارِ ثور یا جبل طور دعا کرنے اور نماز پڑھنے جائے یا ان جگہوں اور پہاڑوں پر جائے جنہیں ''مقاماتِ انبیاء'' کہتے ہیں یا ان امارات کو دیکھنے جائے جو انبیاء میں سے کسی نبی کے آثار پر بنایا گیا ہے تو یہ جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جائے پیدائش کی زیارت کو یا بیعۃ العقبہ کی جگہ کی زیارت کو اپنی اُمت کے لیے مشروع نہیں کیا ہے، اگر یہ مشروع اور مستحب ہوتا اور اس پر ثواب ملتا تو آپ اس کو سب سے زیادہ جانتے اور سب سے پہلے کرتے اور اپنے صحابہ کرام کو سکھلاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو سب سے زیادہ جانتے اور سب سے زیادہ عمل کرتے، لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے نہ کہ عبادت وقربت اور جس نے اس کو عبادت وقربت جانا اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طور طریقے کی مخالفت کی اور دین میں ایسی چیزیں پیدا کیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے ان مضامین کی تردید کی تھی جن میں لوگوں نے آثارِ نبوی کو زندہ کرنے کی مانگ کی تھی جیسا کہ ہجرت کا راستہ، ام معبد کے خیمہ کی جگہ وغیرہ اور اس بات کی وضاحت کی تھی کہ ان کی تعظیم یا ان کے پاس عبادت کرنا یا نماز پڑھنا شرک تک پہنچانے والی چیزیں ہیں۔ ❷

اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ جگہیں جہاں نبی کریم ﷺ نے سفر وغیرہ میں اتفاقاً نماز پڑھی ہے اور آپ نے اس جگہ نماز پڑھنے کی کوئی تخصیص نہیں کی ہے تو وہاں پر جا کر نماز پڑھنا

---

❶ اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ٣٣٤.

❷ مجموعة فتاوىٰ و مقالات ابن باز: ٣٣٤/٣.

اور تقرب حاصل کرنا مشروع نہیں ہے۔ لہٰذا جب ان نماز کی جگہوں کو تلاشنا اور وہاں نماز پڑھنا مشروع نہیں ہے تو ان جگہوں کو تلاشنا اور ان سے تقرب حاصل کرنا جس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معین حادثہ پیش آیا جیسا کہ غارِ حرا جس میں وحی نازل ہوئی، غارِ ثور جس میں آپ ﷺ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پناہ لی تھی اور بدر کا میدان اور وہ درخت جس کے نیچے آپ نے بیعت کی تھی جس کو بیعت الرضوان کہا جاتا ہے، یا اُمّ معبد کے خیمے کی جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت ٹھہرے تھے، بدرجہ اولیٰ مشروع نہیں ہے۔

میری یہ بات اس روایت کی مخالف نہیں ہے جس میں یہ ہے کہ ایک صحابی رسولؐ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو ایک بدری صحابی ہیں اور جن کا تعلق قبیلہ انصار سے تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری نگاہ کمزور ہوگئی ہے۔ میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب بارش ہوتی ہے تو اس وادی میں پانی بھر جاتا ہے، جو میرے اور ان کے درمیان ہے اور میں ان کی مسجد میں نہیں پہنچ پاتا کہ میں ان کو نماز پڑھاؤں۔ لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے گھر آئیں اور نماز پڑھیں، پھر میں اس جگہ کو مصلیٰ بنالوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا میں ان شاء اللہ ایسا ضرور کروں گا۔ جنابِ عتبان کہتے ہیں کہ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ ﷺ اور جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت آئے جب دھوپ چڑھ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اجازت طلب کی۔ میں نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ آپ گھر میں داخل ہونے کے بعد بیٹھے نہیں بلکہ یہ کہا کہ تم اپنے گھر میں کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوئے، پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرا۔ (صحیح بخاری)

کیونکہ سیّدنا عتبان رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس جگہ سے تبرک حاصل کریں، جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، بلکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں

جماعت سے نماز پڑھنے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کریں، جب وہ بارش کی وجہ سے جماعت میں نہ جا سکیں اور ضرورت کے وقت گھر میں جماعت سے نماز پڑھنے کا طریقہ ایجاد کر دیں، اوران کے گھر میں مسجد کا افتتاح کر دیں۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب المساجد فی البیوت" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اور سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس فعل کو بُرا نہیں مانا ہے۔ سیّدنا عتبان رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ان کے گھر میں قبلہ کا تعین صحیح طور پر کر دیں تا کہ وہ اسی طرف قبلہ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔

اگر سیّدنا عتبان رضی اللہ عنہ کا مقصد اس جگہ سے تبرک حاصل کرنا ہوتا تو ان کے ورثا اور بعد کے لوگ بھی اس سے تبرک حاصل کرتے جیسا کہ صحابہ کرام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ اور بال کو لیتے رہے اور اس سے تبرک حاصل کرتے رہے۔

البتہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان مساجد کو تلاش کرتے تھے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یا پڑھتے تھے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ تبرک حاصل کرنے کے لیے ان جگہوں کو تلاش کرتے تھے اور نہ انہوں نے کبھی ایسا کہا۔ بلکہ وہ سنت کے سخت پابند تھے اور صرف آپ کی اقتدا کے لیے ایسا کرتے تھے تا کہ انہیں اقتدا کرنے کا ثواب ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کبھی بھی ان جگہوں کا سفر نماز پڑھنے کی غرض سے نہیں کیا، بلکہ جب وہ مدینہ سے مکہ جاتے تو راستے میں اسی جگہ ٹھہرنے کی کوشش کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے تھے۔ اس جگہ نماز پڑھنے کی کوشش کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی تھی۔ یہ صرف ان کا اجتہاد تھا، صحابہ اس کی پروا نہیں کرتے تھے اور فتنے کے خوف سے اس میں مبالغہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے۔ خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ سے مکہ کثرت سے سفر کیا ہے، لیکن کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ وہ راستے میں آثار رسول کو تلاش کرتے تھے تا کہ ان کے اندر نماز پڑھیں اور دعا کریں اور اگر وہ ایسا کرتے ہوتے تو ضرور ان سے یہ بات منقول

ہوتی جیسا کہ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

البتہ صحابہ کرام دو جگہوں پر نماز پڑھنے کی کوشش کرتے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، اور جس کے لیے آپ نے تحری کی ہے۔ ان میں سے ایک مقامِ ابراہیم ہے جس کے پیچھے صلوٰۃ طواف دو رکعت نماز پڑھنا مناسک حج میں سے ہے جیسا کہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو حجۃ الوداع کے بارے میں ہے، اس میں ہے ''آپ مقامِ ابراہیم کے پاس آئے اور یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ: ۱۲۵)

پھر آپ نے اپنی آواز بلند کی تاکہ لوگ سن لیں، پھر آپ نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ ❶

اس عمل کو اختیار کرنے میں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جگہ پر نماز پڑھنا شرعی حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مناسک حج میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا کہ مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، اس لیے کہ ہوسکتا ہے اس حج کے بعد میں دوبارہ حج کے لیے نہ آسکوں۔ ❷

دوسری جگہ مسجد نبوی میں روضہ کے اندر متوسط کھمبے کے پاس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر نماز پڑھنے کی کوشش کرتے۔ صحیح بخاری میں یزید بن ابو عبید سے روایت ہے کہ میں سلمہ بن ابی اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتا تھا تو وہ مصحف کے قریب جو کھمبا ہے اس کے پاس نماز پڑھتے۔ میں نے ان سے کہا: اے ابو مسلم! کیا بات ہے کہ آپ اس کھمبے کے پاس نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پاس تحری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح منیٰ میں مسجد خیف ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس میں ستر نبیوں نے نماز

---

❶ حجة النبي، ص: ٥٨، ناصر الدين الباني۔ صحيح مسلم.

❷ حجة النبوی للشيخ الباني: ٨٢.

پڑھی ہے۔ ❶

چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام نے مسجد خیف میں یکے بعد دیگرے نماز پڑھی ہے ، لہٰذا یہاں نماز پڑھنا مشروع ہے ، لیکن واجب نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ساتھ حج کیا تھا ، لیکن مسجد خیف میں نماز نہیں پڑھی تھی اور آپ نے صحابہ کے عمل پر اپنی موافقت و رضا مندی کا اظہار کیا تھا۔

❶ تحذير المساجد ، ص: ١٠٦ للألباني.

دوسری فصل:

زمان واوقات سے تبرک حاصل کرنا

مبارک زمانوں اور اوقات کا ذکر گزر چکا ہے، جیسے رمضان کا مہینہ، شب قدر، جمعہ کا دن اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ان میں برکت مشروع طریقے سے عبادت کر کے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جیسے روزہ رکھ کر، مسنون ذکر کر کے، لیکن اگر ایسے اعمال کے ذریعے تبرک حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو مشروع نہیں ہیں تو وہ بدعت ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص برکت حاصل کرنے کے لیے جمعہ اور عیدین کے دنوں کو روزہ رکھنے کے لیے خاص کر لے تو یہ درست نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ مبارک معین زمانوں میں برکت طلب کرنا ایک عبادت ہے اور عبادت مشروع طریقے پر ہی کرنا درست ہے۔ لہٰذا جو لوگ بعض غیر مشروع معین زمانوں کی تعظیم کرتے ہیں ان کا جشن مناتے ہیں اور ان میں عبادت کرتے ہیں وہ جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ جیسے عید میلاد النبی، شب معراج، یوم الہجرہ اور یوم جنگ بدر وغیرہ۔ اہل بدعت نے تو اس معاملے میں بے حد غلو کیا ہے یہاں تک کہ عید میلاد النبی کو شب قدر سے افضل مانا ہے۔ [1]

یوسف ہاشم الرفاعی کہتے ہیں:

''سنت حسنہ میں سے وہ احتفالات ہیں جن کو مسلمان بعض معین موقعوں پر مناتے ہیں جیسے ہجری سال کی ابتدا عید میلاد النبی، اسراء ومعراج، فتح مکہ، غزوۂ بدر وغیرہ جس سے خیر حاصل کیا جاتا ہے اور جو دین کی مصلحتوں میں ہے۔'' [2]

---

[1] ملاحظہ ہو: محمد علوی مالکی کی کتاب: مفاهيم يجب ان تصحح، ص: ۱۲۰.

[2] الرد المحكم المنيع للرفاعي، ص: ۲۵۲.

زمانوں سے اس طرح تبرک حاصل کرنا جس طرح بدعتی اور غلو پسند لوگ کر رہے ہیں کسی بھی طریقے سے جائز نہیں، بلکہ یہ دین سے الگ چیز ہے۔ اس پر دلیلیں یہ ہیں:

۱۔ اگر ان زمانوں میں جشن منانا جائز ہوتا اور یہ برکت کا سبب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی وفات سے پہلے اُمت کو ضرور بتاتے، اس لیے کہ دین کو اللہ نے آپ کے ذریعے سے مکمل کر دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے واسطے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ اللہ تعالیٰ کی اس اُمت پر سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دین کو مکمل کر دیا، لہٰذا اب انہیں اس کے علاوہ کسی دوسرے دین کی ضرورت نہیں، اور نہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا اور سارے انسانوں اور جنوں کا نبی بنا کر بھیجا، لہٰذا حلال وہی ہے جس کو آپ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جس کو آپ نے حرام ٹھہرایا اور دین وہی ہے جس کو آپ نے مشروع کیا اور جس چیز کے بارے میں بھی آپ نے خبر دی وہ حق اور سچ ہے، اس میں جھوٹ و غلط بات نہیں ہے۔" ❶

۲۔ اگر زمانوں سے اس طرح تبرک حاصل کرنا دین کا حصہ تھا اور آپ ﷺ نے اس کو اُمت سے بیان نہیں کیا تو نعوذ باللہ آپ نے گویا لوگوں سے خیانت کی اور یہ بات حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے میدان میں جم غفیر

❶ تفسیر ابن کثیر: ۲۳/۳.

نے اس بات کی گواہی دی تھی کہ آپ ﷺ نے دین کو پوری طرح پہنچا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس موقع پر لوگوں سے کہا کہ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور اپنی اُمت کو نصیحت کی اور آپ کے اوپر جو ذمہ داری تھی اسے پورا کر دیا۔ پھر آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر اس کو لوگوں کی طرف گراتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو گواہ رہ۔'' [1]

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ عَمِلَ عَمَـلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .)) (صحیح بخاری)

''جو شخص ایسا کام کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا ہے وہ مردود ہے۔''

صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث ہے کہ سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور بدترین اُمور دین میں ایجاد کردہ چیزیں ہیں اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ آنے والی ہے اور تم عاجز بنانے والے نہیں ہو۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم کو ایسے راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے۔'' (ابن ماجہ)

یہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین میں ہر نئی چیز باطل و مردود ہے، لہٰذا بعض اسلامی واقعات کی مناسبت سے متعین وقت میں جشن منانا غلط ہے۔

۴۔ اگر ان اوقات و زمانوں میں جشن منانے اور عبادت کرنے سے برکت حاصل ہوتی یہ تو صحابہ کرام اور قرونِ اولیٰ کے لوگ اس کو نہ چھوڑتے کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خیر کے حریص ہے۔ ان کا طریقہ سب سے زیادہ بہتر تھا۔ اس طریقے کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں۔ سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل

[1] حجة النبيّ ، للالباني : ٧٣.

خوف زدہ ہو گئے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ یہ الوداعی وعظ ہے۔ لہٰذا فرمائیے کہ آپ ہمیں کیا ہدایت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم کو ایسے راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات اس کے دن کے مثل روشن ہے، میرے بعد جو بھی اس سے ہٹے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، تم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھیں گے، لہٰذا تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ اس سنت پر تم مضبوطی سے کاربند رہنا، اور تم اطاعت کرنا اگرچہ حبشی غلام ہی تم پر امیر بن جائے، اس لیے کہ مومن اس اونٹ کی طرح ہے جس کی ناک میں لگام ہوتی ہے، جس طرف اسے لے جایا جائے تابعداری کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عید میلاد النبی کو سلف نے نہیں منایا ہے، حالانکہ وہ ایسا کر سکتے تھے اور اگر اس کے اندر خیر ہوتی تو وہ ضرور کرتے اور وہ ہم سے پہلے کرتے۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے، اور ہم سے زیادہ آپ کی تعظیم و تکریم کرنے والے تھے اور خیر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔ [1]

۵۔ عید میلاد النبیؐ منانے کی بدعت باطنی فرقوں کی ایجاد کردہ چیز ہے، وہ عبید القداح کی اولاد ہیں جن کو فاطمی کہا جاتا ہے۔ [2]

علامہ سیوطی اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر کرتے ہیں:

''میں نے خلفائے عبیدین کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ ان کی امامت کئی وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں۔ وہ قریشی اور فاطمی نہیں ہیں۔ عوام نے جہالت کی بنیاد پر انہیں فاطمی کہا ہے۔ ان کے باپ دادا مجوسی تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ عبید اللہ جس کو مہدی کا نام دیا گیا ہے اس کا دادا القداح مجوسی تھا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبید اللہ مہدی علوی نہیں تھا۔ ان میں اکثر لوگ

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۲۹۵.

[2] القول الفصل في حكم الاحتفال بمولد خير الرسل، ص: ٦٤.

زندیق ہیں اور اسلام سے خارج ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو انبیاء کو گالیاں تک دی ہیں۔ بعض نے شراب کو حلال ٹھہرایا، بعض نے اپنا سجدہ کرنے کا حکم دیا، ان میں سب سے افضل روافض مانے جاتے ہیں جو صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے بیعت نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی ان کے لیے امامت درست ہے۔" ❶

انہی لوگوں نے عید میلاد النبیؐ کو ایجاد کیا ہے، انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ دین کو ڈھانے کے لیے کیا ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ عبید اللہ مہدی باطنی خبیث ہے۔ وہ ملت اسلام کو مٹانے کا حریص تھا، اس نے بہت سے علماء وفقہاء کو قتل کرا دیا تھا، تاکہ لوگوں کو گمراہ کر سکے۔ پھر اسی کے نقش قدم پر اس کی اولادیں رہیں۔ انہوں نے شراب کو مباح کیا، زنا کو حلال ٹھہرایا اور روافض کے عقیدہ کی اشاعت کی۔ ذہبی کہتے ہیں کہ قائم بن مہدی اپنے باپ سے بھی بُرا تھا، وہ زندیق و معلون تھا، اس نے انبیاء کو گالیاں دیں۔ ❷ لہٰذا عید میلاد النبی منانا انہی لوگوں کی اقتدا ہے۔

٦۔ اس میں نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ .)) (مسند احمد)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہے۔''

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصحاب جحیم کی مخالفت واجب ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' اقتضاء الصراط المستقیم '' میں لکھا ہے، عید میلاد النبیؐ نصاریٰ مناتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کی یاد میں کچھ دنوں میں مخصوص کر کے عبادت کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ لیلۃ الاسراء والمعراج اور لیلۃ القدر میں کون سی افضل ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ لیلۃ الاسراء والمعراج کو

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: ٤.
❷ تاریخ الخلفاء، ص: ٥.

عبادت کے لیے خاص کرنے کا کوئی جواز نہیں اور نہ کسی مسلمان نے اس کو لیلۃ القدر یا کسی دوسری رات پر فضیلت دی ہے، صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اس رات کی تخصیص عبادت کے لیے نہیں کی۔ لہٰذا یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کس رات میں معراج ہوئی، معراج اگر چہ رسول اللہ ﷺ کے بڑے فضائل میں سے ہے، لیکن آپ نے اس مخصوص وقت میں یا اس جگہ پر کوئی عبادت مشروع نہیں کی ہے، بلکہ غارِ حرا جس میں سب سے پہلے وحی نازل ہوئی اور جہاں آپ نبوت سے پہلے جایا کرتے تھے، اس میں نبوت کے بعد بھی نہ جانے کا اہتمام کیا اور نہ ہی صحابہ کرام نے اور نہ پہلی وحی نازل ہونے کی مناسبت سے آپ نے کسی زمان و مکان کو عبادت کے لیے خاص کیا اور جن لوگوں نے جگہوں یا زمانوں کو عبادت کے لیے خاص کر لیا ہے جیسے لیلۃ الاسراء والمعراج کے لیے، وہ اہل کتاب کی مشابہت اختیار کر رہے ہیں، جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال کے اوقات کو جشن منانے اور عبادت کے لیے خاص کر لیا ہے، جیسے یوم کرسمس، یوم تعمید وغیرہ۔

۷۔ یہ غلو ہے اور رسول اللہ ﷺ نے غلو سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میری تعریف میں غلو نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے لیے غلو کیا تھا، میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، لہٰذا تم مجھے صرف اس کا بندہ اور رسول ہی کہو۔''

(مسند احمد)

۸۔ ان اختلافات میں بعض شرک و بدعت کے اعمال کیے جاتے ہیں اور لغویات سرزد ہوتے ہیں، جیسے مرد وزن کا اختلاط وغیرہ۔

تیسری فصل:

صالحین کی ذات اوران کے آثار سے تبرک حاصل کرنا

رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تبرک حاصل کرنے کا بیان گزر چکا ہے، صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے جسم، پسینہ، بال، کپڑوں، برتنوں اور وضو کے پانی وغیرہ سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے اور یہ چیزیں صرف آپ ؐ کے لیے خاص تھیں اس پر کسی دوسرے کو قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ خواہ وہ خلفائے راشدین ہوں یا عشرۂ مبشرہ، یا ازواجِ مطہرات ہوں، لہٰذا جس نے تبرک کے مسئلے میں رسول اللہ ﷺ پر قیاس کرتے ہوئے غیروں سے تبرک حاصل کرنے کی کوشش کی ہے وہ غلط راستے پر ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی کسی دوسرے صحابی سے تبرک حاصل نہیں کیا ہے، کسی نے بھی سیّدنا ابوبکر، سیّدنا عمر، سیّدنا عثمان یا سیّدنا علی رضی اللہ عنہم کے پسینے یا کپڑوں یا وضو کے پانی سے تبرک حاصل نہیں کیا ہے۔ اگر تبرک جو کہ ایک عبادت ہے اور جس کا مقصد خیر و برکت اور ثواب حاصل کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسروں کی ذات و آثار سے حاصل کرنا درست ہوتا تو صحابہ کرام ایسا ضرور کرتے، پھر تابعین صحابہ کرام سے تبرک حاصل کرتے، پھر صغار تابعین کبار تابعین سے تبرک حاصل کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا مشروع نہیں ہے۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی سے بھی تبرک حاصل نہیں کیا، نہ تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اُمت میں سب سے زیادہ افضل تھے اور آپ ﷺ کے خلیفہ تھے اور نہ ہی سیّدنا عمر جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بعد

اُمت میں سب سے زیادہ افضل تھے اور نہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اور نہ ہی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اور نہ سارے صحابہ سے جو اُمت میں سب سے زیادہ افضل تھے۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی صحیح طریقے سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس قسم کا کوئی تبرک حاصل کیا ہے بلکہ انہوں نے صرف ان اقوال وافعال اور طریقوں کو ایک دوسرے سے لینے پر اکتفا کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو رہی تھی، لہٰذا ایسے تبرک کو چھوڑنے پر ان کا اجماع ہو گیا تھا، کیونکہ وہ یا تو یہ سمجھتے تھے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار عورتوں سے زیادہ سے نکاح کرنا خاص تھا، کیونکہ نبوت کی وجہ سے صرف آپ کی ذات سراپا نور ومبارک تھی اور کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں ہو سکتا اور نہ اس مرتبہ تک پہنچ سکتا تھا، یا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے تبرک کا طریقہ اختیار کیا تو بعد میں لوگ فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے اور برکت حاصل کرنے میں حد سے تجاوز کر جائیں گے۔ جو انہیں پچھلی اُمتوں کی طرح بت پرستی تک پہنچا دے گی، اسی لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی اور جس کے نیچے لوگ تبرک کے طور پر بیٹھنے لگے تھے۔

فرغانی نے حلاج کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھیوں نے اس سے برکت حاصل کرنے میں یہاں تک مبالغہ کیا تھا کہ اس کا پیشاب اپنے بدن پر ملنے لگے تھے اور اس کے پائخانہ سے دھونی لینے لگے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اس کے اندر الوہیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔

ولی ہونے کا معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک پوشیدہ معاملہ ہے، اگرچہ بظاہر اس کے کچھ آثار ہو جائیں، چنانچہ آدمی کبھی ولی سمجھا جاتا ہے یا ولی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کرامات ظاہر کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ولی نہیں ہوتا بلکہ جادوگر یا کاہن ہوتا ہے، لیکن عام لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کرامت ہے یا جادو، پھر اس کی تعظیم کرنے لگتے ہیں، اس کی اقتدا کرتے ہیں جب کہ یہ صراحتاً گمراہی ہے۔ [1]

[1] الاعتصام، ص: ۸.

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ حدیث رسول اللہ ﷺ ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس طرح شیوخ کی تعظیم میں مبالغہ کرنے اور ان کو انبیاء کے مقام تک پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔''

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ وتابعین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان سے دُعا کی درخواست کی جائے اور کہتے تھے کہ کیا ہم نبی ہیں؟ اس طرح انہوں نے تبرک صرف رسول اللہ ﷺ کے آثار سے حاصل کیا ہے (جیسا کہ وضو کا پانی وغیرہ) نہ کہ کسی اور کے آثار سے۔

خلاصہ یہ کہ یہ چیزیں تعظیم کرنے والے اور جس کی تعظیم کی جائے دونوں کے لیے فتنہ ہیں، کیونکہ اس سے غلو اور بدعت میں پڑنے کا اندیشہ ہے بلکہ یہ چیزیں شرک تک پہنچا سکتی ہیں اور اس میں یہود ونصاریٰ ومشرکین کی مشابہت ہوتی ہے جس سے اُمت کو منع کیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ مسلم بوڑھے آدمی، عادل سلطان اور حامل قرآن کی عزت کی جائے جو اس میں غلو نہ کرے اور نہ اس سے اعراض کرے، کیونکہ غلو نصاریٰ کی صفت ہے اور اعراض کرنا یہود کی صفت ہے اور تم کو میانہ روی کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

سلف صالحین لوگوں کو اپنی تعظیم کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ سیّدنا انس، سفیان ثوری اور امام احمد وغیرہ۔ امام احمد کہا کرتے تھے کہ میں کون ہوں جس کے پاس تم آئے ہو؟ جاؤ اور حدیث لکھو۔ جب ان سے کوئی چیز پوچھی جاتی تو کہتے کہ علماء سے دریافت کرو اور جب ان سے پرہیز گاری کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا تو کہتے کہ میرے لیے مناسب نہیں کہ میں پرہیز گاری کے بارے میں کچھ گفتگو کروں، اگر آدمی زندہ ہو تو اس مسئلہ میں گفتگو کرے۔ ایک مرتبہ ان سے اخلاص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ زاہد لوگوں کے پاس جاؤ میں کون ہوں جس کے پاس تم آئے ہو؟

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص آیا اس نے اپنا ہاتھ آپ کے کپڑوں پر ملا، پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملا۔ آپ یہ دیکھ کر غصہ ہو گئے اور کہا یہ چیز تم نے کس سے

لی ہے؟ [1]

اس طرح خلیفہ راشد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنابِ دانیال جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نبی تھے ان کی لاش کو دفن کرا دیا تھا تاکہ لوگ کسی فتنے میں نہ پڑیں اور کسی صحابی نے ان کے اس عمل کو ناپسند نہیں کیا تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جب ہم نے تستر فتح کیا تو ہرمزان کے مال گودام میں ایک چارپائی پر ایک مردہ آدمی کو پایا۔ اس کے سر کے پاس ایک مصحف تھا، ہم نے وہ مصحف لیا اور اس کو لے کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنابِ کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے اس کو عربی میں ترجمہ کیا۔ میں عرب کا پہلا شخص تھا جس نے اس کو ایسے پڑھا جیسے میں قرآن کو پڑھتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ مصحف کے اندر کیا تھا؟ انہوں نے کہا: تمہاری سیرت، تمہارے اُمور، تمہارے کلام کا لحن اور جو بعد میں ہونے والی چیزیں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے دن میں تیرہ متفرق قبریں کھودیں اور رات میں ان کو دفن کر دیا۔ ہر قبر کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں پر پوشیدہ رہے اور وہ اس کو نہ کھود سکیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ لوگ اس آدمی سے کیا اُمیدیں کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جب بارش نہیں ہوتی تو وہ اس چارپائی کو باہر لاتے اور بارش ہونے لگتی۔ ہم نے کہا کہ تمہارے خیال میں وہ آدمی کون تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک آدمی تھا جس کو لوگ دانیال کہتے تھے۔ میں نے کہا کہ تمہارے خیال میں وہ کتنے سال پہلے مرا تھا؟ انہوں نے کہا کہ تین سو سال۔ میں نے کہا کہ وہ لاش کچھ بدلی نہیں تھی۔ انہوں نے کہا، نہیں۔ البتہ سر کے پچھلے حصے کے کچھ بال بدل گئے تھے۔ انبیاء کے گوشت کو زمین بوسیدہ نہیں کرتی ہے اور نہ درندے اس کو کھاتے ہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی قبر کو چھپا دیا تھا تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ [2]

---

[1] الحكم الجديرة بالازاعة، ص: ٥٤.

[2] اقتضاء الصراط المستقيم.

بدعتی اور غلو پسند حضرات امام احمد اور امام شافعی ؒ کے بارے میں یہ جھوٹا قصہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امام احمد نے امام شافعی ؒ کے کپڑوں کے دھوئے ہوئے پانی کو پی کر تبرک حاصل کیا تھا اور امام شافعی نے امام ابوحنیفہ ؒ کی قبر سے تبرک حاصل کیا تھا۔ شیخ ابوبکر الجزائری کہتے ہیں: ''کیا یہ بہتان دونوں جلیل القدر اماموں شافعی واحمد کے بارے میں درست ہے؟''

اللہ کی قسم! یہ درست نہیں ہوسکتا۔ اس جھوٹ سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ کاموں کو مثلاً اولیاء کی قبروں کے پاس ٹھہرنا، اس کی مٹی کو چھونا، ان سے فریاد کرنا، ان کے لیے نذر و نیاز پیش کرنا وغیرہ کو صحیح قرار دے سکیں۔

ایک طالب علم دین نے مجھ سے قسم کھا کر بیان کیا کہ اس نے شیخ السید کو مسجد حرام میں باب ابراہیم کے پاس دیکھا۔ انہوں نے اپنا پیر اپنے جوتوں سے نکالا، ان کے مریدوں میں سے ایک آدمی جھکا اور اپنی جیب کے رومال سے اس کو پوچھنے لگا۔ پھر اس کو اپنے چہرے اور جسم کے ان اعضاء پر مل لیا جو کھلا ہوا تھا۔

یہ ہے تبرک کی طرف بلانے کا راز اور ان لوگوں کی تکفیر کا سبب جو اس کو نہیں مانتے ہیں ایسے لوگوں کو وہ وہابی اور اولیاء اللہ سے بغض رکھنے والا کہتے ہیں۔

میں نے السید الرفاعی کو کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ دوڑ رہے تھے، کیا اس بیان کے بعد جو گزر چکا ہے ہمارے اوپر شرک کی تہمت لگانا اور ہمیں ڈنڈے سے مارنا درست ہے اور کیا یہ درست ہے کہ ان لوگوں کو غصہ اور ترچھی نگاہ سے دیکھا جائے جو آثار نبی ﷺ سے تبرک حاصل کرتے ہیں، چاہے مسجد نبوی میں منبر ومحراب کے پاس یا آپ کی قبر کی کھڑکیوں کے پاس یا اس سے باہر؟

قارئین کرام! یہ تو روافض کی آواز ہے جو السیّد الرفاعی السنی (جیسا کہ وہ اپنے آپ کو کہتے ہیں) کے منہ سے بلند ہوئی ہے، کیونکہ روافض ہی آثار نبی کے پاس ٹھہرتے تھے، اس پر روتے اور نوحہ خوانی کرتے تھے۔

اس آدمی نے جو پہلے کہا تھا، بھول گیا اور شرک وضلالت کا داعی بن گیا اور اب حرم نبی کے محافظین سے یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے راستہ نکال دیں کہ وہ قبر نبی ﷺ کو بت پرستی میں بدل دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش کو پس پشت ڈال دیں جس کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہوئے اس طرح سے ظاہر کیا تھا:

((اَللّٰهُمَّ لا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَـنًا يُّعْبَدُ .))

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت کی جائے۔''

اس آدمی کو عقیدہ کی طرف سے دفع کرنا بُرا لگا تو یہ کہتے ہوئے چیخا یہاں تک کہ بے ہوش ہوگیا۔ تم زائرین کو مسجد نبوی کا محراب ومنبر اور دیواروں کو چھونے کیوں نہیں دیتے ہو، تم ان کو کیوں روکتے ہو اور جھڑکتے ہو جب کہ وہ آثارِ نبیؐ ہے۔

اے رفاعی تم نے جھوٹ کہا۔ آثارِ نبوی کہاں ہے؟ یہ منبر اور کھڑکیاں تو ترکوں کی بنائی ہوئی ہیں، اللہ کی قسم! تم نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اور قدم یا جسم کا کوئی حصہ نہیں چھوا ہے۔

اے رفاعی! پھر مسلمان کس سے تبرک حاصل کریں، مسلمان درحقیقت تبرک حاصل کریں گے، مسجد نبوی میں حاضر ہو کر، اس میں نماز پڑھ کر، رسول اللہ ﷺ اور سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھیج کر اور ان کے علاوہ جو افعال ہیں وہ روافض اور ان کے ایجنٹوں کی ایجاد کردہ ہیں، جو سراسر بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں حق کی طرف ہدایت دے اور صراطِ مستقیم پر لوٹائے۔ آمین

امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں بیان گزر چکا ہے کہ انہوں نے اس طرح تبرک حاصل کرنے سے منع کیا ہے اور ان کی جانب جو جھوٹی بات منسوب کی گئی ہے، اس کی بھی تردید کی جا چکی ہے، لیکن اگر کسی عالم سے یہ بات ثابت بھی ہو تو تب بھی اس کو حجت نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صالحین کے ذات وآثار سے تبرک حاصل نہیں کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اس کو قیاس نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عصمت صرف آپ کے لیے تھی اور آپ کے علاوہ ہر ایک کا قول قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ بھی کیا جا سکتا ہے۔

کچھ لوگ قرآن کریم کی اس آیت کو تبرک حاصل کرنے پر دلیل بتاتے ہیں:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَ آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (البقرہ: ۲۴۸)

''ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آلِ موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں گے، یقیناً تمہارے لیے کھلی دلیل ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔''

چنانچہ محمد علوی مالکی کہتے ہیں کہ یہ آیت صالحین کے آثار سے وسیلہ حاصل کرنے پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس سے برکت حاصل کی جائے۔ ❶

لیکن یہ آیت انبیاء کے بارے میں ہے نہ کہ کسی اور کے بارے میں اور انبیاء پر کسی دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ اس تابوت کے اندر انبیاء کی بچی ہوئی چیزیں اور آثار تھے۔ ❷

شیخ حمود التویجری ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں، جنہوں نے اس آیت کریمہ کو توسل اور تبرک حاصل کرنے پر دلیل بنایا ہے'' وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن نے صراحتاً نہ کہ اشارتاً اور مجازاً یہ بیان کیا ہے کہ صالحین کے ترکہ اور آثار کو خیر حاصل کرنے اور شر کو دُور کرنے کے لیے توسل بنایا جا سکتا ہے، جتنا بھی وہ قدیم کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَ آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (البقرہ: ۲۴۸)

❶ مفاهيم يجب ان صححه للمالكي: ۱۵۳.

❷ فتح القدير للشوكاني: ۱/۲۶۵.

''ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آلِ موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں گے، یقیناً تمہارے لیے کھلی دلیل ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت محمدیہ نے اپنے پہلے کی شریعتوں کو بالکل منسوخ کر دیا ہے، لہٰذا اس کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے غلو سے منع فرمایا ہے اور سب سے بڑا غلو وہ ہے جو شرک تک پہنچانے کا وسیلہ بنے اور اس میں یہ بھی ہے کہ صالحین کے ترکہ اور آثار سے تبرک حاصل کیا جائے اور نفع حاصل کرنے اور نقصان کو دُور کرنے کے لیے ان کو وسیلہ بنایا جائے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے یہ فرمایا تھا کہ سنو! تم سے پہلے والے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مساجد بنا لیا کرتے تھے، مگر خبردار! تم قبروں کو مساجد مت بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ [1]

شرح امام مسلم میں امام نووی کہتے ہیں کہ علماء کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی قبر اور دوسروں کی قبر کو مسجد بنانے سے اس خوف کی وجہ سے منع کیا تھا کہ کہیں لوگ اس کی تعظیم میں غلو نہ کریں اور فتنے میں پڑ جائیں کیونکہ یہ چیز کفر تک پہنچا سکتی ہے جیسا کہ گزشتہ بہت سی اُمتوں کے ساتھ ہوا تھا۔

صحیح بخاری و مسلم میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

صحیح بخاری و مسلم اور دوسری حدیث کی دیگر کتابوں میں سیّدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات جب ہونے لگی تو آپ اپنے چہرے پر اپنی چادر کا کنارہ ڈال لیا کرتے تھے، پھر جب تکلیف زیادہ محسوس کرتے تو چادر کو چہرے سے ہٹا دیا

[1] مسلم عن جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ۔

کرتے اور فرمایا کرتے کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کو مسجد بنا لیا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانے سے اپنی اُمت کو ڈرانے اور روکنے کے لیے آپ یہ بات فرما رہے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کی قبروں اور ان کی جگہوں سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ یہ غلو تک پہنچانے کا وسیلہ بنتا ہے، پھر یہ غلو شرک تک پہنچاتا ہے، اپنی قبر پر میلہ لگانے اور انبیاء و صالحین کی قبر پر مسجد بنانے سے روکنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حکمت تھی کہ شرک تک پہنچانے والے تمام اسباب بند کر دیے جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ کسی بھی طریقے سے صالحین کے ترکہ و آثار کو خیر حاصل کرنے یا نقصان کو دُور کرنے کے لیے توسل بنانے پر دلالت نہیں کرتی ہے، اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ توسل کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے اس نے تین محرمات کو جمع کر دیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے صالحین کے معاملے میں غلو اختیار کیا اور غلو شرک تک پہنچانے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو سے منع فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے قرآن کے اندر صرف رائے زنی کی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے اندر بغیر علم کے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (احمد، ترمذی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے قرآن کے اندر اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (ترمذی)

امام ترمذی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اہل علم اور ان کے علاوہ قرآن کی تفسیر بیان کرنے میں بہت احتیاط برتتے تھے اور بغیر جانے اس کی تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔

تیسرا یہ کہ اس نے قرآن کے متشابہ آیات کی اتباع کی جس کا مقصد فتنہ پھیلانا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران : ۷)

''تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتا لگائیں۔''

انبیاء وصالحین کے آثار کو تلاش کرنے اور اس کے پیچھے نہ پڑنے سے جو روکا گیا ہے اس کی دلیلیں یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ میں نافع بن مولیٰ ابن عمر سے صحیح روایت ہے کہ جب سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کٹوا دیا۔ اسی مصنف ابن ابی شیبہ میں معرور بن سوید رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ ہم سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک حج میں نکلے، آپ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور اس کے اندر ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ اور ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ کی تلاوت کی، پھر آپ نے اپنا حج پورا کر لیا اور واپس لوٹے تو لوگ ایک جگہ جانے میں سبقت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ایک مسجد ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، اس کی طرف لوگ جا رہے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی طرح سے اہل کتاب ہلاک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت گاہ بنا لیا تھا، لہٰذا تم میں سے جس کی نماز کا وقت ہو جائے وہ اس کے اندر نماز پڑھ لے اور جس کی نماز کا وقت نہ ہو وہ نہ پڑھے۔

خلیفۂ راشد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے پتا چلتا ہے کہ وہ آثار کی تعظیم کو ناپسند کرتے تھے اور اگر انبیاء وصالحین کے آثار کی تعظیم جائز ہوتی تو وہ اس درخت کو نہ کٹواتے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی اور اس مسجد میں کوشش کر کے اور تلاش کر کے نماز پڑھنے سے لوگوں کو نہ روکتے جس کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول وفعل ان لوگوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے جو صالحین کے آثار سے وسیلہ بنانے کو جائز سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان و دل پر رکھ دیا ہے۔'' (احمد، ترمذی، ابن حبان)

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ))

''اللہ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے جسے وہ کہیں گے۔'' (ابن حبان)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((اِقْتَدُوْا بِاللَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ .)) (ترمذی، احمد)

''میرے بعد تم ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرو۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے، اسی سنت پر تم مضبوطی سے کاربند رہنا اور دین میں نئی باتوں کے ایجاد کرنے سے بچتے رہنا، کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد، ترمذی، حاکم)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انبیاء و صالحین کی ذات اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں اور صحابہ کرام کا اس کے چھوڑنے پر اجماع ہے اور اس کے چھوڑنے سے غلو کے ذرائع بند ہو جاتے ہیں، جو شرک و بدعات تک پہنچاتا ہے اور تبرک حاصل کرنے والے کے عقیدے کی حفاظت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنا دل صرف اللہ کی طرف لگاتا ہے، اسی سے نفع و نقصان طلب کرتا ہے اور جس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اس کے دین کی بھی حفاظت ہوتی ہے، کیونکہ اس سے اس کا غرور ختم ہو جائے گا۔

برکات کا حصول

تالیف:...... علی بن نفیع العلیانی

الحمدللہ الذی بنورہ تطمئن القلوب ، بفضلہ ومنتہ تسمو الا رواح ، وتزکوا النفوس ، والصلاۃ والسلام علی خیر الأنام سیدنا محمد ﷺ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، ومن اتبع ھداھم وسلک طریقھم الی یوم الدین ، اما بعد!

''برکت'' کا موضوع ان دینی موضوعات میں سے ہے جن میں انتہائی قوی وعمیق پیغام ہے اور اس پر خالص اسلامی رنگ ہے۔

اسلام نے روح اور مادہ کے درمیان توازن پیدا کیا ہے اور اس کے لیے کچھ چیزیں بنائی ہیں جن سے روحانی اور مادی دونوں اقدار حاصل ہوں ، چنانچہ ساری عبادات میں روحانی اور مادی دونوں فوائد رکھے گئے ہیں۔ مثلاً نماز میں جہاں آدمی کو روحانی سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اس سے اس کے فطری تقاضا کی تکمیل ہوتی ہے۔ (بندگی کی طرف انسان کا میلان ایک فطری امر ہے) وہیں اس سے مادی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس سے اسلامی سماج میں بھائی چارگی ، تعاون ومساوات پیدا ہوتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ روزہ اور حج میں بھی یہ عظیم توازن پایا جاتا ہے ، برکت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے ، اس سے مسلمانوں کو دنیا وآخرت میں امن و سعادت حاصل ہوتی ہے۔ برکت بھی اللہ کی رضا کا ایک مظہر ہے ، اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے اس بندہ سے خوش ہو گیا ہے ، جو اس کے اوامر کو بجا لایا ہے اور اس کی نواہی سے بچتا رہا ہے ، اس کو بڑھا رہا ہے اور اس پر اجر دے رہا ہے۔

کبھی برکت اپنے مالوف اور واضح شکل میں ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی بندہ اپنے مال سے اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور غریبوں کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی، تجارت اور پھل میں زیادتی (اضافہ) کرتا ہے۔

اور کبھی برکت خوارق اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے بہت سے معجزات رونما ہوئے ہیں، مثلاً آپ ﷺ کے ہاتھ سے کبھی تھوڑا کھانا زیادہ ہوگیا ہے، کبھی تھوڑا پانی زیادہ ہوگیا ہے۔

کبھی برکت غیر محسوس ہوتی ہے لیکن مومن اس کے آثار کو اپنے دل میں محسوس کر لیتا ہے اس کی وجہ سے اسے اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔

اگلے صفحات میں، میں نے برکت کے مفہوم اور اس کے اقسام کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، نیز میں ان چیزوں کو بھی بیان کروں گا جن سے روزی اور کوشش میں برکت حاصل ہوتی ہے اور جن سے برکت مٹ جاتی ہے۔

میں نے حتی الامکان اس کو مختصر کرنے کی کوشش کی ہے اور کتاب وسنت اور سلف کے اقوال سے پوری دلیل پیش کی ہیں۔

واللہ تعالیٰ الموفق وھو المستعان وعلیہ التکلان.

ابو حذیفہ ابراہیم بن محمد

پہلی فصل:

رزق، اسلامی نقطۂ نظر سے

آج امت مسلمہ بے شمار مصائب سے دو چار ہے، اس کی وجہ کتاب وسنت سے دوری ہے۔ آج جہاں اسے بہت سے سیاسی، سماجی اور ثقافتی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہیں اسلامی ممالک میں اقتصادی بدحالی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بعض مسلمان ان مشکلات کو ایسے طریقوں سے حل کرنا چاہتے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، مثلاً وہ آبادی کو نہ بڑھانے پر زور دیتے ہیں، افزائش نسل پر کنٹرول کرنے کے مختلف وسائل استعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ یہ اس کا حل نہیں ہے۔ مشکلات کو حل کرنے کی یہ ساری شکلیں چاہے وہ سرمایہ دارانہ نظام کی شکلیں ہوں یا اشتراکیت کی شکلیں ہوں صرف مادی نظریات پر مبنی ہیں، جن میں اللہ رب العالمین کا کوئی رول نہیں دکھایا گیا، جس کے ہاتھ میں روزی ہے اور جو روزی کو جس طرح چاہتا ہے کم اور زیادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (هود: ٦)

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں، سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں۔''

پس اللہ ہی روزی پیدا کرنے والا ہے، وہی اپنی ساری عاقل وغیرہ عاقل مخلوقات کی کفالت کرنے والا ہے، سارا نظام کائنات اسی کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق چلتا ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادہ ومشیت سے باہر نہیں جاسکتی۔

تفسیر الظلال کے مصنف اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مخلوق کی روزی مقدر ہے جو اسے مل کر رہے گی اور یہ روزی اس کی کائنات میں جمع کردی گئی ہے، یہ اللہ کے قانون کے مطابق ہر ایک کو اس کی کوشش وعمل کے مطابق ملے گی، لہٰذا کوئی

بھی شخص کوشش کرنا نہ چھوڑے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سونا اور چاندی نہیں برسائے گا، لیکن آسمان وزمین میں روزی کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو تمام مخلوقات کے لیے کافی ہے، جب یہ مخلوقات اللہ کے قانون کے مطابق اسے تلاش کرے گی تو انہیں وہ مل کر رہے گی۔ ❶

لہٰذا مادی اقتصادی نظریات جو یہ کہتے ہیں کہ زمین کی دولت محدود ہے اور بہت سارے انسانوں کے لیے کافی نہیں ہے، وہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی صحیح نہیں ہے، زمین کی دولت باقی رہے گی چاہے جتنے سال اور زمانہ گزر جائے اور انسان دن بدن اپنے علمی وسائل سے اس کو تلاش کرتا رہے گا۔ اس کو صرف زمین پر ہاتھ پیر مارنا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنا ہے، پھر وہ اس کے خزانے، اس کے پھلوں اور دولت وثروت کو نکالتا رہے گا۔ اسلام میں تو روزی بڑھنے کے لیے ایک شرط رکھی گئی ہے جس کو یہ مصنوعی نظام جانتا تک نہیں ہے اور وہ اللہ کی اطاعت، اس کے اوامر کو نافذ کرنا اور اس کے نواہی سے بچنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (اعراف: ۹۶)

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿وَاَلَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾

(الجن: ۱۶-۱۷)

''اور (اے نبی ﷺ یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے، تاکہ ہم اس میں انہیں آزمالیں، اور جو شخص

❶ الظلال ٤/١٨٥٧.

اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کردے گا۔"

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے ظلال کے مصنف کہتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ راہ راست پر رہنے سے خوشحالی اور زمین میں غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ پہلے عرب صحرا میں تنگ زندگی گزارتے تھے لیکن جب وہ راہِ راست پر آ گئے تو ایسی زمین ان کے لیے کھول دی گئی جہاں وافر پانی اور وہ کافی مقدار میں روزی تھی۔ پھر جب صحیح راستے سے ہٹ گئے تو ان سے نعمت چھین لی گئی اور ابھی تک وہ تنگ زندگی گزار رہے ہیں اور یہ حالت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ وہ راہ راست کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ جب وہ راہ راست پر آ جائیں گے تو ان کے حق میں اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔ [1]

گناہوں سے برکت مٹ جاتی ہے اور روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس عنوان ((ضرر الذنوب فی القلب کضرر السموم فی الا بدان)) کے تحت یہ باب باندھا ہے "گناہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں" اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ گناہ زمین میں مختلف قسم کا فساد برپا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (روم : ٤١)

"خشکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھادے، (بہت) ممکن ہے کہ وہ باز آ جائیں۔"

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب ظالم حاکم بنا دیا جاتا ہے تو وہ ظلم کرتا ہے اور فساد برپا کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بارش روک لیتا ہے جس سے کھیتی اور جاندار ہلاک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد پسند نہیں کرتا، پھر انہوں نے مذکورہ آیت کریمہ پڑھی۔"

---

[1] الظلال : ٦/٤٧٣٤.

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے آخر میں یہ کہا کہ فساد سے مراد گناہ اور اس کے اسباب ہیں جس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ﴾ (روم : ٤١)

''تاکہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے اعمال کا بہت ہی کم پھل چکھایا ہے اور اگر ہمارے سارے اعمال کا پھل چکھانے لگے تو زمین میں ایک چوپایہ بھی نہ بچے۔ ❶

لغت میں برکت کا معنی:

برکت کا معنی زیادتی اور نمو ہے "بارك الله فيه" کا مطلب ہے کہ اللہ اس میں برکت دے، جس میں اللہ برکت دے وہ مبارک ہے، اور مبارک کی جمع خلاف عقل "مبارکات" ہے، اسی سے "التحيات المباركات" سے "تبريك" کا مطلب برکت کے لیے دعا کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے "بارك الله لك وفيك وعليك وباركك" اسی سے اللہ کا یہ قول ہے: ﴿أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ﴾ (النمل: ٨) ''بابرکت ہے وہ جو اس نور میں ہے۔''

تبارك الله کا مطلب ہے کہ اللہ مقدس و بابرکت ہے۔ بارك اور تبارك ایسے ہے جیسے قاتل اور تقاتل ہے۔ البتہ فاعل متعدی ہوتا ہے اور تفاعل متعدی نہیں ہوتا ہے اور تبرك به کا مطلب ہے کہ اس سے برکت حاصل کی۔ ❷

لہٰذا کسی کو جب مبارک باد دیا جائے تو مبروک نہ کہا جائے (جیسا کہ آج کل عرب کہتے ہیں) کیونکہ اہل عرب کے نزدیک یہ معروف نہیں بلکہ مبارك لك یا مبارك عليك یا مبارك فيك کہا جائے۔

❶ كتاب الداء والدواء: ٨٩.
❷ مختار الصحاح: ٢٠.

دوسری فصل:

قرآن کریم میں برکت

قرآن کریم میں برکت کا لفظ ۳۲ مرتبہ اس طرح آیا ہے:

بارك: ...... سورۂ فصلت آیت نمبر ۱۰ میں ایک مرتبہ آیا ہے۔

باركنا: ...... ان سورتوں میں چھ مرتبہ آیا ہے۔ اعراف: ۱۳۷، اسراء: ۱، انبیاء: ۷۱، ۸۱، سبا: ۱۸ اور صافات: ۱۱۳۔

بورك: ...... یہ سورۂ نمل آیت ۸ میں ایک مرتبہ آیا ہے۔

تبارك: ...... یہ نو مرتبہ ان سورتوں میں آیا ہے۔ اعراف: ۵۴، مومنون: ۱۴، فرقان: ۱، ۱۰، ۶۱، غافر: ۶۴، زخرف: ۸۵، الرحمان: ۷۸ اور ملک: ۱۔

بركات: ...... یہ دو مرتبہ آیا ہے، ایک سورۂ اعراف: ۹۶ میں اور دوسرا سورۂ ہود میں۔

بركاته: ...... یہ سورۂ ہود آیت نمبر ۷۳ میں ایک مرتبہ آیا ہے۔

مبارك: ...... یہ چار مرتبہ ان سورتوں میں آیا ہے: انعام: ۹۲، ۱۵۵، انبیاء: ۵۰، ص: ۲۹۔

مباركاً: ...... یہ ان سورتوں میں چار مرتبہ آیا ہے: آل عمران: ۹۶، مریم: ۳۱، مومنون: ۲۹ اور ق: ۵۹۔

مباركة: ...... یہ چار مرتبہ ان سورتوں میں آیا ہے۔ نور: ۳۵، ۶۱، قصص: ۳۰ اور خان: ۳۔

ان کے معانی ملاحظہ فرمایئے:

تبارك: ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (رحمن: ۷۸)

"تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت وجلال والا ہے۔"

یعنی وہ تعظیم کا اہل ہے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، وہ عزت کرنے کے قابل ہے، اسی کی عبادت کی جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور کفران نعمت سے بچا جائے اور اس کو یاد رکھا جائے اور بھلایا نہ جائے، وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں پوری طرح بلند ہے، وہ اپنے تمام افعال واقوال میں حمید ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں محمود ومجید ہے، وہ اپنے وسیع علم اور ظاہر وباہر قدرت میں بابرکت اور مقدس ہے۔ تبارك باب تفاعل سے ہے جس کی وجہ سے بابرکت ہے۔

مبارک: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ﴾ (ص: ۲۹)

"یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں۔"

ایک اور جگہ ہے:

﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

(الانعام: ۹۲)

"اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔"

ایک جگہ ہے:

﴿وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۵۰)

"اور یہ نصیحت وبرکت والا قرآن بھی ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔"

یہاں قرآن کریم کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ مبارک ہے، اور اس میں بہت سے دینی اور دنیاوی فائدے ہیں اور جو اس پر ایمان لائے اور عمل کرے اس کے لیے یہ خیر کا خزانہ ہے۔

بارکنا.مبارکا: ...... یہ اس جگہ کے لیے بولا جاتا ہے جس میں خوب خیر ونمو ہو، وہ اس طرح سے کہ اس میں عمل کرنے میں زیادہ ثواب ہو اور وہاں کے رہنے والوں کی روزی میں کشادگی ہو، بیت اللہ کے لیے مبارکًا کا لفظ آیا ہے، کیونکہ اس کے اندر برکت وہدایت ہے ، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾

(آل عمران : ٩٦)

''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے۔''

یعنی اس میں خیر کثیر ہے، کیونکہ عبادت کا ثواب اس میں کئی گنا بڑھ جاتا ہے، یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مبارک اس لیے ہے کیونکہ جو شخص حج کرے اس کا طواف کرے ، اس کے پاس عبادت کرے ، اس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔قفال کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی مراد لینا جائز ہے کہ اس کی برکت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے:

﴿يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (قصص : ٥٧)

''جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں۔''

ایک قول یہ ہے کہ اس کی برکت یہ ہے کہ اس کے پاس ہمیشہ عبادت کی جاتی ہے۔

برکت کے دو معنی ہیں:

(۱) ایک نمو وزیادتی (۲) دوسرا دوام وثبات

نمو کا معنی زیادہ عام ہے، اسی سے برکۃ بھی ہے جس کا معنی حوض ہے، کیونکہ پانی اس میں جمع اور ٹھہرا رہتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ''وضع ''مبارکًا کے معنی میں ہے، ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا خانہ کعبہ زمین میں سب سے پہلے بنایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں

بلکہ وہ سب سے پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے وہ مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہے، پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ بنانے کی پوری کیفیت بیان کی۔

ارض شام بھی مبارک جگہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾

(سبا: ۱۸)

''اور ہم نے کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آبادی) رکھی تھیں جو برسر راہ ظاہر تھیں۔''

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ (اسراء: ۱)

''پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔''

یہ برکت وہ ہریالی ہے جو شام کی زمین کو حاصل ہے، یہ علاقہ عمدہ کھیتی، قدرتی نہروں، درختوں اور پھلوں کی کثرت، کشادہ روزی اور انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے، یہ معنی بالکل ظاہر و باہر ہے، اگر ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا﴾ سے شام اور اس کے اردگرد کا علاقہ مانا جائے۔ اس سرزمین کو عام برکت کے ساتھ اس لیے مختص کیا گیا ہے کیونکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اسی سرزمین میں بھیجے گئے ہیں اور دنیا میں انہی کی شریعتیں پھیلی ہیں جو دنیا و آخرت کے لیے خیر کا سرچشمہ ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے بارکنا ھا نہیں کہا ہے، بلکہ بارکنا حولہ کہا ہے کیونکہ اس میں انتہائی برکت کی طرف اشارہ ہے، یعنی ہم نے اس کو برکت سے گھیر دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ برکات سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جیسے ہریالی وغیرہ، لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور انبیاء علیہم السلام کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بارکنا فیھا سے مراد شام ہے، حسن بصری رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

الارشاد میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا کہ اس کا خیر زیادہ ہو، وہ اس طرح کہ اس میں قسم قسم کے نباتات اور حیوانات کثرت سے ہوں، جن میں انسان بھی ہے جو بہت نفع بخش ہے۔''

بارکنا :...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ﴾ (صافات : ۱۱۳)

''اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔''

یعنی ہم نے انہیں دین ودنیا کی برکتوں سے نواز، یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلا دیا اور انبیاء ورسل کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔

حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آپ پر سلام بھیجنا جانتے ہیں لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: تم اس طرح کہو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .))

''بس اللہ تعالیٰ اپنے وافر خیر کی وجہ سے جس میں اولاد عطا کرنا بھی ہے بابرکت ہے، وہ تمہاری نسلوں، تمہاری روزی اور ان کی روزی کو بڑھانے کی وجہ سے

بابرکت ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنانے اور امامت کے لیے چننے اور ان پر عام خیر کا دروازہ کھولنے کی وجہ سے بابرکت ہے۔"

مبارکًا: ...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

﴿وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مریم : ۳۱)

"اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں۔"

یعنی مجھے خیر کا معلم بنایا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نافع بنایا ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ان کی برکت کیا تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہاں بھی ہوتے معروف کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے تھے۔ اس کا ایک معنی نسلوں کو بڑھانا ہے اور ان کے لیے مختلف قسم کی روزی مہیا کرنا ہے۔ مبارک کا ایک معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے برکت کی دعا کی جائے یعنی بارك الله تعالىٰ فيك کہا جائے۔

مبارکة: ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ﴾ (الدخان : ۳)

"یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ڈرانے والے ہیں۔"

شب قدر کے بارے میں اس کے باب میں انشاء اللہ تفصیل بیان کروں گا۔ ایک جگہ ہے:

﴿یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ﴾ (النور: ۳۵)

"وہ چراغ ایک بابرکت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہے۔"

ایک جگہ ہے:

﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ (القصص: ۳۰)

"پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیے گئے۔"

یعنی زیتون کا تیل مبارک درخت سے نکالا جاتا ہے، اس کے بارے میں بھی میں انشاء اللہ

ذرا تفصیل سے اس کے باب میں بیان کروں گا۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾

(النور: ٦١)

”(جب تم گھروں میں جانے لگو) تو اپنے گھر والوں کو سلام کرلیا کرو، دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ۔“

جیسے تشہد میں ” التحيات لله والصلوات والطيبات“ پڑھا جائے۔

بورك:...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ﴾ (النمل: ٨)

”جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے۔“

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس آگ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا، انہوں نے دیکھا کہ سرسبز درخت سے آگ کے شعلے بلند ہورہے ہیں، یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی بلکہ اللہ کا نور تھا جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔

برکت کا مبارک مفہوم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦)

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔“

یعنی اگر ان کے دل اس چیز پر ایمان لاتے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے اور ان کی اتباع کرتے اور اللہ سے ڈرتے اور ان کی اطاعت کرتے اور محرمات سے بچتے تو ہم ان کے اوپر برکتیں کھول دیتے، یعنی آسمان سے بارش ہوتی اور زمین

سے پودے اگتے۔

ایک قول یہ ہے کہ آسمان وزمین کی برکتوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام بہتر ہو اور اس کا پانے والا دنیا وآخرت میں سعادت مند ہو۔ عربوں کے کلام میں برکت سعادت کے معنی میں بھی آیا ہے، یہاں سعادت کا پورا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے، پھر یہ برکتیں صرف مومن کے لیے ہیں نہ کہ کافر دونوں کے لیے کھول رکھا ہے۔ وہ اس کو عطا کر کے کافروں کو ڈھیل دینا چاہتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آسمانی وبرکات سے مراد دعا کی قبولیت ہے اور زمینی برکات سے مراد ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔ [1]

❁❁❁❁

[1] تفسیر آلوسی: ۹/۱۱۔

تیسری فصل:

کون سی چیزیں برکت لاتی ہیں اور کس چیز میں برکت ہے؟

میرے مسلمان بھائی! برکت میں بہت سے روحانی اور انسانی اقدار دینی دلائل اور سماجی آثار پائے جاتے ہیں، جو مسلمان کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ انہیں تلاش کرے اور حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

برکت کے مندرجہ ذیل مظاہر اور اقسام ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی برکت

۲۔ تقویٰ، اللہ پر ایمان لانے اور اس پر بھروسا کرنے کی برکت

۳۔ تمام کاموں میں بسم اللہ کہنا

۴۔ ایک ساتھ کھانا کھانا اور بعض کھانوں میں برکت کا پایا جانا

۵۔ کھانے کی عزت کرنا اور انگلیوں چاٹنا

۶۔ ناپ وتول میں مساوات کرنا

۷۔ سحری کی برکت

۸۔ زمزم کے پانی کی برکت

۹۔ مبارک درخت کا تیل

۱۰۔ جگہوں کی برکت (مکہ، مدینہ، شام، مصر)

اس طرح میں نے ۳۳ چیزوں کی برکت کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی وضاحت ان شاء اللہ کروں گا۔

ا۔ قرآن کریم کی برکت

قرآن کریم کی برکت، اس کے احکام کی اتباع کرنے، اس کے منہج کو لازم پکڑنے اور اس کی تلاوت کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

(الانعام: ۹۲)

''اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔''

ایک جگہ ہے:

﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

(الانعام: ۱۵۵)

''اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔''

ایک جگہ ہے:

﴿وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ (انبیاء: ۵۰)

''اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے، کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔''

ایک جگہ ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

(ص: ۲۹)

"یہ بابرکت کتاب ہے جیسا ہم نے آپ ﷺ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ قرآن پر عمل کرنے کی برکت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم تمام قلبی وبدنی، دنیا وآخرت کی بیماریوں کے لیے مکمل شفاء ہے، لیکن اس سے ہر آدمی شفاء حاصل کرنے کے لائق نہیں اور نہ ہر ایک کو اس سے شفاء حاصل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی مریض سچے دل سے اس پر ایمان لاکر اس علاج کرے اور اس کی شرطوں کو پوری کرے تو بیماری اس کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹھہرے گی۔ یہ بیماریاں آسمان و زمین کے رب کے اس کلام کے مقابلے میں کیسے ٹھہر سکتی ہیں، جسے اگر پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اگر زمین پر اتار دیا جاتا تو زمین پھٹ جاتی۔

دلوں اور جسموں کے امراض میں سے جو بھی مرض ہے اس کی دوا، اس کے اسباب اور اس سے پرہیزی کے بارے میں قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے، لیکن یہ اس شخص کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے سمجھنے کی توفیق دے۔ ❶

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بہت فائدہ ونفع ہے، کیونکہ وہ دنیا وآخرت کے منافع اور اولین وآخرین کے علوم پر مشتمل ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو شخص اس کی کتاب کو تلاش کرتا ہے اور اسے مضبوطی سے پکڑتا ہے، اسے اس کے ذریعے دنیا و آخرت میں عزت ملتی ہے۔ ہم نے الحمدللہ اس کی خدمت کا ثمرہ دنیا میں دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں آخرت کی سعادت سے محروم نہ کرے، وہ مہربان ورحیم ہے۔ ❷

الظلال کے مصنف سورۂ انعام کی آیت کی تفسیر بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجتا ہے، ان پر کتابیں نازل کرتا ہے اور یہ نئی کتاب

---

❶ زادالمعاد: ٣٥٢/٤ ❷ تفسیر کبیر: ١٣/ ٨٠.

جس کے نازل ہونے کا یہ لوگ انکار کر رہے ہیں وہ مبارک کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے، اللہ کی قسم! وہ مبارک کتاب ہے۔

قرآن مبارک ہے، اس میں برکت کے سارے معانی پائے جاتے ہیں، اس کا اصل مبارک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے پاس سے اتارا ہے، اس کا محل مبارک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے پاکیزہ سینے میں اس کو اتارا ہے، اس کا حجم اور اس کے مضامین مبارک ہیں، کیونکہ اس کے صفحات، اس کے معانی اور مدلولات کے مقابلہ میں کم ہیں، اگر کوئی انسان ان معانی و مدلولات کو بیان کرے تو اس کو دسیوں ضخیم کتابیں لکھنی پڑیں گی۔ ایک آیت کے اندر وہ معانی بیان کیے گئے ہیں جنہیں بطور استشہاد پیش کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی ہم مثل و نظیر نہیں۔ اس کا اثر مبارک ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت و خلقت کو نہایت ہی عمدہ اسلوب میں خطاب کیا ہے اور ہر زاویے سے اس کو جھنجوڑا ہے، اس کی باتیں دل میں اترتی جاتی ہیں، وہ اتنی مؤثر ہیں کہ کسی قائل کا قول اتنا مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن حجت ہے جب کہ قائل کی قول میں کوئی روشن حجت نہیں ہوتی۔

اس کتاب کی برکت کی تصویر کشی اس سے زیادہ ہم نہیں کر سکتے اور اگر ہم اس سے کچھ زیادہ بھی کریں تب بھی اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ''وہ مبارک ہے'' سے بہتر تعبیر نہیں کر سکتے، یہ تو وہ خطاب ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہے۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بہت بھلائی ہے، اس کی برکت و منفعت دائم ہے، وہ اجر و ثواب اور مغفرت کی بشارت دیتا ہے اور گناہوں اور قبیح چیزوں سے روکتا ہے اور اس پر زجر و توبیخ کرتا ہے، پھر اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ اس میں نظری علوم ہیں جن میں سب سے افضل اور اکمل نظری علم اللہ کی ذات و صفات، اس کے افعال، اس کے احکام اور اس کے اسماء کی معرفت

[1] الظلال: ۲/۱۱٤۷.

ہے۔ اور اس میں عملی علوم بھی ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ تم کسی دوسری کتاب میں ان کی طرح نہیں پاؤ گے، چاہے اعمال جوارح ہوں یا اعمال قلوب۔" ❶

المنار کے مصنف امام رازی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: وہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں جو اپنے قیمتی اوقات کو علم کلام وغیرہ کے ذریعے علم دین حاصل کرنے میں ضائع کرتے ہیں جس علم کلام میں رازی امام مطلق مانے جاتے ہیں، وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس سے ہدایت حاصل کریں اور صرف اسی کے فیض سے سعادت طلب کریں۔ ❷

قرآن پر عمل کرنے کی برکت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی برکت اس پر عمل کرنے اور اس کی تلاوت کرنے میں ہے نہ کہ اس کا تعویذ لٹکانے میں۔ اس پر عمل کرنے سے برائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔ قرآن کی برکتیں دنیا وآخرت دونوں میں عام ہیں۔ دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ (طٰه: ۱۲۳)

"تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بھٹکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔"

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء: ۸۲)

"یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ قرآن کی ہدایت ان لوگوں کے لیے برکت ہے جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کی برکتوں میں سے وہ یہ بھی ہے جس کا ذکر صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک شخص کو سانپ یا بچھو نے ڈس لیا تھا تو ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر جھاڑ پھونک کی اور

❶ تفسیر الفخر الرازی: ۱۳/ ۸۰۔ ❷ تفسیر منار: ٤/ ٥١٧۔

وہ اللہ کے حکم سے شفا پا گیا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک مدت تک میں مکہ میں ٹھہرا رہا، اس دوران مجھے بیماریاں لاحق ہوئیں، لیکن وہاں نہ مجھے کوئی طبیب ملا اور نہ دوا، پھر میں اپنا علاج سورۂ فاتحہ پڑھ کر کرتا تھا اور اس کی عجیب وغریب تاثیر دیکھتا تھا، میں ایسے لوگوں کو یہ نسخہ بتاتا تھا جو درد کی شکایت کرتے تھے۔ پھر ان میں سے اکثر بہت جلد شفا پا جاتے تھے۔ پھر وہ کہتے ہیں: یہاں بعض چیزوں کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ آیات اور دعائیں جن سے شفاء طلب کی جائے اور جھاڑ پھونک کیا جائے وہ بذات خود نفع بخش اور شفاء دینے والی ہیں لیکن وہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں جس کے لیے دعا کی جائے وہ ان کے نزدیک قابل قبول ہو اور دعا کرنے والے کی دعا میں اثر ہو، پس اگر شفا حاصل نہیں ہوئی تو یہ سمجھو کہ دعا کرنے والے کی دعا میں تاثیر نہیں ہے یا جس کے لیے دعا کی جارہی ہے وہ ان کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کی برکت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (فاطر: ۲۹۔۳۰)

''جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتی ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی، تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اس

ں فرشتے آتے ہیں اور شیطان اس سے نکل جاتے ہیں، اور اس میں رہنے والوں کے لیے ہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کا خیر بڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم قرآن پڑھو، اس لیے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارش کرے گا۔ تم زہراوین یعنی سورۂ آل عمران پڑھو، اس لیے کہ وہ قیامت کے دن دو بادل کے ٹکڑے کی شکل میں آئیں گی یا صف بنائے ہوئے پرندوں کی دو جھنڈ کی شکل میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والی کی طرف سے حجت کریں گی۔ تم سورہ بقرہ پڑھو، اس لیے کہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے اور جادوگروں کا اس پر بس نہیں چلتا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بطلۃ سے جادوگر مراد ہیں۔ [1]

معوذتین کی برکت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر پھیرتی۔ (بخاری کتاب الطب)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں:

"عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھونکنے کا فائدہ، اس رطوبت اور ہوا سے تبرک حاصل کرنا ہے جس کو ذکر (دعا) نے چھوا ہے، جیسے کہ اس پانی سے برکت حاصل کی جاتی ہے جس سے لکھا ہوا ذکر دھویا جاتا ہے اور کبھی کبھی نیک شگون کے طور پر ہو تا کہ مریض یہ سمجھے کہ وہ تکلیف اس سے دور ہو جائے گی اور جھاڑ پھونک کرنے والے سے وہ دعا الگ ہو چکی ہے (اور مریض کے اندر پہنچ چکی ہے) اس طرح

[1] مسلم: ٦/٩٠، احمد: ٥/٢٤٩، دارامی: فضائل القرآن باب ١٣/١٥۔

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم خیر کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے، اس پر عمل کرنے اور اس کے اوامر کو نافذ کرنے ، اس کے منہج کو اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں زیادتی کرے گا، تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور آخرت میں جنت میں داخل کرے گا اور تم اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ گے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

۲۔ تقویٰ، اللہ پر ایمان لانے اور اس پر توکل کرنے کی برکت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

(الاعراف: ۹۶)

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔''

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ لوگ اطاعت کرتے تو اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتا۔ آسمان بارش برساتا اور زمین سے پودا اور پھل اگتا، جانوروں کی کثرت ہو جاتی اور سکون و امن قائم ہوتا، کیونکہ آسمان کی حیثیت ہے اور زمین کی حیثیت ماں کی حیثیت ہے اور انہیں دونوں سے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے حکم سے سارے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر ان کے دل اس چیز پر ایمان لاتے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے اور اس کی اتباع کرتے اور

---

[1] الفخر الرازی: ۱۴/ ۱۸۵.

اس سے ڈرتے اور اللہ کے اوامر کی اتباع کرتے اور محرکات کو چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر برکتیں کھول دیتا، آسمان سے بارش ہوتی اور زمین سے پودے اگتے۔ ❶

الظلال کے مصنف اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''اگر بستی والے جھٹلانے کے بجائے ایمان لاتے اور لا پرواہی کے ساتھ خواہشات کی اتباع نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتا اور بے حساب آسمان وزمین کی برکتیں یوں ہی ان کے اوپر نیچے سے کھلی رہتیں، اس تعبیر قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وافر فیض صرف انہی چیزوں میں محدود نہیں رہتا جس کی حفاظت لوگ روزی سمجھ کر کرتے ہیں، بلکہ اور بھی نعمتیں آسمان وزمین سے پیدا ہوتیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہتر اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟

اللہ کی برکتیں جو ایمان وتقویٰ کی صورت میں حاصل ہوتیں ہیں، اس کے مختلف رنگ وروپ ہیں، ان کی تحدید نہیں کی جاسکتی۔ نص قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ برکتیں ہر جگہ سے گرتیں اور ہر جگہ سے نکلتیں جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

یہ برکتیں ان چیزوں کو بھی شامل ہیں جو انسان کے وہم وگمان میں ہیں اور جن کی وہ حفاظت کرتا ہے۔ اور ان چیزوں کو بھی شامل ہیں جن کو وہ جانتا تک نہیں ہے ایمان وتقویٰ سے جو برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ برکتیں اشیاء میں بھی اور نفوس ومشاعر میں ہیں یہ برکتیں زندگی کی تمام عمدہ پاکیزہ چیزوں میں ہیں۔ ان برکات سے زندگی پنپتی اور بڑھتی ہے۔ یہ صرف ایسی کثرت کا نام نہیں ہیں جن میں شقاوت، لڑکھڑاہٹ اور گمراہی ہو۔ ❷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق : ٢)

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ٣/٤٤.
❷ ظلال القرآن: ٣٠/٥٨٦.

”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اتنی روزی دے دیتا ہے جس سے وہ مطمئن ہو جائے۔

﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق : ۳)

”اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی ہو۔“

یعنی اس کی روزی میں برکت دیتا ہے۔

اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس کا سرمایہ تقویٰ ہو اس کے نفع کو بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔ نبی ﷺ اللہ پر توکل کرو تو وہ تمہیں ایسے ہی روزی دے گا، وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے۔ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔ ❶

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزی بندہ کو اس سے زیادہ تلاش کرتی ہیں جتنا کہ اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔ ❷

حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدمی اپنی رزق سے بھاگے جیسے موت سے بھاگتا ہے تو اس کو روزی ایسے ہی پالے گی جیسے موت اسے پالیتی ہے۔ ❸

توکل کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپ دو اور تمہارا دل اس پر بھروسہ رکھے اور اس پر مطمئن ہو جائے۔ توکل کا مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی کوشش کرنا چھوڑ دے اور مہلکات کے سامنے اپنا ہتھیار ڈال دے اور اس سے بچنے کی تدبیر نہ کرے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ جب لاحول ولاقوۃ الا باللہ پر تمہارا اعتقاد ہو جائے، جس کا مطلب ہے نہ تو حرکت ہے نہ قوت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے، تو تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے ہو گئے۔

---

❶ احمد، ترمذی، ابن ماجه، حاکم۔ ملاحظہ ہو علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب صحیح الجامع رقم: ۵۲۶٤۔

❷ حدیث حسن، اخرجه الطبرانی فی الکبیر، صحیح الجامع: ۱٦۳۰۔

❸ حدیث حسن اخرجه ابو نعیم فی الحلیه : الجامع: ۵۲٤۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تو انگری پیدا کر دیتا ہے اور اس کے متفرق امور کو جمع کر دیتا ہے اور جس کو دنیا کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کر دیتا ہے اور اس کے مجتمع امور کو متفرق کر دیتا ہے اور اس کو دنیا اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہے۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تم اپنی روزی کو اپنے پاس آنے میں دیر کرنے والا نہ سمجھو، اس لیے کہ کوئی بھی آدمی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اس کے پاس اس کی آخری روزی پہنچ نہ جائے، پس تم اللہ سے ڈرو اور اچھے راستوں سے روزی تلاش کرو، تم حلال کو لو اور حرام کو چھوڑ دو۔ ❷

ایک دانا شخص نے ایک شخص سے پوچھا جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے رب پر بھروسہ کرنا اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس پر بھروسا کرنا، اس دانا شخص نے کہا کہ کیا اپنے رب پر بھروسہ کرنا تم کو اس بات سے روکتا ہے کہ تم اپنی معیشت کی اصلاح نہ کرو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اتنی روزی تلاش کرنا جس سے تم لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ جاؤ عقلمندی ہے اور اس سے عاجز رہنا ناکامی ہے۔ اور فقر متقی آدمی کو مفسد بنا دیتا ہے اور جو گناہ یا تہمت سے بری ہے اسے متہم بنا دیتا ہے اور فقر پر وہی شخص راضی ہوگا جو حقیر ہوگا، پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

فان قلت یکفینی التوکل والأسی
فقد یطلب الرزق الذی یتوکل

''پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ میرے لیے اللہ پر توکل کافی ہے تو جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ بھی روزی تلاش کرتا ہے''

❶ حدیث صحیح، اخرجه الترمذی، صحیح الجامع برقم: ٦٥١٠

❷ احمد، ترمذی، نسائی، وقال الترمذی حسن صحیح.

کسی شاعر نے یہ کہا ہے:

اعـــزم فـلـيـــس عـلـيـك ألا عــزمة
والـعـجـز عـنـوان لـمـن لا يتـوكل

”تم عزم کرو، تمہارے لیے عزم کرنا ضروری ہے اور عاجزی اس شخص کا ٹائٹل ہے جو توکل نہیں کرتا۔“

ابوتمام کہتا ہے:

وصـدقـت ان الـرزق يـطـلـب اهلـه
ولـــكـــن بسيرة مـتـعـب مـكـدود

”تم نے سچ کہا کہ روزی اپنے اہل کو تلاش کرتی ہے لیکن یہ خوب چلنے اور محنت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔“

اوپر جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ آسمان وزمین سے برکتوں کی کنجی تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ پر اچھی طرح توکل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ وتوکل کی توفیق دے۔

۳۔تمام کاموں میں بِسْمِ اللّٰہ کہنا

تمام احوال میں بسم اللہ بار بار کہنا، اس کے بعد الحمد للہ کہنا بھی اسی میں شامل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا ذکر تمام حالتوں میں پسندیدہ کاموں میں سے ہے، جس پر شریعت نے ابھارا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہونے کے وقت اور کھانا کھانے کے وقت اگر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اب تمہارے لیے یہاں رات میں ٹھہرنے کی جگہ نہیں اور نہ تمہارے لیے رات کا کھانا ہے، اور اگر گھر میں داخل ہونے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ تم لوگوں کو رات گزارنے کی جگہ مل گئی، اور جب کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ اور رات کا کھانا دونوں مل گیا۔ (مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہنے پر آمادہ کیا ہے۔

عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم بسم اللہ کرلیا کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور جو تم سے قریب ہو اسے کھاؤ، چنانچہ میں اسی طرح ہمیشہ کھاتا رہا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر برکت دے اور خوب آسودگی ہو اور قناعت وزہد حاصل ہو۔ ❶

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہم اپنے ہاتھوں کو کھانوں میں اس وقت تک نہیں رکھتے جب تک کہ

---

❶ مسلم: ۱۹۲/۱۳، ابن ماجہ: ۳۲۶۷۔

رسول اللہ ﷺ اپنا ہاتھ رکھ کر شروع نہ کر دیتے۔ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ایک کھانے میں حاضر ہوئے اتنے میں ایک لونڈی آئی گویا کہ اسے دھکا دیا جارہا ہو، پھر وہ کھانے میں اپنا ہاتھ رکھنے لگی، رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔پھر ایک دیہاتی آیا گویا کہ اسے پیچھے سے دھکا دیا جارہا ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال کر لیتا ہے جس پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو۔ اور جب وہ شیطان اس دیہاتی کے ساتھ آیا تا کہ وہ اس کھانے کو اپنے لیے حلال کرلے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس لونڈی کے ساتھ بھی آیا تا کہ وہ اس کھانے کو اپنے لیے حلال کرلے تو میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ ❶

اس بات سے دور رکھنے کے لیے کہ شیطان انسان کے ساتھ کھائے اور برکت مٹ جائے، نبی ﷺ نے یہ فرمایا: اگر کوئی آدمی کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائی تو وہ یاد کرے تو کہے بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ اس لیے کہ وہ ایسی صورت میں نئے کھانے کا استقبال کرتا ہے یا اس خباثت سے رک جاتا ہے جو اسے پہلے لاحق ہوئی تھی۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ تو نے اپنے سارے مخلوق کی روزی بیان کردی ہے، پھر میری روزی کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کھانے پر میرا نام نہ لیا جائے اس میں تمہاری روزی ہے۔ ❸

---

❶ احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی صحیح الجامع: رقم-١٦٥٣۔

❷ یہ حدیث صحیح ہے، اس کو ابن حبان، ابن سنی اور طبرانی نے روایت کیا ہے، ملاحظہ ہو: سلسلة الاحادیث الصحیحه: ٢٩٨

❸ سلسلة الاحادیث الصحیحة رقم: ٧٠٨۔

کھانے اور پینے کے بعد الحمد للہ کہنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے پینے کے بعد الحمد للہ کہا جائے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے تو الحمد للہ کہے، اور جب کوئی چیز پیئے تو الحمد للہ کہے۔'' ❶

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِي وَّلَا مودع وَّلَا مُسْتَغْنِيٍ عَنْهُ رَبَّنَا .)) ❷

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو کثرت سے ہے، پاکیزہ ہے اور بابرکت، لیکن نہ تیرے لیے وہ کافی ہے نہ آخری، نہ اے ہمارے رب ہمارے لیے اس سے بے نیازی ہے۔''

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کھانا کھایا اور پھر کہا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّي وَلَا قُوَّة .)) ❸

''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور یہ روزی دی بغیر میری حرکت اور قوت کے۔''

تو اس کے اگلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

---

❶ ـــ : ۳/۱۰۰-۱۱۷ وابن سنی رقم : ٤٨٧.

❷ ابوداؤد: ٤/١٨٧ : ابن ماجه ، ترمذی : ٩/٤٢٣.

❸ ابوداؤد ، ابن ماجه ، ترمذی، وقال حسن غریب.

گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت بسم اللہ کہنا:

اسی طرح گھر میں داخل ہوتے اور نکلنے کے وقت بسم اللہ کہنا سنت ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ یہ کہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا .)) ❶

”اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا داخل ہونا بہتر ہو اور گھر سے نکلنا بہتر ہو، اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام سے ہم نکلے اور اپنے رب پر ہم نے توکل کیا، پھر وہ اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔“

جماع کے وقت بسم اللہ کہنا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِی الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْنَا .))❷

”بسم اللہ، اے اللہ ہم کو شیطان کے شر سے بچا اور جو بچے ہمیں دے اسے بھی شیطان کے شر سے بچا۔“

پھر اگر ان کے حصے میں بچہ لکھا ہے یا بچہ کا فیصلہ کیا گیا ہے تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

برکت کے لیے تمام احوال میں بسم اللہ کہنا سنت ہے:

مثلاً جانور ذبح کرنے کے درمیان میں بھی بسم اللہ کہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں

❶ ابوداؤد : ٥/٣٢٨۔

❷ شرح نووی : ١٠/٥، ابوداؤد : ٢/٦١٧، ابن ماجہ ، ترمذی۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اے عائشہ! چھری لاؤ، پھر اس کو ایک پتھر سے رگڑ کر تیز کرو، میں نے ایسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے اسے لیا اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا پھر اسے ذبح کیا پھر یہ دعا پڑھی:

((بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ.)) ❶

"بِسْمِ اللّٰهِ، اے اللہ تو محمد، آل محمد اور امت محمدیہ کی طرف سے اسے قبول فرما۔"

اس طرح اس کھانے پر بھی بسم اللہ کہہ لیا جائے جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لاتے ہیں، ہم یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس پر بسم اللہ کہہ لیا کرو، پھر کھالیا کرو۔ ❷

شکار کرتے وقت بسم اللہ کہنا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیر کمان سے بسم اللہ کہہ کر جو تم نے شکار کیا ہو اسے کھاؤ اور سکھائے ہوئے کتے کا شکار جب تم اس پر بسم اللہ کہہ کر اسے چھوڑا ہو تو کھاؤ۔ اور جو کتا سکھایا ہوا نہ ہو اس کا شکار تم اس وقت کھاؤ جب تم نے اس کو ذبح کیا ہو۔ ❸

نیا کپڑا پہنتے وقت بسم اللہ کہنا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نیا کپڑا پہنتے قمیص یا عمامہ تو بسم اللہ کہتے پھر کہتے:

((اللهم لك الحمد انت كسو تنيه أسا لك من خيره وخير

---

❶ ابو داؤد ۳/ ۲۳۰، مسلم، ۱۳/ ۱۲۱۔ ❷ فتح ٤/ ۲۹٤۔

❸ فتح الباری: ۹/ ٦۱۲ ،مسلم: ۱۳/ ۷۹۔

ماصنع له واعوذ بك من شره و شرما صنع له)) ❶

''اے اللہ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں جو اس کے لیے بنائی گئی ہے، اس کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس برائی سے جو اس کے لیے بنائی گئی ہے۔''

اے میرے مسلمان بھائی! اس طرح تم نے دیکھا کہ کم عمل پر تمہیں بہت زیادہ خیر و برکت ملتی ہے، پس ہر نعمت پر تمہارے بسم اللہ کہنے اور الحمد اللہ کہنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرتا ہے، اور توکل کی توفیق دیتا ہے۔

❶ ابو داؤد: ٤/٢٠٩، ترمذی: ٥/٤٦٠.

۴۔ اکٹھا کھانا کھانے میں اور بعض کھانوں میں برکت

اکٹھا کھانا کھانے میں بھی برکت ہے اور جتنی تعداد زیادہ ہوگی اور لوگ بسم اللہ و الحمدللہ کہیں گے اتنی ہی برکت بڑھے گی۔

وحشی بن حرب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا وحشی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ! ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن آسودہ نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، لوگوں نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسول!، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اکٹھے ہو کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو، انشاء اللہ اس میں تمہارے لیے برکت ہوگی۔'' ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب اکٹھے ہو کر کھاؤ، الگ الگ ہو کر مت کھاؤ، اس لیے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے کافی ہوتا ہے، دو آدمی کا کھانا تین آدمی کے لیے اور تین آدمی کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے، ایک ساتھ، کھاؤ متفرق ہو کر مت کھاؤ، اس لیے کہ برکت جماعت میں ہے۔ ❷

اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے کافی ہوتا ہے اور دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یعنی تھوڑا کھانا، زیادہ لوگوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

مہاب کہتے ہیں کہ ان حدیثوں سے مراد عمدہ کاموں کے کرنے اور بقدر کفایہ روزی پر قناعت کرنے پر لوگوں کو ابھارنا ہے، یہاں کفایت کی مقدار کی تحدید مقصود نہیں، بلکہ ہمدردی

---

❶ احمد، ابو داؤد، بیہقی، ابن حبان، حاکم : صحیح الجامع : ۱٤٢.

❷ حدیث حسن، ابو یعلی، ابن حبان، بیہقی، صحیح الجامع : رقم : ۱۷۱.

مقصود ہے، یعنی جب دو آدمی ہوں تو انہیں تیسرے یا چوتھے آنے والے کو بھی اپنے کھانے میں از راہ ہمدردی داخل کر لینا چاہیے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکٹھے کھانے کی برکت سے کفایت حاصل ہوتی ہے، اور جتنے زیادہ لوگ اکٹھے ہوں گے یہ برکت بڑھتی جائے گی۔

ابن منذر کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ مل کر کھانا مستحب ہے اور آدمی تنہا نہ کھائے۔

ان احادیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر ہمدردی پیدا ہو جائے تو اس کے ساتھ برکت بھی حاصل ہو جاتی ہے، اور وہ تمام حاضرین کے لیے ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آدمی اس چیز کو حقیر نہ سمجھے جو اس کے پاس ہے، اور اس کے پیش کرنے سے باز نہ رہے، اس لیے کہ تھوڑے کھانے سے بھی اکتفاء حاصل ہو سکتی ہے، یعنی زندگی کو باقی رکھا جا سکتا ہے، اور نیت کا قیام ہو جاتا ہے۔ یہاں حقیقی آسودگی مراد نہیں ہے۔ [1]

مومن کافر کے برعکس ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلم ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔'' [2]

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی بہت کھاتا تھا۔ وہ اسلام لے آیا، پھر وہ کم کھانے لگا، اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر کے اندر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کافر کے اندر سات صفتیں پائی جاتی ہیں: حرص، بہت لالچ، لمبی آرزو، طمع، بد خلقی، حسد، نفس کی محبت)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کھانے کی خواہشات سات ہیں:

طبیعت کا خواہش، نفس کی خواہش، آنکھ کی خواہش، منہ کی خواہش، کان کی خواہش،

[1] فتح الباري: ١٠/٤٢٩.
[2] بخاري، مسلم، مالك، ابن ماجه.

ناک کی خواہش، اور بھوک کی خواہش، ان میں بھوک کی خواہش کو پوری کرنا ضروری ہے اور مومن بھوک کی خواہش کی وجہ سے کھاتا ہے اور کافر تمام خواہشات کی وجہ سے کھاتا ہے۔

بعض کھانوں کی فضیلت

بعض کھانوں کی فضیلت کے بارے میں حدیثیں آئی ہیں۔

ثرید:

ثرید کی فضیلت کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت ساری عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت سارے کھانوں پر۔ (مسلم)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برکت تین چیزوں میں ہے: جماعت، ثرید اور سحری۔ [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ثرید روٹی اور گوشت کا مرکب ہوتا ہے۔ پس روٹی تمام کھانے کی چیزوں میں افضل ہے اور گوشت سب سے بہتر سالن ہے، پھر جب وہ دونوں اکٹھے ہو جائیں تو ان دونوں کے بعد کوئی غایت نہیں۔ [2]

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ ثرید بناتی تھیں تو اسے تھوڑی دیر کے لیے ڈھانپ دیتیں تاکہ اس کی گرمی نکل جائے، پھر کہتیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ برکت کے لیے سب سے بڑی چیز ہے۔ [3]

ام سالم کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب دودھ لایا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے ایک برکت یا دو برکت۔ [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب دودھ لایا جاتا تو

---

1. سلسلة الاحاديث الصحيحة: رقم ١٠٤٥۔
2. زادالمعاد: ٢٩٥/٤۔
3. السلسلة الصحيحة رقم: ٦٥٦/٣٩٢، وقال اخرجه احمد و الدارمي۔
4. ابن ماجه: كتاب الاطعمة: وفي الزوائد، رجاله ثقات۔

آپ ﷺ فرماتے: گھر میں کتنی (ہی زیادہ) برکت یا دو برکتیں ہیں۔ ❶

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ دودھ کی برکت اور اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: دودھ اگرچہ محسوس کرنے میں معمولی معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ آدمی کی اصل خلقت میں مرکب ہے اور اس طبعی ترکیب میں تین جواہر ہیں، پنیر، گھی اور پانی۔

پنیر: ٹھنڈا، مرطوب اور بدن کو غذا پہنچانے والا ہے۔

گھی: متعدل ہے اور بدن انسانی کو صحیح رکھنے کے لیے مناسب ہے۔

پانی: گرم ہے اور طبیعت اور بدن کے لیے مرطوب ہے۔

اسی لیے ہم پاتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے دودھ پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ کہتے:

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ.))

''اے اللہ! تو ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے ہمیں بڑھا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے علم میں دودھ کے علاوہ کوئی بھی کھانے یا پینے کی چیز کافی نہیں ہوتی ہے۔(احمد وهو حديث حسن)

پھر اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ محمود ہے، وہ عمدہ خون پیدا کرتا ہے اور خشک بدن کو مربوط بناتا ہے اور عمدہ غذا ہے، وسوسہ وغم اور امراض سے نجات دلاتا ہے، اگر اسے شہد کے ساتھ پیا جائے تو اندرونی زخم کو فاسد مادہ کے ساتھ ملنے سے بچاتا ہے، اگر شکر ملا کر پیا جائے تو اس سے رنگ بہت اچھا ہو جاتا ہے جماع کے ضرر کا تدارک کرتا ہے اور ٹی بی کے مریضوں کے سینے اور پھیپھڑے کے لیے مناسب ہے۔ ❷

اس طرح سے ہمیں دودھ کی برکت میں نبوت کے علامات میں سے ایک علامت کا پتہ چلتا ہے۔

---

❶ احمد: ٦/١٤٥۔ ❷ زاد المعاد: ٤/٣٨٤۔

دودھ میں آسمان کی برکت شامل ہے:

مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میری دو ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ہمیں سخت بھوک لگی، ہم لوگوں سے ملے لیکن کسی نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی، پھر رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے گھر لے کر آئے، آپ ﷺ کے پاس چار بکریاں تھیں، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے مقداد! اس کا دودھ ہمارے درمیان چار حصوں میں بانٹ دیا کرو، چنانچہ میں اسے چار حصوں میں بانٹ دیا کرتا تھا، ایک رات رسول اللہ ﷺ کسی کام میں پھنس گئے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آپ ﷺ وہیں کھاپی کر آسودہ اور سیراب ہو گئے ہوں گے۔ لہٰذا لاؤ میں آپ ﷺ کے حصہ کا دودھ پی لوں، میں اسی سوچ میں تھا کہ آپ ﷺ کا حصہ اٹھا کر پی گیا اور پیالہ ڈھانپ دیا، جب میں پی چکا تو میرے دل میں یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے آئیں اور کوئی چیز کھانے کے لیے نہ پائیں۔ میں اپنے دل یہ سوچ ہی رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے، آپ ﷺ نے اسلام اس طرح کیا جسے بیدار لوگ سن لیں اور سونے والے نہ جاگیں، پھر آپ ﷺ پیالے کے پاس آئے اور اسے کھولا لیکن اس میں کچھ نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے کہا اے اللہ! تو اسے کھلا جو مجھے کھلائے اور اسے پلا جو مجھے پلائے، میں نے اس دعا کو غنیمت سمجھا، میں نے ایک چھڑی لی پھر بکریوں کے پاس آیا اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں سے کون سی موٹی ہے میں انہیں ہاتھ سے چھونے لگا، پھر میرا ہاتھ جس تھن پر بھی گیا اسے میں نے دودھ سے بھرا پایا، چنانچہ میں نے دودھ دوہا یہاں تک کہ پیالہ بھر گیا پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے کہا! اے اللہ کے رسول! یہ پی لیجیے، آپ ﷺ نے میری طرف اپنا سر اٹھانا، اور فرمایا: اے مقداد تمہاری بعض بری عادت ہے، بتاؤ کیا خبر ہے؟ میں نے کہا آپ ﷺ اسے لیں پھر میں خبر بتاتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے پیا یہاں تک کہ ہم اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی پلا دیتے، میں نے کہا کہ جب مجھے اور آپ ﷺ کو برکت مل گئی تو اب مجھے پرواہ نہیں کہ میں نے کس کو نہیں پلایا ہے۔ (احمد : ۲/٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا سب سے بہتر کھجور البرنی کھجور ہے، وہ بیماریوں کو دور کرتا ہے اور اس میں کچھ بیماری نہیں۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس گھر میں کھجور نہ ہو اس کے گھر والے بھوکے رہ گئے۔'' ❷

عبید اللہ بن رافع اپنی دادی سلمٰی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں کھجور نہ ہو تو وہ اس گھر کی طرح ہے جس میں کھانا نہ ہو۔ ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھجور مومن کے لیے بہترین سحری ہے۔ ❹

مدینہ کے عجوہ کھجور کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمدہ کھجور اگر صبح خالی پیٹ کھالیا جائے تو وہ ہر جادو اور ہر زہر کے لیے شفا ہے۔'' ❺

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمدہ عجوہ کھجور میں شفا ہے یا اسے صبح سویرے کھانا تریاق ہے، اس میں خالی پیٹ کا ذکر نہیں ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی شاہد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت ہے کہ جس نے خالی پیٹ مدینہ کے دونوں سنگلاخ سوختوں کے درمیان کی سات کھجوریں کھائیں کو اس کو اس دن شام تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ اسے شام کے وقت کھائے تو اسے صبح تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

---

❶ حدیث حسن، الکامل لابن عدی والبیهقی فی الشعب۔ صحیح الجامع رقم: ۳۰۳.

❷ یہ حدیث صحیح ہے، مسلم کتاب الاشربة، ترمذی کتاب الاطعمة، صحیح الجامع رقم: ۲۷۴۴.

❸ السلسلة الصحیحة: ۱۷۷۶.

❹ السلسلة الصحیحة، رقم: ۵۶۲۔ وقال اخرجه ابن حبان والبیهقی.

❺ السلسلة الصحیحة رقم ۲۰۰۰/ وقال اخرجه احمد.

شہد کی فضیلت:

شہد کی فضیلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

﴿ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ○ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (نحل: ٦٨/٦٩)

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی عمارتوں میں اپنا گھر (چھتے) بنا۔ اور ہر طرح کے میوہ کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے شہد کو اہل جنت کا کھانا بنایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾

''اور نہریں ہیں شہد کی جو بہت صاف ہیں اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔

شہد کی فضیلت کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں، جن میں بعض حدیثیں یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہد ہر بیماری کے لیے شفا ہے اور قرآن اس چیز کے لیے شفا ہے جو سینوں میں ہے، پس قرآن اور شہد دونوں سے شفا حاصل کرو۔ (ابن ماجہ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دو چیزوں کو لازم پکڑو

جس میں شفا ہے اور وہ شہد اور قرآن ہیں۔ (ابن ماجہ ، حاکم و صحیحۃ ، البیھقی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے بھائی کا پیٹ خراب ہے، (یعنی دست آرہا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، چنانچہ اس نے اس کو شہد پلایا، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس کو شہد پلایا لیکن اس کا دست اور بڑھ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایسا تین مرتبہ کہا، پھر جب وہ چوتھی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا تم اسے شہد پلاؤ، اس نے کہا میں نے اس کو شہد پلایا لیکن اس کا دست تو بڑھتا ہے جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سچ کہا ہے (کہ شہد میں شفا ہے) اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے (جس کو دوا فائدہ نہیں دیتی ہے) تم اس کو شہد پلاؤ، چنانچہ اس نے اس کو شہد پلایا اور وہ اچھا ہو گیا۔ (بخاری، مسلم)

آپ نے دیکھا کہ اکٹھے کھانا کھانے، بسم اللہ کہنے اور کھانے کے بعد الحمد للہ کہنے سے برکت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر یہ بھی انعام کیا ہے کہ بعض کھانے میں برکت رکھی ہے، جیسے ثرید، شہد، دودھ اور کھجور، اس میں بذات خود برکت ہے پھر اگر وہ اکٹھے ہو کر کھایا جائے اور کھانے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا جائے اور کھانے کے بعد الحمد للہ کہہ لیا جائے تو اس میں اور برکت ہو جاتی ہے۔

کھانے کی عزت کرنا

انگلیاں چاٹنا اور گرم کھانا نہ کھانا

شیخ البانی رحمہ اللہ انگلی چاٹنے کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کھانے کے واجب آداب میں سے ایک بہت عمدہ ادب بیان کیا گیا ہے، اور وہ انگلی چاٹنا اور انگلی سے پلیٹ صاف کرنا ہے، لیکن آج اکثر مسلمان یورپ کے کافرانہ عادات کی تقلید کرتے ہیں اور یہ ادب اختیار نہیں کرتے، جب کہ اہل یورپ کے طور طریقے مادی نظریات پر مبنی ہیں، وہ خالق کا اعتراف نہیں کرتے اور نہ اس کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں، پس مسلمان ان کی تقلید سے بچیں ورنہ ان پر رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث صادق آئے گی:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ مِنْهُمْ" جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔

میں نے واجب آداب اس لیے کہا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے۔ پس تم مومن بنو، آپ ﷺ کے احکام کو بجالاؤ اور جس چیز سے آپ ﷺ روکیں اس سے رک جاؤ اور استہزاء کرنے والوں کی پرواہ نہ کرو، دانستہ، نادانستہ اللہ کے راستے سے تم کو روکنا چاہتے ہیں۔ [1]

میرے مسلم بھائی! تم یہ جان لو کہ کھانے کے شروع میں انشراح صدر کے ساتھ بسم اللہ کہنا چاہیے۔ اور اللہ کی دی ہوئی نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر تواضع اور اللہ سے صحت و برکت مانگنے کے لیے پلیٹ میں بچا ہوا کھانا آدمی

---

[1] السلسلة الصحيحة: ١/ ٦٧٦.

چاٹ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اے میرے بھائی! تم اللہ کا شکر کثرت سے کرو، اس کی خوب تعریف بیان کرو، اس سے تمہیں صحت اور خیر و برکت حاصل ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: ''برکت کھانے کے بیچ میں اترتی ہے، پس تم کنارے سے کھاؤ اور بیچ سے نہ کھاؤ۔'' ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، اس لیے کہ وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور تم پلیٹ انگلی سے چاٹ لیا کرو، اس لیے کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کس کھانے میں برکت ہے۔ ❸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک رومال سے نہ پوچھے جب تک کہ اس کو چاٹ نہ لے۔ ❹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ ان سے جو روایت آئی ہے وہ اس طرح ہے:

جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھا لے اور اس کو شیطان کے

---

❶ حدیث صحیح، اخرجه احمد و دار قطنی فی الافراد والبیهقی فی الشعب۔ ملاحظہ ہو: صحیح الجامع۔

❷ یہ حدیث صحیح ہے: اخرجه احمد، ترمذی، صحیح الجامع رقم: ۳۸۲.

❸ احمد: ۳/۱۷۷، مسلم کتاب الاشربة.

❹ احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، بیهقی، صحیح الجامع: ۳۷۹.

لیے نہ چھوڑے اور اپنا ہاتھ اس وقت تک رومال سے نہ پونچھے جب تک کہ اس کو چاٹ نہ لے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ ❶

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری ہدیہ بھیجی گئی، ان دنوں کھانا کم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ اس بکری کو پکاؤ اور آٹے کی روٹی بنا ڈالو (یعنی روٹی توڑ کر شوربہ میں تر کرو) نبی پاس ایک بڑا پیالہ تھا جس کا نام غراء تھا، اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور لوگوں نے چاشت کی نماز پڑھ لی تو اس پیالہ کو لایا گیا اور لوگ کھانے کے لیے جمع ہو گئے، جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زانو پر بیٹھے، ایک دیہاتی نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بیٹھے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے کریم بنایا ہے جابر و شرکش نہیں بنایا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے کنارے سے کھاؤ اور اس کا بلند حصہ (یعنی بیچ کا حصہ) چھوڑ دو، تاکہ اس میں تمہارے لیے برکت دی جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو اور کھاؤ، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تمہارے لیے فارس اور روم کی سر زمین فتح کر دی جائے گی اور بہت کھانا ہو جائے گا، لیکن اس پر بسم اللہ نہیں کہا جائے گا۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک کہ اس کو چاٹ نہ لے۔ ابو زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ پلیٹ اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ اسے انگلی سے چاٹ نہ لے، اس لیے کہ کھانے آخری حصہ میں برکت ہوتی ہے۔ ❸

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نی فرمایا: تم کنارے

---

❶ احمد، نسائی، بیهقی، مسلم ـ صحیح الجامع رقم: ۱٦٥۹.

❷ أخرجه البانی رحمه الله فی سلسلة الا حادیث الصحیحة رقم: ۳۹۳ وقال حدیث صحیح.

❸ سلسلة الا حادیث الصحیحة رقم: ۳۹۱.

سے کھاؤ اور بیچ کا حصہ چھوڑ دو تا کہ اس میں برکت ہوتی رہے۔ ❶

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ جب ثرید بناتیں تو تھوڑی دیر کے لیے اس کو ڈھانپ دیتیں یہاں تک کہ اس کی گرمی نکل جاتی، پھر کہتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ برکت کے لیے سب سے بڑی چیز ہے، یعنی وہ کھانا جس کی گرمی نکل گئی ہو۔ ❷

میرے مسلم بھائی! تم شیطان کو موقع نہ دو کہ وہ تمہارا کھانا کھائے، تمہارا پانی پیے اور اللہ نے تمہارے اوپر جو انعام کیا ہے اس میں شریک ہو جائے، تم باقی کھانا نہ پھینکو اور جو چیز گر جائے اس کو یوں ہی نہ چھوڑو، کیونکہ ایسی صورت میں برکت سے تم محروم ہو جاؤ گے حالانکہ ہمیں آسمانی برکت کی سخت ضرورت ہے۔

---

❶ ابو داؤد، بیهقی، صحیح الجامع رقم : ٤٥.

❷ السلسلة الصحيحة رقم : ٣٩٢ وقال اخرجه الدارمي وابن حبان والحاكم والبيهقي باسناد صحيح

ناپ تول میں مساوات کرنے میں برکت

ناپ تول میں مساوات اور عدل کا اہتمام کرنے سے بڑی برکت ہوتی ہے اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک قوم ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے زمین میں دھنسادی گئی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں: ''حاصل کلام یہ ہے کہ صرف ناپنے سے برکت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کو اللہ کے حکم کے مطابق نہ ناپا جائے اور صرف ناپنے سے برکت چھین نہیں لی جائے گی، جب تک کہ اس کو اللہ کے حکم کے خلاف نہ ناپا جائے۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا کھانا (غلہ، کھجور وغیرہ) ناپ لیا کرو، اور اس میں تمہارے لیے برکت ہوگی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا کھانا (غلہ اور کھجور وغیرہ) ناپ لیا کرو، اس لیے کہ برکت ناپے ہوئے کھانے میں ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے برکت سحری میں اور ناپنے میں رکھی ہے۔ [3]

میرے بھائی! تم اپنے آپ کو عظیم برکت اور بڑے ثواب سے محروم نہ کرو جو تمہیں ایک چھوٹے عمل پر مل رہی ہے، تم ناپ و تول پوری کرو، اس سے تمہیں روزی ملے گی۔

---

[1] بخاری، کتاب، البیوع ٤/٣٤٥.

[2] ابن نجار عن علی صحیح الجامع: ٤٥٩٩.

[3] صحیح الجامع رقم: ١٧٣٥، والسلسلة الصحیحة ١٢٩١.

سحری کی برکت

میرے بھائی! یہ مت بھولو کہ اجر وثواب سنت کی اتباع میں ہے، تم مخلوق میں سب سے بہتر انسان کی پیروی کرو، خاص طور سے سحری کھانے میں، اس لیے کہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سحری کھاؤ، اس لیے کہ سحری میں برکت ہے۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ "برکت" سے مراد اجر وثواب ہے، ایک قول یہ ہے کہ برکت اس اعتبار سے برکت ہے کہ اس سے روزہ رکھنے کے لیے قوت ملتی ہے آدمی چست ہو جاتا ہے اور اس کے کھانے سے مشقت کم ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ برکت اس اعتبار سے ہے کہ آدمی اس میں بیدار ہو کر سحری کے وقت میں دعا کرتا ہے۔

سب سے بہتر قول یہ ہے کہ سحری سے برکت کئی طریقوں سے حاصل ہوتی ہے، اس میں سنت کی اتباع ہے اور اہل کتاب کی مخالفت ہے، عبادت پر تقویت ملتی ہے، آدمی مزید چست ہو جاتا ہے، ان بری عادتوں کی مدافعت ہوتی ہے جو بھوک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور سائل پر صدقہ کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جو سحری مانگتا ہے یا اس کے ساتھ کھانا چاہتا ہے، دعا کی قبولیت کے اوقات میں سے ایک وقت میں ذکر اور دعا کا موقعہ ملتا ہے اور جو شخص سونے سے پہلے روزہ کی نیت کرنا بھول جائے اس کو روزہ کی نیت کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کے لیے بلایا اور فرمایا: مبارک کھانے کی طرف آؤ (یعنی سحری) [1]

---

[1] احمد، ابو داؤد، صحیح الجامع رقم: ۷۰۴۳.

سحری کھانا سنت ہے، اس سے اس امت کے روزے اور اہل کتاب کے روزے میں فرق کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔(مسلم)

حدیث میں سحری کھانے کا حکم ندب اور استحباب کے لیے ہے۔ (یعنی اس کا کھانا مستحب ہے) اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے، چاہے تھوڑا ہی کھایا پیا جائے، سحری کا وقت رات سے صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے، یہ جمہور علماء اور چاروں اماموں کا قول ہے، سحری تاخیر سے کھانا مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سحری تاخیر کر کے کھاتے تھے یہاں تک کہ سحری اور نماز کے درمیان صرف اتنا وقفہ باقی رہتا کہ ایک آدمی قرآن کریم کی پچاس آیتیں پڑھ سکتا تھا، جیسے حدیث میں ہے:

سحری کی برکت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی ہے:

((ان السحور بركة اعطا كموها الله ، فلا تدعوها)) ❶

"سحری برکت ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے تمہیں دیا ہے، بس تم اسے نہ چھوڑو۔"

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برکت سحری اور (غلہ) ناپنے میں رکھی ہے۔ ❷

ایک حدیث میں ہے کہ سحری کھانا برکت ہے، پس تم اس کو مت چھوڑو، اگر چہ تم میں کوئی شخص ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ پیے، اس لیے کہ اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نعم سحور المؤمن التمر))

"کھجور مومن کی بہتر سحری ہے۔"

---

❶ احمد، نسائی، صحیح الجامع رقم: ١٦٣٦۔

❷ صحیح الجامع: ١٧٣٥، والسلسلة الصحيحة: ١٢٩١۔

❸ احمد، صحیح الجامع: ٣٦٨٣۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برکت تین چیزوں میں ہے، جماعت، ثرید اور سحری۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔

قارئین کرام! اگر تم یہ جانتے ہو کہ عبادات کے لیے قوی بنو تو سنت کی اتباع کرو اور ان میں ایک اہم چیز سحری کھانا بھی ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔

---

❶ بیهقی فی الشعب، وابو نعیم فی اخبار اصبهان ، السلسلة الصحیحة خ: ۱۰٤٥.

زمزم کے پانی کی برکت

اس روئے زمین پر سب سے بہتر اور نفع بخش پانی زمزم کا پانی ہے، اس میں ہر بیماری سے شفاء ہے اور ہر بھوک سے آسودگی ہے اور ہر پیاس سے سیرابی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں کہا جہاں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے سوال کرنے کا ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم یہاں کب سے تھے؟ میں نے کہا کہ میں یہاں تیس دن سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کون تم کو کھلاتا تھا، میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی کھانا نہیں تھا سوائے زمزم کے پانی کے، میں موٹا ہو گیا یہاں تک کہ میرے پیٹ پر سلوٹیں آ گئیں اور میں ذرا بھی بھوک محسوس نہیں کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمزم کا پانی مبارک ہے، وہ کھانے والے کا کھانا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے۔'' ❶

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طعام طعم کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پینے والا ایسے ہی آسودہ ہو جاتا ہے جیسے کہ کھانا اسے اسودہ کر دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ وہ مبارک ہے، وہ کھانے والے کا کھانا اور بیمار کے لیے شفاء ہے۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر سب سے بہتر پانی زمزم کا پانی ہے، اس میں کھانے والے کا کھانا ہے اور بیمار کے لیے شفاء ہے اور روئے زمین پر سب سے خراب پانی وادی بدھوت کا پانی ہے جو حضر موت

---

❶ مسلم۔ فضائل الصحابہ، احمد، طیالسی۔

❷ ابو داؤد، طیالسی، صحیح الجامع رقم: ۲۴۳۵۔

میں ہے، وہ ٹڈی کے پیر کی طرح ہے جو صبح کے وقت اچھلتا کودتا ہے اور شام کے وقت اس میں تری باقی نہیں رہ جاتی۔ ❶

قارئین کرام! اگر تم بیمار ہو اور شفاء چاہتے ہو یا پیاسے ہو اور سیراب ہونا چاہتے ہو تو یہ مبارک پانی پیو کیونکہ روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زمزم کا پانی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے نبی ﷺ کے حوض کا پانی پلائے۔

❶ طبرانی، ضیاء فی المختارہ، سلسلة الاحادیث الصحیحة.

مبارک زیتون کا درخت

زیتون کا درخت مبارک ہے، دلیل کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ (نور: ۳۵)

''اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے، جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو، وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہے جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہے روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کلمۂ مبارکة اور شجرة کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

''**مبارکة**: اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت نفع بخش ہے، وہ اس طرح سے کہ اس کی بتی اس کے تیل سے تر کی جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ برکت اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ ایسی سرزمین میں اگتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے برکت دے رکھا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں ستر نبیوں کو بھیجا جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔

زیتونة: یہ شجرة کا بدل ہے: شجرہ کو پہلے مبہم بیان کیا گیا ہے، پھر اس کی صفت برکت سے کی گئی ہے۔ پھر اس کا بدل بیان کیا گیا ہے تاکہ اس کی قدرو

قیمت کو بتایا جا سکے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں (یوقد من شجرة مباركة) یعنی مبارک درخت کے تیل سے جلایا جاتا ہے، یہاں مضاف محذوف ہے اور زیتون سب سے زیادہ بڑھنے والا پھل ہے اور انار بھی اسی طرح سے ہے۔

ابو طالب مسافر بن عمرو بن امیہ بن عبد شمس کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لیت شعری مسافر بن ابی عمرو

ولیت یقولها المحزون

بورك الميت الغريب

كما بورك نبع الرمان والزيتون

''کاش کہ مجھے مسافر بن ابی عمر کے متعلق علم ہوتا، کاش کہ غمزدہ یہ کہتا کہ مسافر میت میں برکت دی گئی ہے، جیسے کہ انار اور زیتون کی جڑ میں برکت دی گئی ہے۔''

ایک قول یہ ہے کہ اس کی برکت یہ ہے کہ اس کی شاخوں میں نیچے سے اوپر تک پتے ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زیتون میں بہت نفع ہے، اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے، وہ سالن ہے، اسے جسم پر ملا جاتا ہے، اس سے دباغت دی جاتی ہے، وہ ایندھن ہے، اس کی لکڑی کو جلایا جاتا ہے، اس کے ہر چیز میں نفع ہے یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھویا جاتا ہے، یہ پہلا درخت ہے جو دنیا میں اُگا ہے اور پہلا درخت ہے جو طوفان کے بعد اُگا ہے اور انبیاء کی جگہوں اور ارض مقدسہ میں اُگا ہے۔ اس کے لیے ستر نبیوں نے برکت کی دعا کی ہے، جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ تو زیت وزیتون میں برکت دے، ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ کہا ہے۔

---

[1] تفسیر آلوسی۔١٨/١٦٧.

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ تحفۃ الاحوذی میں کہتے ہیں:

"**شجرة مباركة**" (یعنی درخت زیتون جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے، اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے) اس کو مبارک اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت نفع ہے اور اہل شام اس سے بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہی معنی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ وہ ایک ایسی سرزمین میں اُگا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے بھلائی دی ہے۔

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم زیتون کا تیل کھاؤ، اس لیے کہ وہ مبارک ہے اور اسے سالن بناؤ اور اسے جسم پر ملو، اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔" (احمد، دارمی، ترمذی)

یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذرا مختلف الفاظ میں بھی آئی ہے، وہ اس طرح ہے: تم زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے جسم پر ملو، اس لیے کہ وہ مبارک درخت سے ہے۔ [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت اور حدیث کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"زیت زیتون شروع میں گرم اور مرطوب ہوتا ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ وہ خشک ہوتا ہے اس کا کہنا درست نہیں، اس کے تیل کی مختلف قسمیں ہیں، اگر اس کا پھل پکنے کے بعد اس سے تیل نچوڑا جائے تو وہ سب کے لیے عمدہ ہوتا ہے اور اگر اس کا پھل کچا ہو اور اس سے تیل نچوڑا جائے تو وہ ٹھنڈا اور خشک ہوتا ہے، سرخ زیتون سے جو تیل نکلتا ہے وہ ان دونوں کے درمیان رہتا ہے۔ اور کالے زیتون سے جو تیل نکلتا ہے وہ گرم کیا جائے اور اسے ملنے کے بعد پٹی باندھی

[1] سلسلة الصحيحة رقم : ٣٧٩.

جائے تو وہ زہر کو ختم کرتا ہے اور قبض کو دور کرتا ہے، پیٹ سے کیڑوں کو نکالتا ہے، ان میں جو پرانا ہو جائے اس کو زیادہ گرم اور تحلیل کیا جائے اور اس سے جو پانی نکالا جاتا ہے اس میں حرارت کم ہوتی ہے اور وہ زیادہ لطیف ہوتا ہے اور زیادہ نفع بخش ہوتا ہے، اس کی ساری قسمیں چمڑے کو ملائم بناتی ہیں اور اسے سر میں لگانے سے سر کا بال دیر میں پکتا ہے، زیتون کا نمکین پانی آگ سے جلنے کے بعد بدن میں آبلہ نکلنے نہیں دیتا، وہ مسوڑھوں کو مضبوط بناتا ہے، اس کا پتا بدن پر دانے، پھنسی، زخم اور چھالے کو ختم کرتا ہے اور پسینے کو روکتا ہے، اس کے منافع اس کے کئی گنا ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے۔'' [1]

اس طرح زیتون کی برکت کا بعض معنی ہمیں معلوم ہو گیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے قابل اعتناء سمجھا ہے۔

---

[1] زاد المعاد: ٤/٣١٦.

جگہوں کی برکت

(مدینہ، مکہ، شام، یمن، وادیٔ عقیق، مسجد اقصیٰ اور اس کے اردگرد، مصر)

اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں میں بڑی برکت دے رکھی ہے، رسول اللہ ﷺ اہل مدینہ کے لیے کثرت سے برکت کی دعا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب پہلا پھل لایا جاتا تو آپ ﷺ کہتے اے اللہ! تو ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت دے، ہمارے پھلوں میں برکت دے، ہمارے مد اور صاع میں برکت دے۔

پھر آپ ﷺ وہ پھل ان بچوں میں سب سے چھوٹے بچے کو دیتے جو آپ ﷺ کے پاس موجود رہتے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی ﷺ کے پاس لاتے، آپ ﷺ جب اس کو لیتے تو فرماتے: اے اللہ! تو ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت دے اور ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے مد میں برکت دے، اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لیے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور اس کے مثل اور، پھر آپ ﷺ سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے دیتے۔ (مسلم، ترمذی)

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾

(آل عمران: ٩٦)

”اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ (شریف) میں

---

[1] مسلم ٩/١٤٦، ابن سنی فی عمل الیوم رقم: ٢٨٠.

ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔“

امام آلوسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں مبارک سے مراد بہت بھلائی ہے، کیونکہ اس میں عبادت کا ثواب کئی گنا کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کو مبارک اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ حج، بیت اللہ کا طواف اور اس کے پاس عبادت کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

قفال کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے مراد وہ چیز ہو سکتی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے:

﴿ يُجْبٰى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (قصص : ٥٧)

”جہاں تمام چیزوں کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں۔“ ❶

ایک قول یہ ہے کہ اس کی برکت یہ ہے کہ وہاں ہمیشہ عبادت ہوتی رہتی ہے۔ برکت کے دو معنی ہیں: ایک نمو و زیادتی اور یہی معنی زیادہ مشہور ہے۔ اور دوسرا ثابت رہنا ہے، اس معنی کے اعتبار سے اس میں برکت اس لیے ہے کیونکہ اس میں پانی برقرار رہتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو مدینہ میں برکت اس سے دوگنی کر دے جو تو نے مکہ میں برکت دی ہے۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی برکت دوگنی کر دے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے: اے اللہ تو ہمارے صاع اور مد میں برکت دے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے زیادہ عام معنی مراد ہو، ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لیے محبوب بنا اور مدینہ کی ہوا وہاں کا بخار جحفہ میں لے جا۔ ❸

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینے

---

❶ تفسیر آلوسی : ٤/٥.　❷ بخاری، کتاب فضائل المدینة.

❸ جامع الاصول : ٩/٣٢٣، بخاری، فضائل المدینة، مسلم کتاب الحج باب الترغیب فی سکنی......

کی زمین دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان حرم ہے۔ (وہاں شکار جائز نہیں) اس کو رسول اللہ ﷺ نے حرم ٹھہرایا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا ہے، اے اللہ! تو اس میں دوگنی برکت دے اور ان کے صاع اور مد میں برکت دے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے وادیٔ عقیق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آج رات کو میرے مالک کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور کہنے لگا اس برکت والی وادی میں نماز پڑھو اور کہو عمرہ حج میں شریک ہو گیا۔ ❷

مسجد اقصیٰ اور اس کے اردگرد کی برکت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ (اسراء: ۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی برکت یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے عبادت کی جگہ اور ان کا قبلہ رہا ہے اور اس کے اردگرد نہروں اور درختوں کی کثرت ہے۔ ❸

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عریش اور فرات کے درمیان کی زمین میں برکت دے رکھی ہے اور فلسطین کو خاص طور سے مقدس بنایا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کی برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے چٹان کے نیچے ساری زمین کا پانی نکلتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بصحة ذلك)

---

❶ احمد: ۱/۱۶۹. ❷ بخاری، کتاب الحج.

❸ تفسیر الوسی: ۱۵/۱۱.

مسجد اقصیٰ ان تینوں مسجدوں میں سے ایک ہے جس کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے، اور یہ وہ چوتھی مسجد ہے جہاں دجال داخل نہیں ہو سکے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ دجال پوری زمین کا چکر لگائے گا سوائے چار مسجدوں کے، مدینہ کی مسجد (مسجد نبوی) مکہ کی مسجد (مسجد حرام) طور اور مسجد اقصیٰ، اور وہاں نماز پڑھنے سے کئی گنا ثواب ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی لونڈی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ ہمیں بیت المقدس کے بارے میں فتویٰ دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ارض محشر ومنشر ہے۔ (یعنی وہ سرزمین جہاں لوگ قیامت کے دن اکٹھے کیے جائیں گے) تم وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو، اس لیے کہ اس میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ (اعراف: ۱۳۷)

”اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق ومغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے شام ومصر کی زمین مراد ہے۔ ❷

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حسن، قتادہ اور زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس سے شام کی زمین مراد ہے۔ محی السنۃ البغوی نے کہا ہے کہ اس سے شام ومصر کی زمین مراد ہے۔

یہاں برکت سے مراد ہریالی اور کشادہ رزق ہے، یہ خطہ انبیاء کا مسکن ومدفن رہا ہے، یہ معنی بالکل ظاہر ہے اگر مشارق الارض ومغاربها سے شام اور اس کے اطراف کے علاقے مراد لیے جائیں۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت

❶ احمد، ابن ماجہ، ابو داؤد۔ ❷ تفسیر قرطبی: ۲۷۲/۷۔

نقل کی ہے: انہوں نے کہا کہ گرج و بجلی (یعنی بارش) اور برکتیں شام کی طرف ہجرت کر جائیں گی۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن خوالہ اُزدی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے ایسی سرزمین کا انتخاب کیجیے جہاں میں رہوں۔ آپ نے فرمایا: تم شام میں رہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو اپنی عبادت کے لیے منتخب کرلیا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں سے شام کو منتخب کرلیا ہے، اس میں اس کے منتخب بندے ہیں، اور میری امت میں سے ایسے تین قسم کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جن پر کوئی حساب و کتاب اور عذاب نہیں ہوگا۔ ❶

جبیر بن نفیر، مسلمہ بن نفیل کندی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگوں نے لاپرواہی کی وجہ سے گھوڑوں کو دبلا کردیا ہے اور ہتھیار رکھ دیے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب جہاد نہیں، لڑائی نے اپنا بوجھ رکھ دیا ہے (یعنی اب جنگ ختم ہوگئی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگوں نے جھوٹ کہا، ابھی ابھی تو لڑائی آئی ہے۔ میری امت میں سے ایک جماعت حق کے لیے لڑتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے گا اور انہیں ان کے ذریعے روزی عطا کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے گا اور گھوڑے کی پیشانی سے قیامت تک برکت بندھی ہے، اس نے میرے پاس وحی کی ہے کہ میری روح قبض کی جائے گی اور میں ہمیشہ رہنے والا نہیں ہوں اور تم میں سے بعض بعض کی گردن مارے گا، اور مومنوں کے گھر کا درمیانی حصہ شام ہوگا۔ ❷

میرے بھائی! یہ نہ بھولو کہ سب سے بہتر زمین کا خطہ وہ ہے جس میں اللہ کی شریعت نافذ کی جائے۔

---

❶ ابن عساکر، تاریخ دمشق، المعجم الکبیر للطبرانی، سلسلة الاحادیث الصحیحة رقم: ١٩٠٩.

❷ نسائی، ابن ماجة، احمد، السلسلة الصحیحة رقم: ١٩٣٦.

ان جگہوں پر رہنا جن سے برکت بندھی ہے

مکہ، مدینہ اور ارض مقدسہ کی فضیلت ہمارے اوپر مخفی نہیں، مکہ ومدینہ میں جو برکتیں ہیں ان کے بارے میں بیان گزر چکا ہے، یہ وہ جگہیں ہیں جن سے برکت بندھی ہوئی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں یہ روایت نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک گھر میں ہم رہنے لگے، ہماری تعداد (شروع میں) زیادہ تھی اور مال بھی زیادہ تھا، پھر ہماری تعداد کم ہوگئی (یعنی بہت سے لوگوں کی وفات ہوگئی) اور مال بھی کم ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس گھر کو چھوڑ دو وہ برا ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد میں بھی ہے۔

جب شام میں طاعون پھیلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خط لکھا جو کہ شام میں تھے کہ اردن گہری زمین ہے، یعنی وہاں بہت وباء پھیلتی ہے اور جابیہ صحت افزاء مقام ہے اور وباء سے دور ہے، لہٰذا جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کو جابیہ لے کر چلے جاؤ۔

شب قدر اور روزہ کی برکت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾

''یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ڈرانے والے ہیں۔''

امام آلوسی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ، ابن جبیر، مجاہد، ابن زید اور حسن سے اسی طرح مروی ہے۔اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ اس سے نصف شعبان کی رات مراد ہے۔

یہ رات مبارک اس لیے ہے کیونکہ اس رات میں قرآن کے نازل ہونے کی وجہ سے سارے دینی و دنیاوی فائدے عطا کیے گئے ہیں، اس میں فرشتے اترتے ہیں، اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، دعا قبول ہوتی ہے، اس میں عبادت کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس میں روزی مقدر کی جاتی ہے، تقدیر کا فیصلہ کیا جاتا ہے، جیسے موت وغیرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری شفاعت عطا کی گئی ہے۔[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں رات سے مراد لیلۃ القدر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نصف شعبان کی رات مراد ہے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)

''بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں اتارا ہے۔''

قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن کریم شب قدر میں ام الکتاب سے بیت العزت تک جو کہ سماء دنیا پر ہے نازل کر دیا تھا اور وہاں سے (حسب وقائع) رسول

---

[1] تفسیر الوسی: ۲۵/۱۱۰۔

اللہ ﷺ پر ۲۳/ سال میں رات اور دن میں اترتا رہا۔ ❶

علامہ شنقیطیؒ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو مبہم رکھا ہے، لیکن یہ بیان کردیا ہے کہ وہ لیلۃ القدر میں ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَـٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ﴾ اور یہ بھی بتایا کہ وہ مبارک ہے، اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: ﴿لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ آخری سورت تک۔

لیلة مبارکة کا مطلب ہے بہت برکت والی رات، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک رات جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جس کی تفصیل سورۃ القدر میں بیان کی گئی ہے بڑی برکت والی رات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ﴾ (بقرة: ۱۸۵)

”ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔“

لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے جیسے عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے قرآن کریم کے صریح نص کی مخالفت ہوتی ہے اور جو چیز بھی حق کی مخالف کرے وہ باطل ہے۔

شہر رمضان کی برکت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ جب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رمضان کا مبارک مہینا آیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر روزہ فرض کیے ہیں، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس کے خیر سے محروم کردیا گیا وہ (حقیقت میں) محروم ہے۔ ❷

روزہ میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً اس میں دعا قبول ہوتی ہے، آسمان سے برکت

❶ تفسیر قرطبی: ۱۲۶/۱۶۔ ❷ احمد ۲/ ۲۳۰۔

نازل ہوتی ہے، روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسرے اپنے رب سے ملاقات کے وقت افطار کے وقت دعا رد نہیں ہوتی، جب کوئی روزہ دار اس کے پاس کھاتا ہے تو فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں، رمضان کے برکات کی سب واضح نشانی روزہ رکھنے میں ہے، اس لیے کہ اس میں روحانی وجسمانی بہت سے فوائد ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں ”روزہ روح، قلب وبدن کی بیماریوں کو روکنے کے لیے ڈھال ہے، اس کے بے شمار فائدہ ہیں، صحت کی حفاظت کرنے اور فضیلت کو پگھلانے میں اس کی عجیب تاثیر ہے، وہ نفس کو نقصان دہ چیز کے کھانے سے روکتا ہے، خاص طور سے جب اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے اور شرعاً افضل اوقات میں کھایا جائے۔ بدن کو فطری طور پر روزے کی ضرورت ہے، اس سے اعضاء کو آرام وتقویت ملتی ہے، اس کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ وہ مفرح قلب ہے، وہ ٹھنڈے مزاج والوں کے لیے فائدہ مند ہے، وہ لوگوں کی صحت کی حفاظت کرنے میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے، وہ روحانی اور قدرتی دوا ہے، اگر روزہ رکھنے والا ان تمام چیزوں کی رعایت کرے جن کی طبعاً وشرعاً رعایت کرنی چاہیے تو روزہ سے اس کے قلب وجسم کو بہت فائدہ ملے گا، وہ بندہ اور اس کے قلب وجسم کو نقصان پہنچانے والی چیزوں کے درمیان ایک ڈھال ہے، اس سے آدمی کا دل اللہ کی یاد میں حاضر رہتا ہے اور نفس کو اللہ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے پر قوی بناتا ہے۔“ [1]

اس مہینہ کی برکت کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان کیا ہے:

”یہ رمضان کا مہینہ تمہارے پاس آیا ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں۔“ [2]

پس یہ مبارک مہینہ ہے اور اس میں ایک رات ہزار مہینے سے بہتر ہے، تم رمضان کے روزے رکھو اور اس کی راتوں میں نمازیں پڑھو اور نیکی کے کاموں میں خوب محنت کرو تاکہ اس کی برکتیں پا جاؤ۔

---

[1] زاد المعاد: ٤/٣٣٤.

[2] احمد، نسائی صحیح الجامع رقم: ٦٩٩٥.

عیدین کی برکت

ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے دن (عیدگاہ کی طرف) نکلیں، پھر ہم جوان پردہ والیوں کو ان کے پردے سے نکالتی تھیں اور حیض والیوں کو بھی نکالتی تھیں، وہ لوگوں کے پیچھے رہتی تھیں، وہ تکبیریں کہتیں اور دعا میں شامل رہتیں (اور نماز نہیں پڑھتی تھیں) وہ ایسا اس لیے کرتیں تاکہ اس دن کی برکت و پاکیزگی انہیں بھی حاصل ہو۔ ❶

---

❶ بخاری، کتاب العیدین: ٢/٤٦١.

عدل کی برکت

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عدل واحسان دونوں کا حکم دیا ہے، عدل صرف نجات کا سبب ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے تجارت میں اصل سرمایہ ہوتا ہے، اور احسان کامیابی وسعادت کا سبب ہوتا ہے، اس کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے تجارت میں نفع ہوتا ہے، اگر دنیاوی تجارت میں کوئی شخص صرف اصل سرمایہ پر قانع وراضی ہوجائے تو اسے عقل مند نہیں مانا جاتا ہے، اسی طرح آخرت کا معاملہ ہے، دین دار آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ صرف عدل پر اکتفا کرے، ظلم نہ کرے اور احسان کے دروازے کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اَحۡسِنۡ كَمَآ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ﴾ (قصص : ۷۷)

''اور جیسا اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو تُو بھی اچھا سلوک کر۔''

ایک اور جگہ ہے:

﴿وَ اَحۡسِنۡ كَمَآ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ﴾ (نحل : ۹۰)

''اللہ تعالیٰ عدل کا اور بھلائی کا حکم دیتا ہے۔''

ایک اور جگہ ہے:

﴿اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ (اعراف : ۵۶)

''بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل بادشاہ اور منصف حکیم بن کر اتریں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے اور امن واپس لائیں گے، وہ تلوار کو درانتی بنا دیں گے، ہر زہر والے جاندار کا زہر ختم ہوجائے گا، آسمان سے روزی

اترے گی اور زمین اپنی برکتیں نکالے گی یہاں تک کہ بچے سانپ کے ساتھ کھیلیں گے اور سانپ انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اور شیر گائے کی حفاظت کرے گا اور اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' ❶

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجاہد کا کہنا ہے کہ جب ظالم شخص حکمران بنتا ہے تو ظلم کرتا ہے اور فساد مچاتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے اور کھیتیاں اور جاندار ہلاک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد پسند نہیں کرتا۔ ❷

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے مسند میں ایک حدیث کے ضمن میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنوامیہ کے خزانے میں ایک گیہوں کا دانہ پایا گیا جو کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا، وہ ایک تھیلی میں تھا جس پر لکھا ہوا تھا ''یہ عدل کے زمانے میں پیدا ہوتا تھا۔'' ❸

میرے بھائی! تم عدل کو اپنا شعار بناؤ اس سے تمہیں برکت ملے گی۔

---

❶ احمد : ۲/۴۸۲-۴۸۳۔ ❷ الداء والدواء: ۸۹۔

❸ الداء والدواء: ۸۹۔

کثرت استغفار

استغفار نفس کو پاکیزہ بناتا ہے، ضمیر کو بیدار کرتا ہے اور اطاعت وعبادت کی طرف مائل کرتا ہے۔ اگر رات و دن استغفار کیا جائے اور آدمی اپنے گناہوں پر نادم ہو اور اصرار چھوڑ دے تو اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ لوگوں سے استغفار کرنے کے لیے کہتے اور خود ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتے۔ آپ ﷺ کثرت سے استغفار کرتے، اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کردیا تھا، اس کے بارے میں لوگوں نے جب آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

((اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا))

''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝﴾

''اور میں نے کہا اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بخشنے والا ہے، وہ تم پر وہ آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں نہریں نکال دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے استغفار کو لازم پکڑا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر غم کو دور کردے گا اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ ہوگا۔'' (ابو داؤد)

رسول اللہ ﷺ نے کثرت استغفار پر لوگوں کو ابھارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ، مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔))

''اے اللہ! تو مالک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور وعدے پر جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے، قائم ہوں، میں نے جو برے کام کیے ہیں ان سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں تیرے احسان اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، میری خطائیں بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی یہ دعا اس پر یقین رکھ کر دل سے پڑھے اور اس دن شام ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا۔ اور جو کوئی یہ دعا رات میں اس پر یقین رکھ کر پڑھے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے مرجائے وہ بھی جنت والوں میں سے ہوگا۔ (بخاری)

اوپر جو بیان گزر چکا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ استغفار اور معصیت پر اصرار نہ کرنا برکت کا سبب ہے۔

میرے مسلمان بھائی! تم اس معاملے میں سلف صالحین کی اقتدا کرو، جن کی زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اور ان کی عمروں میں برکت دی۔

صدقہ، سخاوت، کرم
اور اللہ کے راہ میں خرچ کرنا

صدقہ وسخاوت صحیح ایمان کی دلیل ہے، سلیم اور صاف ستھری فطرت کی علامت ہے، اس سے مومن اس چیز پر قانع ہو جاتا ہے، اللہ کے پاس ہے اور جو اس کے پاس ہے، اس سے بے رغبتی برتتا ہے، پھر وہ اپنا مال سخاوت کے کام میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (بقرہ: ٢٦٢)

”جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر دن جس میں بندہ صبح کرتا ہے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کہتا ہے:

((اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا .)) اے اللہ! تو خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل دے۔ اور دوسرا کہتا ہے:

((اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا .)) اے اللہ! بخیلی کرنے والے کے مال کو نعم البدل دے۔ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پوشیدہ صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے اور صلح رحمی عمر

زیادہ کرتی ہے اور معروف کام کرنا برائی کی جگہوں سے بچاتا ہے۔ ❶

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم اپنے مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو۔ ❷

اے میرے مسلمان بھائی! یہ جان لو کہ مال ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا۔ اس لیے مؤمن کو چاہیے کہ وہ قناعت کرے اور حرص و طمع چھوڑ دے اور اگر اس کے پاس مال ہے تو اللہ کے راستے میں خرچ کرے اور نیک کام کرے اور بخیلی سے بچے۔

سخاوت انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور وہ نجات کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔ حسن بن علی کہتے ہیں کہ کرم یہ ہے کہ سوال کرنے سے پہلے بھلائی کی جائے اور موقع محل دیکھ کر کھانا کھلایا جائے اور جو مال ہو اسے خرچ کر کے سائل کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ تم بھلائیوں کی بارش کرو، پس اگر شریف لوگوں کو وہ بھلائی ملی تو وہ اس کے اہل تھے اور اگر کمینے لوگوں کو وہ بھلائی ملی تو تمہیں اس بھلائی کا ثواب ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نوے ہزار درہم میں ایک گھر خریدا، جب رات ہوئی تو اس گھر کے لوگوں کے رونے کی آواز سنی، انہوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے گھر کے لیے رو رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے غلام! تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں بتا دو کہ پیسہ اور گھر سب ان کے لیے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یــا لهف نفســی علـی مـال أفـرقـه
عـلـى الـمـقـلـيـن مـن اهـل الـمروت

”میرا نفس اس مال کے لیے حسرت کرتا ہے جسے پا کر میں ان لوگوں پر خرچ کروں جو صاحب مروت ہیں لیکن کم مال والے ہیں۔“ ❸

❶ بيهقي شعب الايمان، صحيح الجامع: ٣٧٦.

❷ اخرجه ابو شيخ في الثواب، صحيح الجامع رقم: ٣٣٥٨.

❸ ديوان شافعي: ٤٠.

ان اعتذاری الی من جاء یسألنی
مالیس عندی لمن احدی المصیبات

''میرا اعذران لوگوں سے ہے جو میرے پاس ایسی چیز مانگنے آتے ہیں جو میرے پاس نہیں میرے لیے ایک مصیبت ہے۔''[1]

صدقہ اور خرچ کرنے کے آداب:

صدقہ وخیرات کرنے کے کچھ آداب ہیں جن کا خیال رکھنا ایک مومن کے لیے ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت اور ثواب دے، ان میں سے بعض آداب یہ ہیں۔

۱۔ بالکل حلال مال سے صدقہ کیا جائے۔

۲۔ صدقہ پوشیدہ طور پر کیا جائے۔

۳۔ اپنے سب سے بہتر مال سے صدقہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: ۹۲)

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے۔''

۴۔ وہ جو بھی خرچ کردے اس کو بہت زیادہ نہ سمجھے، اگرچہ وہ زیادہ ہو، اس لیے کہ پوری دنیا متاع قلیل ہے۔

۵۔ وہ خوشی سے دے۔

۶۔ وہ اس سے صرف اللہ کی رضا چاہے۔

۷۔ اپنا صدقہ صحیح جگہ دے مثلاً کسی متقی آدمی کو دے، جسے اس مال سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد ملے یا ایسے نیک آدمی کو دے جو کثیر العیال ہو اور رشتہ دار ہو۔

۸۔ وہ احسان نہ جتائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ (بقرة: ۲۶۳)

[1] دیوان شافعی: ۴۰۔

''تم اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل مت کرو۔''

صدقہ کرنے والا یہ حدیث یاد رکھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں پر قسم کھائی گئی ہے:

ایک یہ کہ صدقہ کرنے سے کبھی مال کم نہیں ہوگا، تم صدقہ کرو۔

دوسرا یہ کہ جو شخص اپنے اوپر ظلم کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے، پس تم معاف کر دیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری عزت بڑھائے گا۔

تیسرا یہ کہ جو شخص اپنے لیے مانگنے کا دروازہ کھولے گا اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دے گا۔ [1]

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے تم کو جو مال دیا ہے اس میں سے خرچ کرنے سے تمہارے بقیہ مال میں برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا، تمہارے مریض کو شفا دے گا اور تمہارے لیے بڑا اجر وثواب ہے، تم اس وقت مامون رہو گے جب لوگ ڈرتے ہوں گے اور تم اس وقت خوش رہو گے جب لوگ ڈرتے ہوں گے اور تم اس وقت خوش رہو گے جب لوگ ڈرتے ہوں گے اور تم اس وقت خوش رہو گے جب لوگ رنجیدہ ہوں گے۔

---

[1] صحيح الجامع رقم: ٣٠٢٥.

حلال مال کمانا اور مشتبہ چیزوں سے بچنا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ حلال روزی کھائیں اور جن چیزوں کے بارے میں شبہ ہو ان سے بچیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس چیز کا حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا ہے۔ اس نے رسولوں سے فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّي بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ (مؤمنون: ۵۱)

"اے پیغمبر! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔"

اور فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (بقرہ: ۲۶۷)

"اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں، وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے، اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کی غذا حرام ہے، پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (مسلم، ترمذی)

شاعر کہتا ہے:

قليل المال تصلحه فيبقى
والا يبقى الكثير مع الفساد

"تھوڑا مال جس کی تم اصلاح کرو باقی رہتا ہے اور فساد کے ساتھ کثیر مال باقی نہیں رہتا۔"

لحفظ المال أیسر من سؤال
وضرب فی البلاد بغیر زاد

"مال کی حفاظت کرنا سوال کرنے اور بغیر توشہ کے سفر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔"

سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں کہ بندہ ایمان کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کے اندر چار خصلتیں نہ ہو جائیں، وہ فرائض کو سنت کے ساتھ ادا کرے، حلال چیزیں تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ کھائے، اپنے ظاہر و باطن سے منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرے اور اس موت تک صبر کرے۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ جس نے حرام کھایا اس کے اعضاء اس کی نافرمانی کریں گے، خواہ وہ چاہے، خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو، اور جس کا کھانا حلال ہے، اس کے اعضاء اس کی اطاعت کریں گے اور اسے اچھے کاموں کی توفیق ملے گی۔

رزق حلال کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے:

ان الحیاۃ مؤراع فازرع بها ماشئت تحصد
والناس لا یبقی سوی آثارهم والعین تفقد
والمال ان اصلحته یصلح وان تفسده یفسد

"زندگی ایک کھیتی ہے پس جو کاٹنا چاہتے ہو اسے اس میں بوؤ، لوگوں کے صرف آثار باقی رہ جائیں گے اور آنکھ انہیں کھو دے گی۔"

مال کو اگر اچھے طریقے سے رکھو گے وہ اچھی طرح تمہارے پاس رہے گا اور اگر خراب کرو گے تو وہ خراب ہو جائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشتبہ چیزوں سے بچنا اور حلال روزی کھانا برکت لانے والی چیزوں میں سے ایک ہے اور اس سے دعا قبول ہوتی ہے۔

حسن سلوک، صلہ رحمی، نرمی اور اچھا اخلاق

اقرباء کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی مدد مسلمانوں پر واجب ہے، خواہ ان سے تکلیف ہی کیوں نہ پہنچتی ہو، شریعت میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے اور رشتہ منقطع کرنے اور بدسلوکی سے منع کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں بہت سی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ﴾ (اسراء : ٢٦)

"اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو۔"

ایک جگہ ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ (رعد : ٢١)

"اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔"

حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی اور اچھا اخلاق، افضل اعمال میں سے ہے اور اس سے عمر اور روزی میں برکت ہوتی ہے۔

عمرو بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی مال میں زیادتی کرتی ہے، خاندان میں محبت بڑھاتی ہے اور موت کو موخر کرتی ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی عمر دراز کرتی ہے اور پوشیدہ صدقہ رب کے غضب کو بجھاتا ہے۔ [2]

---

[1] طبرانی، صحیح الجامع : ٣٧٨٦.

[2] اخرجه القضاعی ، صحیح الجامع ٣٧٦٦، والسلسلة الصحيحة : ٥١٩.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی حسن خلق اور حسن جوار (یعنی پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک) گھروں کو آباد رکھتے ہیں اور عمر بڑھاتے ہیں۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھلائی کے کام برائی کی جگہوں سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ صدقہ رب کی غضب کو بجھاتا ہے، اور صلہ رحمی عمر دراز کرتی ہے اور جو دنیا میں اہل معروف ہیں وہ آخرت میں بھی اہل منکر ہیں۔ ❷

عمر میں زیادتی کی دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ یہ کنایہ ہے اور اس سے عمر میں برکت مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے اطاعت کی توفیق ہوگی وہ اپنا وقت ایسی چیزوں میں لگائے گا جو اس کو آخرت میں فائدہ پہنچائیں اور لایعنی کام میں اپنا وقت ضائع نہیں کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ صلہ رحمی اطاعت کی توفیق کا سبب بنتی ہے، معصیت سے بچاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی آدمی کا ذکر خیر باقی رہتا ہے، گویا کہ وہ مرا ہی نہیں، خاص طور سے اسے ایسے علم کی توفیق ہوتی ہے جس سے اس کے بعد کے لوگ فائدہ اٹھائیں اور صدقہ جاریہ کی توفیق ہوتی ہے اور صالح اولاد حاصل ہوتی ہے۔ (جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرتے ہیں) دوسرے یہ کہ یہاں حقیقی معنی مراد ہے اور عمر کی زیادتی ہوتی ہے گویا کہ فرشتے سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی عمر مثلاً سو سال ہوگی اگر اس نے صلہ رحمی کی تو ساٹھ سال ہوگی، اگر اس نے قطع رحمی کی، اور اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں کرے گا۔ پس جو اللہ کے علم میں ہے وہ آگے پیچھے نہیں ہوتا ہے اور فرشتے کے علم میں ہے اس میں کمی وزیادتی ممکن ہے، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ (رعد: ۳۹)

"اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے۔"

جعفر بن محمد نے کہا ہے کہ صلہ رحمی قیامت کے دن حساب کو آسان بنادے گی۔ پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

❶ احمد، بیهقی، صحیح الجامع: ۳۷۶۷۔ ❷ طبرانی فی الاوسط، صحیح الجامع ۳۷۹۶۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ (رعد : ۲۱)

''اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔''

ایک دیہاتی نے صلہ رحمی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ عمر دراز کرتی ہے، اس سے رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور خاندان میں محبت بڑھتی ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صلہ رحمی بقاء ہے اور قطع رحمی فناء ہے۔ [1]

پس مومن کے اوپر جن آداب کو اختیار کرنا لازم ہے، ان میں ایک صلہ رحمی بھی ہے، وہ اس کے ذریعے اللہ کی رضا اور دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسے صلہ رحمی ہر حال میں اختیار کرنا چاہیے اور اس شخص سے بھی اپنا رشتہ جوڑے رکھنا چاہیے جو اس سے اپنا رشتہ منقطع کرنا چاہتا ہے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہیے ہیں۔ ایک مسلمان کو ان مذکورہ چیزوں کو اپنا شعار اور نصب العین بنانا چاہیے:

۱۔ صلہ رحمی پر آمادہ کرنا اور رشتہ داروں پر مہربانی کرنا۔
۲۔ قطع رحمی سے ڈرنا کیونکہ وہ اللہ کے غضب کا سبب بنتا ہے۔
۳۔ صلہ رحمی سے عمر اور روزی میں برکت ہوتی ہے۔
۴۔ اسلام نے سماج کے افراد پر توجہ دی ہے اور اچھے تعلقات قائم کرنے پر زور دیا ہے۔
۵۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا افضل اعمال میں سے ہے۔

لہٰذا جو شخص یہ چاہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اس کی روزی اور اولاد میں برکت ہو اور اس کا گھر آباد ہے اور اللہ کی رضا حاصل ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے، اپنے اخلاق کو اچھا بنانا چاہیے اور ہر حال میں نرمی اختیار کرنا چاہیے۔

---

[1] محاضرات الا دباء: ۱/۳۵۷.

طلب علم ورزق کے لیے صبح سویرے نکلنا

رسول اللہ ﷺ نے علم حاصل کرنے اور روزی تلاش کرنے کے لیے صبح سویرے اٹھنے اور گھر سے نکلنے پر زور دیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ اس میں برکت ہے، آپ ﷺ نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بورك لامتي في بكورها)) ❶

"میری امت کے لیے صبح سویرے نکلنے میں برکت رکھی گئی ہے۔"

صخر غامدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اللهم بارك لامتي في بكورها))

"اے اللہ تو میرے امت کو اس کے صبح سویرے نکلنے میں برکت دے۔"

وہ کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ جب کوئی لشکر بھیجتے تو دن کے شروع حصہ میں بھیجتے، صخر تاجر تھے، وہ مالدار ہو گئے۔" ❷

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے، اس وقت میں شرمائی ہوئی لیٹی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اپنے پیر سے مجھے ہلایا، پھر فرمایا: اے میری بیٹی اٹھو اور اپنے رب کا رزق دیکھو اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا رزق طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان تقسیم کرتا ہے۔ ❸

---

❶ طبراني في الاوسط ـ صحيح الجامع رقم: ٢٨٤١.

❷ احمد، ابن ماجه، ابو داؤد، ترمذی، وحسنه وقال المنذري رواه جماعة من الصحابه وبعض اسانيده جيدة وبعضها حسن.

❸ بيهقي، الترغيب والترهيب: ٢/٥٣٠.

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق تلاش کرنے کے لیے تم صبح سویرے نکلو، اس لیے کہ صبح نکلنے میں برکت اور کامیابی ہے۔ ❶

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو صبح سویرے اٹھنے اور کام کے لیے نکلنے پر ابھارا ہے:

۱۔ جو شخص باد نسیم میں سانس لے اور صبح سویرے کام کے لیے نکلے اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی ہے۔

۲۔ اس وقت جو کام شروع کیا جائے وہ اچھی طرح ہوتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے اور لوگوں میں رائج ہو جاتا ہے اور کام کرنے والا سعادت مند بن جاتا ہے اور مالدار ہو جاتا ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ ہر چیز صبح سویرے کرنے میں کامیابی، نفع اور ترقی ہے اور صبح سویرے نکلنے میں برکت ہے، اول نہار کا مطلب صبح سویرے کا وقت ہے، کہا جاتا ہے (بكر فلان بكوراً وبكر وابتكر و باكر مباكرة) اور اس میں جلدی کرنے کے معنی کا تصور ہے، کیونکہ وہ دن کے سارے اوقات سے پہلے ہے، پھر جس معاملے میں بھی جلدی کی جائے اس پر بکر کا اطلاق ہونے لگا، جیسے شاعر کہتا ہے:

بكر تلومك بعد وهن في الندى

بل عليك ملامتي وعتابي

"سخاوت میں سستی برتنے پر تم نے اپنے آپ کو ملامت کرنے میں جلدی کی، تمہیں کو مجھے ملامت کرنا چاہیے تھا اور مجھے عتاب کرنا چاہیے تھا۔"

۴۔ جو دیر تک سوتا ہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے اس پر اللہ غفلت مسلط کر دیتا ہے، ان کی سوچ و فکر سست پڑ جاتی ہے، اس کی طبیعت بجھی بجھی سی رہتی ہے، اس کی تدبیر کام

---

❶ بزار، طبرانی، في الا وسط، الترهيب: ۲/۵۳۰.

نہیں کرتی ،اس کا کام دیر میں ہوتا ہے، وہ بادِ نسیم سے محروم ہو جاتا ہے، اور اس کی روزی صبح سونے کی وجہ سے کشادہ نہیں ہوتی۔

۵۔ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بیدار کیا تاکہ اپنی امت کو صبح سویرے اٹھنے اور کام پر نکلنے کی اہمیت بتا دیں، وہ صبح کا استقبال ہنستے ہوئے انشراح صدر کے ساتھ اور تازہ دم ہو کر کریں۔

٦۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دیر تک سونے اور جلدی نہ اٹھنے سے منع کیا ہے تاکہ مسلمان کام کریں، جیسے اماموں نے کہا ہے کہ لوگ چار طرح کے ہوتے ہیں: امراء و حکام، تاجر، اہل صنعت اور کھیتی کرنے والے پس جو شخص ان میں سے نہیں ہے وہ لوگوں پر بوجھ ہے۔❶

اس طرح یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو شخص اپنے علم اور اپنی روزی میں برکت و کامیابی چاہے وہ صبح سویرے کام کے لیے نکلے، اس لیے کہ صبح نکلنے میں برکت ہے۔

❶ الترغيب و الترهيب تحقيق الشيخ مصطفى عماره: ۲/ ۵۳۰.

کثرت سے اللہ کا شکر ادا کرنا اور ہمیشہ دعا کرتے رہنا

بعض تابعین کا کہنا ہے کہ جس کو بہت غم ہو وہ استغفار کرے اور جس کو فقر لاحق ہو وہ کثرت سے ((لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)) پڑھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم : ۸)

''اگر تم شکر گزار کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس بندے کو اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق دے اسے زیادتی سے محروم نہیں کرتا ہے۔''

ایک حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ بندہ جب کھائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جب پیئے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔''

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے دل میں اللہ کی دی ہوئی نعمت پر خوشی کا اظہار کرو، پھر اسی کے مطابق اپنے اعضاء، اپنی زبان اور اپنے دل سے عمل کرو۔ اعضاء کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کرو اور معاصی سے بچو، مثلاً آنکھ کا شکر یہ ہے کہ مومن کا جو عیب دیکھو اسے چھپاؤ اور آنکھوں سے بری چیزوں اور گناہ کے کاموں کو نہ دیکھو، کان کا شکر یہ ہے کہ مومن کا جو عیب سنو اسے چھپاؤ اور کان سے بری چیزیں نہ سنو بلکہ صرف مباح چیزیں سنو، اسی طرح سارے اعضاء کا شکر ہے۔

دل کا شکر یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ کی یاد میں لگا رہے، اللہ سے ڈرے جو اسے دیکھ رہا ہے اور کائنات کی خلقت کے بارے میں غور وفکر کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی حمد

کرنے پر لوگوں کو ابھارا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اس کی حمد کرتے ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ﴾ (انعام : ۱)

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ (اعراف : ۴۳)

"اور جو کچھ ان کے دلوں میں (کینہ) تھا ہم اس کو دور کردیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (یونس : ۱۰)

"ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی "سبحان اللّٰہ" اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا "السّلام علیکم" اور ان کی آخری بات یہ ہوگی، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔"

حمد وشکر انبیاء کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ (ابراھیم : ۳۹)

"اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق علیہما السلام عطا فرمائے، کچھ شک نہیں کہ میرا (پالنہار) اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔"

نبی ﷺ نے ہمیشہ دعا کرنے پر لوگوں کو ابھارا ہے، آپ ﷺ فرمایا ہے کہ آدمی صبح کے وقت اور شام کے وقت یہ دعا پڑھے:

((اللھم انی اعوذبك من الھم والحزن ، واعوذ بك من العجز والکسل ، واعوذ بك من الجبن والبخل ، واعوذبك من غلبة الدین وقھر الرجال))

"اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں رنج وغم سے، پناہ چاہتا ہوں عاجزی اور سستی سے، پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور بخیلی سے پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے اور پناہ چاہتا ہوں دشمنوں کے غلبہ سے۔"

پس جس نے یہ دعا پڑھی اس کا رنج وغم اور قرض ختم ہو جائے گا اگرچہ وہ ایک بڑے پہاڑ کے مثل کیوں نہ ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حمد وشکر اور دعا پر مداوت ہر قسم کے رنج وغم اور فقر وفاقہ کو دور کر دیتا ہے، اس سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے اور آدمی کے ہر کام میں برکت ہوتی ہے۔

تنگ دست پر نرمی کرنا، مسلمانوں کی مدد کرنا
مخلوق پر رحم کھانا اور مظلوم کی مدد کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (بقرہ : ۲۸۰)

"اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہئے اور صدقہ کرو تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔"

قرض دینے والے کو بہت ثواب ملتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر دن اس کے دوگنا اس کے لیے صدقہ لکھا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان ایک ایسا روشن چراغ ہے جس سے لاکھوں انسان ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ قرض کی ادائیگی میں اگر تنگ دست کو مہلت دی جائے تو اس سے دعا قبول ہوتی ہے، تکلیف دور ہوتی ہے، توبہ قبول ہوتی ہے اور گناہ مٹائے جاتے ہیں اور آدمی جہنم کی آگ سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی نے کبھی کوئی بھلا کام نہیں کیا تھا وہ لوگوں کو قرض دیتا تھا، وہ اپنے قاصد سے کہتا کہ قرض دار جو آسانی سے ادا کر جائے اس کو لے لو اور جس کا ادا کرنا اس کے لیے دشوار ہو، اسے چھوڑ دو اور درگزر کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو درگزر کرے، جب اس کا انتقال ہو گیا تو

اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی کوئی نیکی کی ہے، اس نے کہا کہ نہیں سوائے اس کے کہ میرے پاس ایک غلام تھا، جب میں اس کو قرض وصول کرنے کے لیے بھیجتا تو اس سے کہتا کہ قرض دار جو آسانی سے دے سکے اسے لے لو اور جس کا ادا کرنا اس کے لیے دشوار ہو اسے چھوڑ دو، اور درگزر کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو درگزر کردے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے تمہاری خطاؤں کو درگزر کردیا۔'' ❶

حضرت حذیفہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان میں ایک آدمی کے پاس ملک الموت آئے تاکہ اس کی روح قبض کریں، انہوں نے اس سے کہا کہ کیا تم نے کوئی نیکی کی ہے، اس نے کہا مجھے نہیں معلوم، فرشتے نے کہا دھیان دو، اس نے کہا مجھے کچھ نہیں معلوم سوائے اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا اور ان کے ساتھ معاملہ کرتا تھا تو تنگ دست کو مہلت دیتا اور خوشحال سے درگزر کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کردیا۔ ❷

حضرت ابو یسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی تنگ دست کو قرض ادا کرنے میں مہلت دی یا اس کا کچھ قرض معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ اس دن اس کو اپنا سایہ عطا کرے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ❸

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی تنگ دست کو قرض ادائیگی میں مہلت دی تو اس کے لیے اسی کے مثل صدقہ ہر دن لکھا جاتا ہے قبل اس کہ ادائیگی میں مہلت دی تو اس کے لیے اسی کے مثل صدقہ ہر دن لکھا جاتا ہے قبل اس کے کہ ادائیگی کا وقت پہنچے، پھر جب ادائیگی کا وقت ہو جائے اور اس کو مہات تو اس کے لیے اس کے دوگنا صدقہ ہر روز لکھا جاتا ہے۔ ❹

❶ نسائی، ابن حبان، حاکم، صحیح الجامع رقم: ۲۰۷۸.

❷ احمد، ترمذی، بیهقی، صحیح الجامع.

❸ احمد، ترمذی، صحیح الجامع رقم: ۶۱۰۷

❹ احمد، بیهقی، حاکم، صحیح الجامع رقم: ۶۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تنگ دست پر نرمی برتے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر نرمی برتے گا۔ ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف کسی مسلمان سے دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف اس سے دور کر دے گا اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی برتے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی برتے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا اور اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے اور جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس میں علم تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی وجہ سے جنت کا راستہ آسان بنا دے گا۔ اور جب کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھا ہوں اور اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اور اسے آپس میں پڑھیں تو ان کے اوپر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان لوگوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) اور جو اپنے عمل میں سست ہو اس کو اس کا نسب تیز نہیں بنا سکتا۔ ❷

میرے بھائی! یہ جان لو کہ تمہارا تنگ دست پر مہربانی ہونا، مسلمانوں کی ضرورتوں کو پوری کرنا، مظلوم کی مدد کرنا اور کمزوروں پر رحم کرنا آسان کاموں میں سے ہے، لیکن اللہ کے نزدیک بہت بڑے کاموں میں سے ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر دنیا و آخرت میں آسانی برتے گا، تمہیں برکت دے گا اور اس دن تمہیں اپنا سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔

---

❶ مسلم ، ابن حبان ، بیهقی ، صحیح الجامع رقم: ٦٦١٤.

❷ احمد ، ابو داؤد ، ترمذی ، بیهقی مسلم ، صحیح الجامع: ٦٥٧٧.

بیع میں سچ بولنا

تم اگر خرید وفروخت میں سچ بولو گے تو جنت میں داخل ہو گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے گا۔

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں، اگر دونوں سچ بولیں گے اور اصل حال بیان کر دیں گے تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر اصل حال چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو ان دونوں کے بیع کی برکت مٹ جائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر دونوں نے شرط پوری کی تو برکت حاصل ہوگی اور وہ شرط سچ بولنا اور حقیقت حال بتانا ہے اور اگر یہ شرط پوری نہیں کی بلکہ جھوٹ بولے اور حقیقت حال کو چھپایا تو اس کی برکت مٹ جائے گی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک نے شرط پوری کی اور دوسرے نے شرط پوری نہیں کی تو کیا شرط پوری کرنے والے کو برکت ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا ظاہری مفہوم اس کا متقاضی ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے کی نحوست اس کو بھی لگ جائے اور اس سامان میں برکت نہ ہو۔ بہر حال سچ بولنے والے اور حقیقت حال بتانے والے کو اجر ملے گا اور جھوٹ بولنے والے اور حقیقت چھپانے والے کو گناہ ملے گا۔ حدیث میں ہے کہ دنیا کا حصول صرف عمل صالح سے ہوتا ہے اور معاصی کی نحوست دنیا و آخرت کے خیر کو ختم کر دیتی ہے۔

سچ (صدق) کی اہمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اس کی طرف کئی چیزوں کی اضافت رکھی گئی ہے۔ مثلاً: مدخل صدق، مخرج صدق، مقعد صدق،

لسان صدق ، قدم صدق ،

ان چیزوں میں صدق سے مراد وہی حقیقت ثابت ہے جو اللہ تعالیٰ سے جڑی ہوئی ہے جو کہ اچھا عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتی۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ (اسراء : ۸۰)

''اور دعا کیا کریں کہ اے میرے رب مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتی ہے اور جھوٹ روزی کو کم کر دیتا ہے اور دعا تقدیر کو لوٹا دیتی ہے۔ ❶

امام ابن قیم رحمہ اللہ صدق کے معانی وغرض وغایت کو اپنی کتاب ''مدارج السالکین'' میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صدق سے سالکین کے سارے منازل اور صحیح راستے نکلتے ہیں جن پر اگر کوئی نہ چلا تو ہلاک ہو گیا۔ اسی سے اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان فرق کیا جاتا ہے، اسی سے اہل جنہم کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ یہ زمین میں اللہ کی تلوار ہے، اسے جس چیز پر بھی رکھا جائے اس کو کاٹ دیتا ہے اور باطل کو پچھاڑ دیتا ہے۔ جو اس کے ذریعے حملہ کرے اس کا حملہ کارگر ہوتا ہے اور جو سچ بولتا ہے اس کی بات اس کے خصم پر غالب آ جاتی ہے۔ وہ اعمال کی روح ہے، احوال کا محل ہے اور ہولناکیوں کو زیر کرنے پر اکسانے والا ہے، یہ وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر لوگ اللہ رب العالمین تک پہنچتے ہیں۔ یہ دین کی عمارت کی بنیاد ہے اور یقین کے تراوز کی ڈنڈی ہے، اس کا درجہ نبوت کے فوراً بعد ہے جو کہ سارے جہانوں کے درجات سے بلند ہے۔ جنت میں انبیاء کے مسکن سے چشمے اور نہریں صدیقین کے مسکن تک بہتی ہیں، اسی طرح ان کے دلوں سے صدیقین کے دلوں تک ایک معین اور متصل راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ کا حکم دینے کے فوراً بعد سچ بولنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ

---

❶ الترغیب والترھیب ۲/۵۹۶.

فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (توبہ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اسے دو طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے، ایک آدمی خود سچ بولے اور دوسرے یہ کہ سچ بولنے والوں کے صف میں رہے، ان کی تائید کرے، ان کی طرف سے دفاع کرے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ سچ بولنا خیر کا سبب اور برکت کی کنجی ہے۔

صدق جس طرح قول میں ہے اسی طرح افعال میں بھی ہے، افعال میں صدق یہ ہے کہ افعال کو کما حقہ اخلاص و استقامت کے ساتھ ادا کیا جائے، مثلاً: بندگی میں صدق یہ ہے کہ اس میں یقین و احسان ہو، قتال میں صدق یہ ہے کہ اس میں نیت خالص ہو۔ ڈیوٹی کی ادائیگی میں صدق یہ ہے کہ آدمی اس میں کسی قسم کی کوتاہی و غفلت نہ کرے۔

اس اعتبار سے صدق کی کئی قسمیں ہیں، قول میں صدق، نیت میں صدق، عزم میں صدق، عزم کو پورا کرنے میں صدق اور دین کے سارے مقام، عزم میں صدق، عزم کو پورا کرنے میں صدق اور دین کے سارے مقامات کو حاصل کرنے میں صدق، اس کی روشنی میں ہم صدق کو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سمجھ سکتے ہیں:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (احزاب: ۲۳)

''مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

ایک شاعر کہتا ہے:

عود لسانك قول الصدق تحظ به
ان اللسان لما عورت محتار

"تم اپنی زبان کو سچ بولنے کا عادی بناؤ، تم اس سے نیک بخت بنو گے۔ زبان کو جس چیز کا تم عادی بناؤ گے وہ عادی بن جائے گی۔

حدیث کی روشنی میں سچ بولنے کے ثمرات اور جھوٹ بولنے کے نقصانات:

۱۔ سچائی نجات دلاتی ہے اور اچھے خاتمہ کی طرف بلاتی ہے، آدمی اس کے ذریعہ لوگوں میں مقبول ہو جاتا ہے اور مسلمان کا نور بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ سچ بولنے والا جنت میں داخل ہوگا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ آدمی کو فطرت سلیم، کامل خصلتوں اور مستقیم راہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

۵۔ سچ بولنے والا نیک لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

۶۔ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

۷۔ جھوٹا آدمی فساد کی طرف مائل ہوتا ہے، وہ جرم، معاصی کو پسند کرتا ہے۔

۸۔ زمین و آسمان میں رہنے والے لوگوں کے دلوں میں اسی کے لیے محبت ڈال دی جاتی ہے۔

۹۔ سچا آدمی ہر خیر کا مستحق ہے۔

۱۰۔ جھوٹا آدمی جتنا زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا دل اتنا زیادہ سیاہ ہوتا جاتا ہے اور نفاق اور دھوکا بازی کی علامتیں اس کے چہرہ پر نظر آتی ہیں۔

۱۱۔ جھوٹے آدمی کا ایمان ناقص اور ضعیف ہوتا ہے۔

۱۲۔ جھوٹے آدمی کی روزی تنگ ہوتی ہے، اس کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور اس کے گھر کے لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ جھوٹے آدمی پر اللہ تعالیٰ غصہ ہوگا، اسے اپنے دیدار سے محروم کر دے گا، اور اسے اپنا سایہ نہیں دے گا۔

اشجع صیدلانی کہتے ہیں کہ ایک آدمی میرے پاس سے گزرا، اس نے میرے پاس کم لوگوں کو دیکھا اور دوسروں کے پاس زیادہ لوگوں کو دیکھا، انہوں نے کہا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری تجارت زیادہ ہو اور تمہارا حال بہتر ہو۔ میں نے کہا ہاں، انہوں نے کہا پھر تم سچ بولو اور ایک سال صبر کرو، اس لیے کہ سچائی اس بات سے شرمائے گی کہ وہ تمہارے پاس آنے میں ایک سال سے زیادہ تاخیر کرے، چنانچہ میں نے ایسا کیا پھر تو میری دکان کے پاس بھیڑ بڑھ گئی۔ پھر وہ میرے پاس سے گزرے، انہوں نے دیکھا کہ میری دکان کے پاس کافی لوگ ہیں، انہوں نے کہا کہ تم چوکنا رہو اور سچ بولنے کی وجہ سے اگر تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ آج فائدہ کم ملے گا تو اس خیال کو دور کر دو کیونکہ اگر تم جھوٹ کی طرف لوٹو گے تو تمہارے کاروبار اور مندا ہو جائے گا۔ میں ان کی نصیحت کو پکڑے رہا، پھر وہ چند سالوں کے بعد میرے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ کم نفع کماؤ اور گاہک زیادہ بناؤ، یہ اس بات سے بہتر ہے کہ زیادہ نفع کماؤ اور گاہک زیادہ بناؤ، یہ اس بات سے بہتر ہے کہ زیادہ نفع کماؤ اور گاہک کم ہوں۔ مثل مشہور ہے کہ تم صحت برقرار رکھو تمہیں کام ملے گا، اگر میں یہ قسم کھالیتا کہ یہ نبی کا کلمہ ہے تو مجھے امید ہے کہ مجھے قسم نہیں توڑنا پڑتی، پھر اس کے بعد میں نے ان کو نہیں دیکھا، اللہ ان پر زندہ و مردہ دونوں حالتوں میں رحم کرے۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ سچا تاجر نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ رہے گا۔

میرے بھائی! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ آخرت میں انبیاء و صدیقین کے ساتھ رہو اور دنیا میں برکت اور روزی میں کشادگی ہو تو تم بیع میں سچ بولو۔

---

[1] محاضرات الادباء ١/٤٦٦.

روزی تلاش کرنے کے لیے تجارت اور سفر کرنا

میرے مسلمان بھائی! یہ جان لو کہ برکت صرف عمل صالح سے حاصل ہوگی اور روزی کمانے کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ (ملك: ١٥)

''تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کا رزق کھاؤ پیو۔''

ایک جگہ ہے:

﴿وَآخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (مزمل: ٢٠)

''بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے۔''

ایک جگہ ہے:

﴿فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (جمعه: ١٠)

''تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔''

حکیم بن حزام کی حدیث میں بیع میں صدق کی اہمیت کا بیان کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے سے برکت آتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ تم سفر کرو اور اپنے سفر میں برکت کی اُمید رکھو، اس لیے کہ میں نے سفر کیا تو میرے پاس وہ چیزیں آئیں جن کی مجھے امید بھی نہیں تھی۔

اسی معنی میں یہ شعر بھی ہیں:

تغرب عن الا وطان فی طلب العلا
سافر ففی الا سفار خمس فوائد

”بلندی وشرافت تلاش کرنے کے لیے سفر کرو، تم سفر کرو اس لیے کہ سفر میں پانچ فائدے ہیں۔“

تفرج هم واكتساب معيشة
وعلم و آداب وصحبة ماجد

”اس سے رنج وغم دور ہوتا ہے، رزق کمایا جاتا ہے، علم وادب حاصل کیا جاتا ہے اور بزرگی والے کی صحبت حاصل ہوتی ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص روزی تلاش کرنے میں پیچھے نہ رہے اور گھر میں بیٹھ کر یونہی نہ کہے، اے اللہ! تو مجھے روزی دے، اس لیے کہ تم جانتے ہو کہ آسمان سونا چاندی نہیں برسائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ آدمی کو کام سے خالی دیکھوں، نہ وہ اپنی دنیا کے کام میں مشغول ہو اور نہ آخرت کے کام میں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے اور یہ کہے کہ میں کچھ نہیں کروں گا اور میری روزی میرے پاس آئے گی، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ آدمی جاہل ہے، کیا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میری روزی میرے نیزے کے سائے میں رکھی گئی ہے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بحر و بر میں تجارت کرتے تھے، وہ اپنے کھجور کے باغات میں کام کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی اقتدا کی جائے۔

کہا جاتا ہے کہ تجارت میں خیر و برکت چھ چیزوں سے ہوتی ہے۔ تاجر اگر بیچے تو اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر خریدے تو اس کی مذمت نہ کی جائے اور اگر اس کے اوپر قرض ہو تو وہ آسانی سے ادا کر دے اور اگر اس کا قرض کسی پر ہے تو اچھی طرح اس کا تقاضا کرے اور قسم کھانے اور جھوٹ بولنے سے بچے۔

---

[1] احمد من حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ ٢/ ٥٠-٩٢.

مبرد کہتے ہیں کہ اگر فقر ہے تو وطن میں بھی آدمی سفر میں ہے اور اگر مال ہے تو سفر میں بھی آدمی وطن میں ہے اور جس ملک میں بھی ہریالی ہے وہ میرا ملک ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حلال روزی کے لیے کوشش کرنا برکت لانے والی ہے، پس تم حرکت کرو، اس لیے کہ حرکت میں برکت ہے۔

بغیر لالچ کے مال لینا برکت کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ نے جو روزی دی ہے اس پر قانع رہنا ایمان کی دلیل ہے اور مال لینے میں حرص وطمع نہ کرنا موجب برکت ہے۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال مانگا، آپ نے مجھے دیا، میں نے پھر مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، میں نے پھر مانگا، پھر آپ نے دیا، پھر فرمایا: اے حکیم! یہ دنیا کا مال بہت ہرا بھرا اور شیریں ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص وطمع کے لے تو اس کے لیے اس میں برکت ہوگی اور جو اس کو حرص وطمع کے ساتھ لے گا اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوگی۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نفس کی سخاوت کا مطلب یہ ہے کہ لالچ واحراص کے بغیر کوئی مال حاصل کیا جائے، یعنی سوال کیے بغیر جس نے اس کو حاصل کیا۔ اور اس سے دینے والا بھی مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی وہ سخاوت نفس، یعنی انشراح صدر سے عطا کرے۔

---

[1] بخاری: ۳/۳۳۵.

شادی کرنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے

جو شخص پاک دامن بننے کے لیے شادی کرے، اللہ تعالیٰ پر اس کی مدد واجب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (نور: ۳۲)

"تم میں جو مرد عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام، لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ پر واجب ہے: ایک وہ مکاتب جو مال ادا کرنا چاہتا ہے، دوسرا وہ شخص جو پاک دامن بننے کے لیے شادی کرتا ہے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے بہتر شادی وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔ (یعنی جس میں کم سے کم خرچ ہو) (ابو داؤد، ابن حبان) کہا جاتا ہے کہ تم شادی کرو، اس لیے کہ اس سے روزی آتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ تم نکاح کے ذریعے روزی تلاش کرو۔

جس نے پاک دامنی اختیار کرنے یا صلہ رحمی کرنے کے لیے کسی عورت سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ اس کے آخرت و دنیا کے غموں کے لیے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ (اسراء: ۳۱)

''ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔''

جس عورت کا مہر کم ہو وہ بہتر عورت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں میں سب سے زیادہ برکت والی وہ عورت ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے کم مہر والی ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''برکت عورت، گھوڑے اور گھر میں ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ برکت والی شادی وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔'' [1]

کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کا مہر بہت زیادہ نہ مقرر کرو، اس لیے کہ اگر یہ دنیا میں باعث عزت ہوتی یا اس سے تقویٰ حاصل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے بیویوں کا مہر زیادہ رکھتے، آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کا مہر اور اپنی بچیوں میں سے کسی بچی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ اور یہ ۴۸۰ درہم ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ہر چیز میں آسانی مطلوب ہے، خاص طور سے شادی میں، شادی میں اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] احمد، ٦/٨٣، ١٤٥.

کھجور کا درخت اور اس کا پھل بابرکت ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں کھجور کا گابھا کوئی لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں ایک درخت مسلمان آدمی کی طرح برکت والا ہے (کون سا ہے بتاؤ؟) میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، میں کہنے والا تھا کہ اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کھجور کا درخت ہے، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ دس آدمی جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان میں میں سب سے کم عمر ہوں، جس کی وجہ سے میں خاموش رہا، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کھجور کی برکت اس کے تمام اجزاء میں موجود ہے اور اس کے تمام احوال میں باقی رہنے والا ہے، اس کے نکلنے سے لے کر سوکھنے کے وقت تک اس کی کئی قسمیں کھائی جاتی ہیں، پھر اس کے بعد اس کے تمام اجزاء سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی گٹھلی جانوروں کے چارہ میں استعمال کی جاتی ہے، اور اس کے پتوں کی رسی بنائی جاتی ہے، اس کے علاوہ بھی اس سے دوسرے فائدے ہیں جو مخفی نہیں ہیں۔

میرے بھائی! تم کھجور کا پھل کھاؤ اور اس کا درخت اپنے گھر میں لگاؤ تا کہ تمہیں برکت حاصل ہو۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الا طعمۃ.

بکری، چوپایہ اور گھوڑا پالنا

اور بکری کے باڑہ میں نماز پڑھنا برکت کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً﴾ (نحل: ٨)

''گھوڑوں، خچروں، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔''

ایک جگہ گھوڑے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ (انفال: ٦٠)

''تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔''

عون المعبود کے مصنف کہتے ہیں کہ غایۃ المقصود میں ہے کہ معنی یہ ہے کہ بکری سرکش نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کے اندر شر ہوتا ہے، وہ ایک کمزور جانور ہے، وہ جنت کے چوپایوں میں سے ہے، اس کے اندر سکینت پائی جاتی ہے، وہ نمازی کو تکلیف نہیں دیتی اور نہ اس کی نماز قطع کرتی ہے، وہ برکت والی ہے، پس اس کے باڑہ میں تم نماز پڑھو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اونٹ کی بیٹھنے کی جگہوں میں نماز نہ پڑھو، اس لیے کہ وہ شیاطین میں سے ہے (یعنی وہ سرکش ہوتا ہے) اور بکری کے بیٹھنے کی جگہوں میں نماز پڑھو، اس لیے کہ وہ برکت ہے۔ [1]

---

[1] احمد، ابو داؤد، صحیح الجامع رقم: ٧٣٥١.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بکری کے باڑہ میں نماز پڑھو اور اس کی رینٹ پوچھ لیا کرو، اس لیے کہ وہ جنت کے چوپایوں میں سے ہے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونٹ اپنے مالک کے لیے باعث عزت ہے اور بکری برکت ہے اور خیر و برکت قیامت تک گھوڑے کی پیشانی سے باندھ دی گئی ہے۔ ❷

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ تم بکری پالو، اس لیے کہ اس میں برکت ہے۔ ❸

عروہ بارقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونٹ اپنے مالک کے لیے باعث عزت ہے اور بکری برکت ہے اور گھوڑے کی پیشانی سے خیر و برکت قیامت تک کے لیے باندھ دی گئی ہے۔ ❹

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بکری پالو، اس لیے کہ وہ شام کے وقت برکت کے ساتھ آتی ہے، اور صبح کے وقت برکت کے ساتھ جاتی ہے۔ ❺

گھوڑے کی برکت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برکت گھوڑے کی پیشانی میں ہے۔ ❻

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ برکت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں جریر نے حصین سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! برکت کیا ہے؟

---

❶ ملاحظہ ہو: سلسلة الاحاديث الصحيحة : ١١٢٨، رواه ابن عدى وبيهقى.

❷ ابن ماجه ، ابو يعلى ، سلسلة : الاحاديث الصحيحة رقم: ١٧٦٣.

❸ احمد، ابن ماجه ، صحيح الجامع: رقم ٨٢.

❹ ابن ماجه ، وفى الزوائد اسناد صحيح على شرط الشيخين.

❺ صحيح الجامع رقم: ٨٣.

❻ بخارى كتاب الجهاد ، مسلم ، احمد.

آپ ﷺ نے فرمایا: اجر اور مال غنیمت۔

خطابی کہتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو مال گھوڑا پال کر کمایا جائے وہ بہتر طریقوں میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے کی پیشانی سے قیامت تک کے لیے خیر و برکت باندھ دی گئی ہے اور گھوڑے پر خرچ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اپنی ہتھیلی خرچ کرنے کے لیے کھولے ہوئے ہو اور اسے بند نہ کرتا ہو۔ ❶

ایک حکیم سے کہا گیا ہے کہ کون سا مال اشرف ہے؟ اس نے کہا گھوڑی جس کے پیچھے گھوڑی ہو اور اس گھوڑی کے پیٹ میں بھی گھوڑی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے کی تین قسمیں ہیں: ایک گھوڑا رحمٰن کے لیے ہوتا ہے، ایک شیطان کے لیے اور ایک انسان کے لیے ہوتا ہے۔ پس جو گھوڑا جہاد کے لیے باندھا جائے اس کا چارہ، اس کی لید، اور اس کا پیشاب آدمی کے میزان عمل میں ہوگا۔ اور شیطان کا گھوڑا وہ ہے جس کو انسان باندھ کر رکھتا ہے تاکہ اسے اس سے بچہ حاصل ہو۔ وہ فقر سے بچاؤ کا سامان ہے۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سرخ و زرد رنگ والے گھوڑوں کی پیشانی میں خیر و برکت ہے۔ ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑے رکھنے والے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں، وہ گھوڑے کچھ لوگوں کے لیے باعث اجر ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے پردہ یا ڈھال ہوتے ہیں، اور کچھ لوگوں کے لیے باعث گناہ ہوتے ہیں، جن لوگوں کے لیے گھوڑا اجر کا باعث ہیں وہ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے انہیں جہاد کرنے

---

❶ طبرانی، صحیح الجامع رقم: ٣٣٤٩.

❷ احمد، صحیح الجامع رقم: ٣٣٥٠.

❸ خطیب بغدادی، صحیح الجامع: ٣٣٥١.

کے لیے باندھا اور ان کی رسی چراگاہ یا باغ میں خوب لمبا کر دیا تو جہاں تک ان کی لمبائی میں اس چراگاہ یا باغ میں وہ چریں گے اس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی اور اگر اس نے رسی توڑ دیا اور ایک یا دو چھلانگ مارا تو اس کے نشان قدم اور اس کی لید، سب اس کے لیے نیکیاں ہوں گی اور اگر وہ ندی پر جا کر خود پانی پی لے، گو مالک کی نیت پلانے کی نہ ہو، تب بھی اس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جن لوگوں کے لیے گھوڑے پردہ یا ڈھال ہوتے ہیں وہ، وہ لوگ ہیں جنھوں نے غنٰی اختیار کرنے اور مانگنے سے بچنے کے لیے گھوڑے پالے، پھر ان کی گردنوں اور پیٹھوں پر جو اللہ کا حق ہے اس کو نہیں بھولے، ایسے لوگوں کے لیے وہ گھوڑے پردہ یا ڈھال ہیں اور جن لوگوں کے لیے گھوڑے گناہ ہوتے ہیں وہ، وہ لوگ ہیں جو فخر و ریاء اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے انہیں باندھیں۔ ❶

سوادہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ایک مہار اونٹ کا حکم دیا اور مجھ سے کہا کہ اپنے لڑکوں سے کہو کہ وہ اپنے اونٹوں اور جانوروں کے تھنوں کو چھونے سے پہلے اپنے ناخن کاٹ لیا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ جانوروں کے بچوں کو دودھ نکالنے دیں، ورنہ وہ ایک سال کے اندر کمزور ہو جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے، میں نے کہا ہاں، میرے پاس مال گھوڑا، اور غلام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم گھوڑا رکھو، اس لیے کہ گھوڑے کی پیشانی سے خیر و برکت باندھی دی گئی ہے۔ ❷

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے کی پیشانی سے خیر قیامت تک کے لیے باندھ دی گئی ہے اور اس کے مالک کی اس پر مدد کی جاتی ہے، پس تم اس کی پیشانی کو چھوؤ اور اس کے لیے برکت کی دعا کرو اور اس کے گردن میں پٹہ ڈالو

---

❶ بخاری، مسلم، مالك، احمد، ترمذی، نسائی، بیهقی، صحیح الجامع رقم: ٣٣٥٢.

❷ بخاری فی التاریخ، بزار، طبرانی فی الکبیر السلسلة الصحیحة رقم: ١٩٣٢.

لیکن تانت نہ ڈالو۔ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے کی پیشانی سے خیر و برکت قیامت تک کے لیے باندھ دی گئی ہے اور اس کے مالک کی اس پر مدد کی جاتی ہے، پس تم اس کے گردن میں پٹہ ڈالو لیکن تانت نہ ڈالو۔ ❷

امراء القیس کہتا ہے:

ماطلعت شمس وماغربت

معلق بنواصی الخیل معصوب

”جب تک سورج طلوع وغروب ہوگا گھوڑے کی پیشانی سے خیر لٹکا اور بندھا رہے گا۔“

جاحظ کہتے ہیں کہ عرب سے بڑھ کر کوئی بھی قوم گھوڑے کو پسند کرنے والی اور اس کے بارے میں جاننے والی نہیں ہے، اسی لیے ہر زبان میں اور ہر جگہ عربی گھوڑا مشہور ہے۔

❶ احمد، صحیح الجامع: ٣٣٥٥.

❷ طبرانی فی الاوسط، صحیح الجامع: ٣٣٥٦.

پچھنا لگوانے میں برکت

نبی ﷺ کثرت سے پچھنا لگوایا کرتے تھے۔اور آپ نے اسے باعث برکت قرار دیا ہے۔

نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا تم کسی پچھنا لگوانے والے کو دیکھو اور اگر ہو سکے تو اسے رفیق بنالو، وہ کوئی بہت بوڑھا اور چھوٹا بچہ نہ ہو، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خالی پیٹ پچھنا لگوانا افضل ہے اور اس میں شفاء و برکت ہے، اس سے عقل بڑھتی ہے اور حافظہ قوی ہوتا ہے، پس تم اللہ کی برکت پر جمعرات کو پچھنا لگواؤ اور بدھ، جمعہ، سنیچر اور اتوار کو قصداً پچھنا نہ لگواؤ اور پیر اور منگل کو پچھنا لگواؤ، اس کے لیے کہ جس دن انہیں بیماری میں مبتلا کیا و، بدھ کا دن تھا اور جذام و برص کی بیماری بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں شروع ہوتی ہے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میں، میں (فرشتوں کی) جس جماعت کے پاس جماعت کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا اے محمد (ﷺ)! اپنی امت کو پچھنا لگوانے کا حکم دو۔(ابن ماجہ، ترمذی، زاد المعاد کے محقق کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے ٤/٥٢)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابو طیبہ نے پچھنا لگایا، آپ ﷺ نے اس کو (بطور اجرت) دو صاع کھانا (کھجور یا غلہ) دیا اور اس کے مالکوں (بنو حارثہ) سے سفارش کی، انہوں نے اس کا محصول کم کر دیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جس چیز سے علاج کرتے ہو ان میں بہتر پچھنا لگانا ہے۔ [2]

---

[1] ابن ماجه في الطب: ٣٤٧٨، صحيح الجامع رقم: ٣١٦٩.

[2] صحيح الجامع: ٣٣٢٣ بخارى كتاب الطب، مسلم ١٥٧٧.

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پچھنا لگانے کا فائدہ اس طرح بیان کیا ہے، وہ سطح بدن کو فصد (رگ کھولنے) سے زیادہ صاف ستھرا کرتا ہے اور عمق بدن کے لیے فصد افضل ہے، پچھنا لگانے سے بدن کے کنارے سے خون نکالا جاتا ہے، اگر کندھے پر پچھنا لگوایا جائے تو مونڈھے اور حلق کے درد میں فائدہ مند ہے۔

فصدالو جدین: گردن کی دونوں رگوں میں فصد تلی کے درد دمہ، عقل زائل ہونے کی بیماری اور پیشانی کے درد میں مفید ہے۔

اکحل: (بازو کی ایک رگ کا نام ہے) میں فصد پورے بدن میں خون کی بنا پر ہونے والے امتلاء میں نافع ہے۔

قیفال: (ایک رگ ہے جو بازو کے بیرونی جانب پائی جاتی ہے) کا فصد سر اور گردن کی تمام بیماریوں میں نافع ہے جو کثرت دم یا فساد خون کی وجہ سے پیدا ہو۔

اخدعین: (گردن کی دونوں پہلوؤں پر سو پوشیدہ رگوں کا نام ہے) میں پچھنا لگوانا سر کی بیماریوں اور اس کے دوسرے اجزاء جیسے چہرہ، زبان، کان، آنکھ، ناک اور حلق کی بیماریوں میں نافع ہے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری دواؤں میں کوئی دوا مفید ہے تو وہ پچھنا لگوانا یا شہد کا پینا یا آگ سے داغنا ہے اور میں آگ سے داغنا پسند نہیں کرتا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مقنع (بن سنان تابعی) کی عیادت کی، پھر کہا میں تمہارے پاس سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم پچھنا نہ لگوا لو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پچھنا میں شفاء ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جن چیزوں سے علاج کرتے ہو ان میں بہتر پچھنا لگانا ہے اور عود ہندی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: (حلق کی بیماری میں) اپنے بچوں کو ان کا تالو دبا کر تکلیف مت دو۔ ❷

---

❶ زاد المعاد: ٤/٣١٥.   ❷ السلسلة الصحيحة رقم: ١٠٥٤.

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں پچھنا لگانے میں مندرجہ ذیل فائدے ہیں:

۱۔ خون کا دباؤ کم ہوتا ہے۔

۲۔ امراض زائل ہوتے ہیں۔

۳۔ شفاء حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ پچھنا لگانے والے کا نشتر شفاء دینے والا ہے۔

۵۔ صحت پانے اور زندگی میں تروتازگی لانے کے لیے سب سے نفع بخش وسیلہ ہے۔

۶۔ سر کا درد دور ہوتا ہے۔

۷۔ فرشتوں نے نبی ﷺ سے یہ کہا ہے کہ اپنی امت کو پچھنا لگوانے کا حکم دو۔

۸۔ نگاہ کو قوی بناتا ہے، اس کو صحیح رکھتا ہے اور اس کی روشنی بڑھاتا ہے۔

۹۔ نبی ﷺ کے تمام افعال میں حکمت پائی جاتی ہے، پس جس نے پچھنا لگوایا وہ کامیاب ہوا، نبی ﷺ نے اپنی گردن کے دونوں پہلوؤں پر اور کاندھے کے پچھلے حصے میں پچھنا لگوایا ہے۔

۱۰۔ جدید طب نے پچھنا لگانے کے عمل کو اختیار کیا ہے۔[1]

[1] الترغيب و الترهيب تحقيق مصطفى عمار: ٤٥/٣١٥.

اہل خیر کے اندر برکت پائی جاتی ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل خیر برکت و خیر لاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں ٹھہر گئے اور لوگوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہرنا پڑا، وہاں پانی نہ تھا، پھر لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ عائشہ نے کیا کیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لوگوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا جب کہ یہاں پانی نہیں ہے اور لوگوں کے پاس بھی پانی نہیں ہے، یہ سن کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر سو گئے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب لوگوں کو راستے میں روک رکھا ہے اور یہاں پانی بھی نہیں ہے اور نہ ان کے ساتھ کچھ پانی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر غصہ کیا اور جو اللہ کو منظور تھا وہ انہوں نے کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچنے لگے، میں ضرور حرکت کرتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری ران پر تھا، اس لیے ہل نہ سکی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے لیکن پانی نہ تھا، تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی اور لوگوں نے تیمم کیا۔ اس وقت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والو! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں پھر ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے ہم کو وہ ہار مل گیا۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ آل ابو بکر رضی اللہ عنہ میں خود وہ اور ان کے گھر

[1] بخاری، کتاب التیمم، احمد۔

والے اور ان کے نوکر چاکر ہیں۔ اس میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان دونوں سے برکت کا ظہور بار بار ہوا ہے۔ عمر بن حارث کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے تمہارے اندر برکت دی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل خیر کی مجلس میں بیٹھنا، ان سے مشورہ طلب کرنا اور ان کے پڑوس میں رہنا برکت کا سبب بنتا ہے۔

❶ بخاری، کتاب التیمم، احمد.

جماعت میں برکت

جو لوگ اچھے کام کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں برکت عطا کرتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برکت تین چیزوں میں ہے، جماعت، ثرید اور سحری میں۔ ❶

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت رحمت ہے اور الگ الگ رہنا عذاب ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ جماعت میں خیر و برکت ہے اور جدا جدا رہنا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں بنائے جو اس کی اطاعت پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کے ذکر پر جدا ہوتے ہیں۔

---

❶ صحیح الجامع رقم: ٢٧٧٢.

❷ صحیح الجامع رقم: ٣١٠٩.

علماء کے اندر اور ان کے ساتھ رہنا برکت ہے

آج لوگ اللہ کی اطاعت کے علاوہ پر اکٹھے ہوتے ہیں اور جدا ہوتے ہیں، چھوٹے بڑے کا احترام نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو صرف اپنے مادی فائدہ کے لیے کرتے ہیں جب کہ اسلام نے ہمیں اس کے برعکس تعلیم دی ہے۔ نبی ﷺ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ چھوٹا بڑے کا احترام کرے اور بڑا چھوٹے پر شفقت کرے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برکت ہمارے بڑے لوگوں میں ہے، پس جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کی اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہیں کی، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (طبرانی فی الکبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برکت تمہارے اکابر اہل علم کے ساتھ ہے۔ [1]

میرے بھائی! تم عالم کی فضیلت جان لو، وہ انبیاء کے وراث ہیں اور اگر ہم نے اپنے بڑوں کی عزت نہیں کی تو کوئی برکت نہیں ہوگی۔

❀❀❀❀

[1] کنزالعمال ٢٨٩٠٥ وهيثمی فی الزوائد ١٥/٨ وقال رواه البزار وفی اسناده نعيم بن حماد و ثقه جماعة وفيه ضعف وبقية رجاله الصحيح.

تمام مواقع پر برکت کی دعا کرنا

ا: کھانے سے پہلے اور بعد میں برکت کی دعا کرنا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو یہ کہے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَبْدِلْنَا خَيْرًا مِنْهُ.))

اور جب دودھ پیئے تو یہ کہے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ.))

اور دودھ کے علاوہ کوئی بھی کھانے اور پینے کی چیز کافی نہیں ہوتی ہے۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہے اور اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو یہ کہے: بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَوَّلِهٖ وَآخِرِهٖ. ❷

ب: نومولود کے لیے برکت کی دعا کرنا:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب ان کے پیٹ میں تھے تو وہ مدینہ آئیں، وہ قباء میں ٹھہریں اور وہیں انہوں نے بچے کو جنم دیا، وہ کہتی ہیں کہ پھر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئی اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگائی، پھر اس کو چبایا اور ان کے منہ میں اپنا تھوک لگا دیا، چنانچہ سب سے پہلے جو چیز ان کے پیٹ میں گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک تھا، پھر

---

❶ احمد، ابو داؤد ترمذی، بیهقی فی الشعب الایمان، صحیح الجامع رقم: ۳۸۱.

❷ ابو داؤد، ترمذی، حاکم، صحیح الجامع رقم: ۲۸۰.

آپ ﷺ نے وہ چبائی ہوئی کھجور ان کے منہ میں ڈالی اور برکت کی دعا کی، ہجرت کے بعد عبداللہ پہلے بچے تھے جو اسلام کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ (بخاری کتاب العقیقة)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ ((بَـرَّكَ عَلَيْـهِ)) کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ((بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهِ يَا اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ)) کہا۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے نبی ﷺ کے پاس لایا، آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور ایک کھجور چبا کر اس کے منہ میں ڈالی اور اس کے لیے برکت کی دعا کی، پھر وہ بچہ مجھے دیا گیا، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا لڑکا یہی تھا۔ (بخاری کتاب العقیقة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا، آپ ﷺ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈال دیتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔ ❶

ج: شادی کرنے والے کے لیے برکت کی دعا کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے جسم پر زرد نشان دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے برابر سونا دے کر شادی کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہیں ورکت دے، تم ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔" ❷

رسول اللہ ﷺ نے دولہا اور دولہن کے لیے ہمیں یہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ .)) ❸

"اللہ تمہیں برکت دے اور تم دونوں کو خیر پر اکٹھا کرے۔"

---

❶ بخاری، مسلم، ابو داؤد، صحیح الجامع رقم: ٤٨٧٦.

❷ بخاری کتاب الدعوات.

❸ صحیح الجامع: ٤٢٨.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جس دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس بھیجی گئیں تو گھر میں انصار کی کئی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے مجھے یہ دعا دی:

((عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ.)) ❶

''خیر و برکت ہو تمہاری نصیب اچھا ہے۔''

د: نئی چیز خریدنے پر برکت کی دعا کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی عورت یا خادم یا چوپایہ حاصل کرے تو اس کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا کرے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَ عَلَيْهِ ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا ، وَشَرِّ مَا جَبَلْتَ عَلَيْهِ .))

''اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور اس کی فطرت میں جو بھلائی رکھی گئی ہے وہ مانگتا ہوں، اور اس کے شر سے اور جو شر اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

اگر اونٹ ہے تو اس کا کوہان پکڑ کر مذکورہ دعا پڑھے۔ ❷

ھ: نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو برکت کی دعا کرنا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا﴾ (کهف: ۳۹)

''تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں، مگر اللہ کی مدد سے، اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔''

سعید بن حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا خوف ہوتا کہ آپ کی نظر کسی چیز کو لگ جائے گی تو یہ دعا پڑھتے:

❶ بخاری ، مناقب الانصاری.
❷ حاکم ، بیهقی ، صحیح الجامع رقم: ۳٦۰.

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَلَا تَضُرَّهُ .)) ❶

"اے اللہ! تو اس میں برکت دے اور اسے نقصان نہ پہنچا۔"

اس کی ایک شاہد سہل بن حنیف کی حدیث ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو جب اپنے بھائی کے نفس و مال میں سے کوئی چیز پسند آجائے تو وہ آخر اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہیں کرتا، کیونکہ نظر لگ جانا سچ ہے۔

اس کی ایک شاہد عامر بن ربیعہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے نفس و مال میں اور اپنے بھائی کے نفس و مال میں کوئی چیز دیکھے اور جو اسے پسند آجائے تو برکت کی دعا کرے۔

اس کی ایک تیسری شاہد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جو اسے پسند آگئی اور یہ دعا پڑھی:

((مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ .)) تو اس کو نظر بد نہیں لگے گی۔

و: جسے درد ہو اس کے لیے برکت کی دعا کرنا:

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور کہنے لگیں کہ اے اللہ کے رسول! میری بہن کا لڑکا بیمار ہے، آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا، میں نے آپ ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی پی لیا، پھر آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا، میں نے مہر نبوت دیکھا وہ آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایسی تھی جیسے پردہ کی گھنڈی۔ ❷

---

❶ ابن سنی فی عمل الیوم واللیلة رقم: ۲۰۷.

❷ بخاری۔ کتاب الوضوء.

ز: انصار ومہاجرین کے لیے برکت کی دعا کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مہاجرین وانصار جب مدینہ کے اردگرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پیٹھ پر مٹی ڈھو رہے تھے اور یہ شعر پڑھے جاتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے ہمیشہ جہاد کرنے پر بیعت کی ہے جب تک ہم باقی رہیں گے (جہاد کریں گے)۔''

نبی ﷺ ان کے اس شعر کا جواب یہ کہہ کر دے رہے تھے:

((اللهم انه لا خير الا خير الآخرة فبارك في الا نصار والمهاجرة)) [1]

''اے اللہ! فائدہ جو کچھ ہے وہ آخرت کا فائدہ ہے، پس تو انصار اور مہاجرین میں برکت عطا کر۔''

ح: کثرت مال واولاد اور اس میں برکت کی دعا کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اپنے خادم کے لیے دعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْهَا اَعْطَيْتَهُ .))

''اے اللہ! ان کے پاس مال واولاد زیادہ ہوں اور جو کچھ تو انہیں دے، اس میں برکت دے۔''

ط: دعائے استخارہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تمام معاملات میں استخارہ ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ ﷺ کہتے تھے کہ تم میں سے

[1] بخاری كتاب الجهاد.

جب کسی کے سامنے کوئی معاملہ پیش آ جائے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے پھر یہ کہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ، وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبُ ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ ، أَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ . وَآجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِيْهِ ، وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ . اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ ، وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِیْ بِهٖ .))

''اے اللہ! میں تیرے علم کی مدد سے بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کی مدد سے معذرت مانگتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، بیشک تو ہی قدرت رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے بہتر ہے، میرے انجام کار میں، یا فرمایا: میری اس دنیا کے لیے یا آخرت کے لیے تو میرے لیے اس کام کا فیصلہ فرما دے اور میرے لیے اس کام کو آسان کر دے، پھر میرے لیے اس کام میں برکت عطا کر اور اگر تو جانتا ہے تو یہ کام میں برکت عطا کر اور اگر تو جانتا ہے تو یہ کام میرے دین و زندگی اور انجام کار یا فرمایا میری دنیا اور آخرت کے لیے بدتر ہے تو مجھ کو اس کام سے دور کر دے۔ اور اس کام کو مجھ سے دور کر دے اور میرے لیے بھلائی مہیا کر دے جہاں کہیں ہو، پھر اس پر مجھے رضامند کر دے۔

پھر اپنی ضرورت کا نام لے۔'' [1]

[1] بخاری كتاب الدعوات.

وقت کی برکت

وقت کی برکت کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔ ہم میں سے ہر شخص جلد عمر گزرنے اور کم کام ہونے کی شکایت کرتا ہے۔ قرآن کریم نے وقت پر بہت توجہ دی ہے، وقت اللہ کی نعمت ہے، اس کی اہمیت اور برکت پر اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں وقت کو لیل ونہار کہا گیا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ قدرت کو یاد کرے۔

فرمانِ باری ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (فرقان: ٦٢)

''اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا، اس شخص کی نصیحت کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔''

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ o وَ اٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا o﴾ (ابراهيم: ٣٣-٣٤)

''اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں اور رات ودن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے، اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔''

حدیث میں وقت کی قیمت اس طرح بتائی گئی ہے کہ وہ ایک مسلم کی زندگی میں ایک بنیادی عامل ہے، اس میں عظیم برکتیں ہیں اور اس کا حساب کرنا ضروری ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بندہ کے دونوں قدم اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، اس نے اپنی عمر کہاں صرف کی؟ اپنی جوانی کن چیزوں میں گزاری؟ اپنا مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور علم پر کتنا عمل کیا؟ ❶

ایک حدیث میں ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو اپنے فقر سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنے شغل سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔

میرے مسلمان بھائی! اسلام کے شعائر خاص طور سے نماز، وقت کی تنظیم اور اس کے احترام پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ نمازوں کے اوقات الگ الگ متعین کیے گئے ہیں۔

ایک مسلمان کی زندگی میں وقت کی برکت بہت عظیم چیز ہے اور اس کی بڑی اہمیت ہے، حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنے وقت کی حفاظت اس سے بھی زیادہ کرتے تھے، جتنا تم درہم و دینار کی کرتے ہو"۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وقت تلوار کی طرح ہے، اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کسی چیز پر پچھتاتا نہیں ہوں سوائے اس دن پر جس کا سورج غروب ہو جائے اور میری عمر کا کچھ حصہ کم ہو جائے اور اس میں کچھ نیک عمل نہ کرسکوں۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ جس نے اپنی عمر کا ایک دن اس طرح گزار دیا کہ اس میں کوئی حق یا فرض ادا نہیں کیا یا بزرگی وحمد حاصل نہیں کیا، یا خیر کی بنیاد نہیں رکھی یا علم حاصل نہیں کیا

---

❶ طبرانی، بزار هيثمي مجمع الزوائد: ١٠/٣٤٦.

اس نے اپنا دن برباد کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے ان کو جو وصیت کی تھی اس میں یہ الفاظ تھے: جان لو کہ اللہ کے لیے کچھ کام دن میں کرنے کے ہیں جنہیں وہ رات میں قبول نہیں کرے گا، اور کچھ کام رات میں کرنے کے ہیں جنہیں وہ دن میں قبول نہیں کرے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سلیمان کے پاس جو خط لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے:

''یہ خط ابو درداء کی طرف سے ہے سلیمان کے پاس، اے میرے بھائی! تم اپنی صحت و فراغت کو غنیمت سمجھو قبل اس کے کہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت آئے اور کوئی شخص اس مصیبت کو دور نہ کر سکے۔''

ایک شاعر کہتا ہے:

بـــادر شبـــابك أن يهـــديـــا
وصـــحة جســـمك أن تـــقـــمـــا

''تم جوانی ڈھلنے سے پہلے کام کرلو اور بیمار ہونے سے پہلے اپنی صحت کی حالت میں کام کرلو۔''

وأيـــام عيشك قبـــل الـــمـــمـــات
فـــمـــا دهـــر مـــن عـــاش ان يسلما

''اور موت سے پہلے اپنی زندگی میں کام کرلو کیونکہ کسی زمانے میں بھی جس نے بھی زندگی گزاری ہے محفوظ نہیں رہا ہے۔

و وقـــت فـــراغك بـــادربـــه
ليـــالـــي شـــغـــلك فـــي بـــعـــض مـــا

''فراغت کے وقت میں تم کام کرلو قبل اس کے کہ تمہیں رات میں کام کرنا پڑے۔''

وقـــدم فـــكـــل امـــرئ قـــادم
عـــلـــى بـــعـــض مـــاكـــان قـــد قـــدمـــا

"اور کچھ عمل آگے بھیج دو، اس لیے کہ ہر آدمی ان میں سے بعض عمل پر آنے والا ہے جو اس نے بھیجا ہے۔"

میرے بھائی! آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء کی زندگی میں وقت کی برکت کتنی زیادہ تھی یہاں تک کہ انہوں نے اتنا علم جمع کر دیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اگر انسان اپنی پوری زندگی اس کے پڑھنے میں گزار دے تو اسے ختم نہیں کر سکتا، ذرا تصور کرو کہ انہوں نے کس طرح اس علم کو حاصل کیا ہوگا اور لکھا ہوگا۔

وقت کی خاصیت یہ ہے:

۱۔ وہ جلد گزر جاتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ (یونس: ٤٥)

"اور انہیں وہ دن یاد دلائے جس میں اللہ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ گویا وہ سارے دن کی ایک گھڑی رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔"

اسی طرح قرآن کریم نے وقت جلد گزر جانے کی تصویر کشی کی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

مـــرت ســـنـــون بـــالـــوصـــال و بـــا لـــهـــنـــا
فـــكـــا نـــهـــا مـــن قـــصـــر هـــا أيـــام

"وصال کے سال نہایت خوشگوار گزر گئے گویا کہ وہ چند دن تھے۔"

ثـــم انـــثـــنـــت ايـــام هـــجـــر بـــعـــد هـــا
فـــكـــأنـــهـــا مـــن طـــولـــهـــا اعـــوام

"پھر جدائی کے ایام آئے وہ اتنے لمبے معلوم ہوئے گویا کہ سال ہوں۔"

ثم انقضت تلك السنون واهلها
فكأنها وكانهم احلام

''پھر یہ سال اور سال والے ایسے گزر گئے گویا کہ وہ خواب ہوں۔''

۲۔ جو وقت گزر جاتا ہے دوبارہ واپس نہیں آتا۔

ہر لمحہ جو گزر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا، اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر دن فجر طلوع ہوتی ہے اور پکار کر کہتی ہے کہ اے ابن آدم! میں ایک نئی زندگی لے کر آئی ہوں، میں تمہارے عمل پر گواہ ہوں، پس تم زادراہ تیار کرلو، اس لیے کہ اگر میں گزر جاؤں گی تو قیامت تک واپس نہیں آؤں گی۔ ایک شاعر نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

وما المرء الا راكب ظهر عمره
على سفر يفنيه باليوم و الشهر

''آدمی اپنی عمر کی پیٹھ پر سوار سفر میں ہوتا ہے اور دن اور مہینوں میں اپنی عمر فنا کرتا ہے۔''

يبيت ويضحى كل يوم و ليلة
بعيداًعن الدنيا قريباًالى القبر

''وہ ہر دن اور رات چاشت کے وقت میں داخل ہوتا جاتا ہے اور رات گزارتا ہے وہ دنیا سے دور ہوجاتا ہے اور قبر سے قریب ہوجاتا ہے۔''

شوقی وقت کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

دقات قلب المرء قائلة له
ان الحياة دقائق و ثوان

''آدمی کے دل کی دھڑکن اس سے کہہ رہی ہے کہ زندگی منٹوں اور سیکنڈوں کا نام ہے۔''

دنیا میں وقت ضائع کرنے والا اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھانے والا آخرت میں پچھتائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وقت سونے کی طرح قیمتی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ سونے

سے بھی زیادہ قیمتی ہے کیونکہ وہ دوبارہ نہیں آئے گا، اور انسان سے اس کا حساب لیا جائے گا۔ اس کا احساس انسان کو اس وقت ہوگا جب وہ نکل جائے گا اور موت قریب آجائے گی۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ (منافقون: ١٠)

"اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔"

آخر میں وہ کہیں گے:

﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ (فاطر: ٣٨)

"اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے (اللہ کہے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا۔"

میرے بھائی! یہ جان لو کہ وقت بہت جلد گزر جاتا ہے اور واپس نہیں آتا اور وقت کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تم نے اپنی عمر کہاں فنا کی۔ کل تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور وہ عمل نہیں کر سکو گے جو تم جوانی میں کر سکتے ہو، لہٰذا ان پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اوقات میں برکت دے اور ہمیں ان لوگوں میں بنائے جو سننے کے بعد عمل کرتے ہیں۔ (آمین)

چوتھی فصل:

برکت سے محرومی کے اسباب

جس طرح بہت سی چیزوں سے برکت آتی ہے، اسی طرح بہت سی چیزوں سے برکت ختم بھی ہو جاتی ہے، مومن کو ان چیزوں سے بچنا چاہیے جن سے برکت مٹ جاتی ہے۔ جن امور سے برکت چلی جاتی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ چیز جو غم وحزن اور فقر وفاقہ کا باعث بنے۔

۲۔ گالی دینا۔

۳۔ زیادہ سونا۔

۴۔ ظلم۔

۵۔ سود۔

۶۔ ناپ تول میں خیانت۔

۷۔ جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے علاوہ فیصلہ کرنا۔

۸۔ مالدار ہونے کے باوجود سوال کرنا۔

۹۔ حرص اور طمع دنیا میں رغبت۔

۱۰۔ ذنوب وکثرت معاصی۔

۱۱۔ سچ نہ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا۔

۱۲۔ تقویٰ کی کمی۔

۱۳۔ ہر کام میں بسم اللہ نہ کہنا۔

۱۴۔ اکٹھا ہو کر نہ کھانا پینا۔

۱۵۔ انگلیوں کو نہ چاٹنا۔

۱۶۔ ان جگہوں سے دور رہنا جن میں برکت ہے۔

۱۷۔ استغفار نہ کرنا۔

۱۸۔ حرام مال کمانا۔

۱۹۔ رشتہ منقطع کرنا۔

۲۰۔ طلب رزق میں سستی کرنا اور کوشش نہ کرنا۔

۲۱۔ تنگ دستوں پر آسانی نہ کرنا۔

۲۲۔ جن چیزوں میں برکت رکھی گئی ہے ان کو نہ پالنا۔

۲۳۔ علماء کا احترام نہ کرنا۔

۲۴۔ اچھے مواقع پر برکت کی دعا نہ کرنا۔

اس کے علاوہ یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی برکت مٹانے کا سبب بنتی ہے۔

رحمت زحمت نہ بنے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے زیادہ جس چیز سے تمہارے لیے ڈرتا ہوں وہ زمین کی برکتیں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول دے گا، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! زمین کی برکتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا کا ساز و سامان، ایک آدمی نے کہا کیا اچھی چیز سے بھی برائی پیدا ہوتی ہے؟

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتر رہی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی سے پسینا پوچھنے لگے۔

پھر فرمایا پوچھنے والا کہاں گیا؟

اس شخص نے کہا: میں یہاں ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اس کی **تعریف** کرنے لگے جب ہم کو یہ

حال معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی چیز سے تو اچھائی ہی پیدا ہوتی ہے، یہ دنیا کا مال (بظاہر) تروتازہ اور شیریں ہے، جیسے ربیع کی فصل، گھاس، چارہ اگاتی ہے، پھر کسی جانور کا پیٹ پھلا کر مار ڈالتی ہے یا موت کے قریب کر دیتی ہے، البتہ جو جانور (اعتدال کے ساتھ) ہری ہری گھاس چرے اور جب اس کی کوکھیں تن جائیں (یعنی پیٹ بھر جائے) تو دھوپ میں جا کر کھڑا ہو جائے، پھر جگالی کرے اور پائخانہ پیشاب کرے (جب یہ غذا ہضم ہو جائے تو) پھر آ کر چرے (ایسا جانور ہلاک نہیں ہوگا) اسی طرح دنیا کا مال سمجھ لو، ظاہر میں تو وہ بہت شریں مگر جو ایمانداری سے اسے کمائے اور اچھے کاموں میں اسے صرف کرے تو اس کے لیے یہ مال ثواب کمانے کا ذریعہ ہے، جو کوئی بے ایمانی سے اسے حاصل کرے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا پیتا ہے، لیکن آسودہ نہیں ہوتا۔ (بخاری، کتاب الرقاق)

رسول اللہ ﷺ نے پہلے یہ بتانے کی کوشش کی کہ خیر شر بھی لاتا ہے، لیکن جب اسی دوران آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے اس مسئلہ کو ہر طرف سے بیان کر دیا، آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ اصلاً اچھی چیز سے اچھی چیز ہی پیدا ہوتی ہے، اگر اسے اعتدال سے استعمال کیا جائے جیسا کہ شارع نے بیان کیا ہے، لیکن اگر اعتدال سے استعمال نہ کیا ہے اور خیر کو خیر کے راستے میں نہ لگایا گیا تو وہ شر بھی لاتا ہے۔

اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس قول میں کر دی ہے:

((ان کل ماانبت الربیع یقتل حطاً ای قتلا نهائیا أو یلمای یقرب من الموت))

یہ اس صورت میں ہے جب کھانے میں صحیح طریقہ استعمال نہ کیا جائے اور بدہضمی ہو جائے اور جانور قناعت نہ کرے، یا اچھے نباتات کو تلاش نہ کرے، لیکن اگر وہ اپنی غذا صحیح تلاش کرے اور اتنا کھائے جو نقصان دہ نہ ہو تو یہ پودے اس کے لیے نفع بخش ہیں اور یہ خیر خیر ہی لائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول:

((الا اکلة ...... الخضرة أكلت، حتى اذا امتدت خاصر تاها

استقبلت الشمس ، فاجترت وثلطت (ای تبرزت) وبالت ،
ثم عادت فأكلت...... کا مطلب یہی ہے۔

خلاصہ ہے کہ یہ پوری کائنات خیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے فعل میں اساس خیر ہی ہے، لیکن انسان کے سوءِ تصرف کی وجہ سے شر پیدا ہوتا ہے۔

خاتمہ

میرے مسلمان بھائی! برکت کے روحانی آثار ہماری زندگی کی گہرائی میں پائے جاتے ہیں، جن سے برکت کی قدر و قیمت پر اعتماد و یقین بڑھ جاتا ہے اور عمل صالح کے اثرات پر یقین ہو جاتا ہے۔

اس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے اور روح کی بالیدگی ہوتی ہے جس کو مادہ پرستی نے گندا کر دیا ہے۔

برکت صرف کلمہ کا نام نہیں ہے جسے زبان سے ادا کیا جاتا ہے، یا کان سے سنا جاتا ہے، یا آنکھ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اس کا ایک جامع معنی ہے جو مختلف سلوک و آداب کو بھی شامل ہے۔ اسلام میں برکت کا ایک وسیع مفہوم ہے، اس میں بہت روحانی اقدار، انسانی معانی اور دینی دلائل اور سماجی آثار پائے جاتے ہیں جنہیں ایک مسلمان کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہماری زندگی اور ہمارے اعمال و اوقات میں خیر و برکت دے۔ (آمین)

تعویذ گنڈے

پیش لفظ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ، وَبَعْدُ !

بدعات وخرافات اور خلاف شرع رسم و رواج سے پاک وصاف معاشرہ اتباع سنت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں مسلمانوں کی سرخروئی کا ضامن بھی ، کیونکہ جب بھی معاشرے میں قرآن وسنت کی مخالفت پائی جائے گی اور اعتقادی خرابیاں شائع و ذائع (اور عام) ہوں گی تو معاشرہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشوں کا شکار ہوگا اور مصائب کے شکنجوں میں گرفتار ہوگا۔

جہاں عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل کریں، وہاں مسلمانوں کے اس طبقہ کے افراد کا بھی فرض ہے جو اسلام کی تعلیمات سے واقف ہیں، کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ان کی خرابیوں کی نشاندھی اور ان کی صحیح راہنمائی کریں۔

معاشرے میں اعتقادی خرابیوں کا ایک مظہر تعویذ گنڈے کا رواج ہے، اس سلسلے میں معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کی جائے اور اس مسئلہ میں شریعت کے نقطۂ نظر کو واضح کیا جائے۔

ایسی ہی ایک کتاب میری نظر سے گزری، جس کا نام "التمائم فی میزان العقیدۃ" ہے، جو چھوٹے سائز کے ٦٣ صفحات پر مشتمل ہے، جسے علامہ ڈاکٹر علی بن نفیع

العلیانی نے ترتیب دیا ہے، اس کتاب سے ظاہر ہے کہ موصوف سلفی عقیدہ کے حامل اور ایک غیور عالم دین ہیں۔ معاشرہ میں پھیلے ہوئے خلاف شرع اور غلط عادات اور رسم و رواج سے کافی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور معاشرے کو ان عادات وخرافات سے پاک کرنے اور مسلمانوں کو ان کے صحیح دین سے روشناس کرانے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے میں موصوف نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ خاص طور پر تعویز گنڈے، جھاڑ پھونک اور تبرکات معاشرے میں پھیلی ہوئی مہلک بیماریوں کو ختم کرنے کے لیے کئی کتابیں تالیف کیں، جن میں سے زیر نظر کتاب بھی ہے، اس کے علاوہ "اَلتَّبَرُّكُ الْمَشْرُوْعُ وَالتَّبَرُّوكُ الْمَمْنُوْعُ" اور "الرُّقٰی" بھی ان کے قلمی شاہکار ہیں۔

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر موصوف نے تعویذ کی شرعی حیثیت کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور کوڑیوں، موتیوں اور حیوانوں کی ہڈیوں نیز طلسماتی نقشوں اور غیر مفہوم (سمجھ میں نہ آنے والے) یا غیر شرعی الفاظ وغیرہ سے بنے ہوئے تعویذوں کو لٹکانے یا پہننے کا قرآن وسنت کے قوی دلائل کے ذریعے شرک ہونا ثابت کیا ہے۔ البتہ قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں پر مشتمل تعویذ لٹکانے کا ناجائز ہونا راجح قرار دیا ہے، نیز زمانہ جاہلیت یعنی کفار و مشرکین کے یہاں استعمال کیے جانے والے تعویذوں کے چند نمونے بھی ذکر کیے ہیں جو آج کل مسلمانوں میں رائج تعویذوں اور ان کے اغراض و مقاصد کے بالکل مشابہ ہیں، اور اس بحث سے پہلے شرک کی تعریف اور اس کے انواع واقسام کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، جو عام کتابوں میں نہیں ملتے۔

بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت مفید ہے، کتاب کی اس افادیت کو اُردو دان طبقہ میں عام کرنے کے لیے ہم نے اس کا ترجمہ کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین

اس کتاب میں وارد آیات کی ترقیم اور احادیث کی تخریج خود مولف کی کاوش ہے، ہم نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے کے ساتھ بعض جگہوں پر کچھ توضیحی نوٹس حاشیہ میں دے

دیے ہیں۔ جس کی طرف (م م) سے اشارہ کر دیا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے اور اس کے مؤلف، مترجم اور مراجع کو، نیز جن حضرات نے اس کتاب کی طباعت میں حصہ لیا ہے سب کے میزان حسنات میں اضافہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

محمد اسماعیل محمد بشیر انصاری

تعویذ اور عقیدۂ توحید

تالیف:...... علی بن نفیع العلیانی

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَبَعْدُ!

اس شخص کا ایمان ہی نہیں جو اللہ پر بھروسا نہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدہ: ۲۳)

”اور اللہ ہی پر بھروسا کرو اگر تم مومن ہو۔“

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝﴾ (الانفال: ۲)

”سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکل ایمان کے لیے شرط ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اس بات کا دل سے یقین کرے کہ سارا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہوگا اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوگا۔ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے، وہی عطا کرنے والا اور روکنے والا ہے۔ ساری حرکت و طاقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

[1] قرة عيون الموحدين ص ۱۷۳۔

((يَا غُلَامُ إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰهِ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمِعُوا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ)) ❶

”اے لڑکے!...... میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں (اسے یاد رکھنا) اللہ کو یاد رکھو! وہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کو یاد رکھو! تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو، اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے، اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تل جائیں تو اتنا ہی نقصان دے سکیں گے، جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ اللہ پر بھروسا ان بڑے اسباب میں سے ایک ہے جن سے منزل مقصود تک رسائی ممکن ہوتی ہے اور جن کے ذریعہ مصائب سے گلو خلاصی ملتی ہے۔ لہٰذا جس نے اسباب کا انکار کیا اس کا توکل صحیح نہیں رہا، لیکن کامل توکل علی اللہ یہ ہے کہ نہ تو اسباب پر کلی طور پر بھروسا کیا جائے اور نہ دل کو ان سے وابستہ کر لیا جائے، بلکہ دل کا تعلق اللہ کے ساتھ اور جسم کا تعلق اسباب کے ساتھ قائم ہو۔

دراصل اسباب اللہ تعالیٰ کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی تدبیر کا مظہر ہیں، اور توکل اس کی ربوبیت اور قضاء وقدر سے وابستگی کا نام ہے۔ لہٰذا اسباب کی بندگی توکل کا پرتو

---

❶ مسند احمد ۱/ ۲۹۳۔ سنن ترمذی۔ کتاب صفة القيامة باب (۵۹) (حدیث: ۲۵۱۶)

ہے اور توکل عبودیت اور بندگی کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ ❶ لیکن جب توکل کمزور ہو جاتا ہے تو دل اسباب پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور مسبب، یعنی سبب بنانے والے اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور کبھی یہ غفلت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ دل اسباب حقیقی کو چھوڑ کر موہوم اسباب پر توکل کر بیٹھتا ہے۔ یہی حال قدیم و جدید زمانے میں تعویذ والوں کا رہا ہے، اور جیسا کہ مشاہدہ گواہ ہے، کہ جادوگر، خرافاتی نظریات رکھنے والے، صوفی قسم کے لوگ اور دیسی علاج اور تعویذ بنانے والے مکار لوگوں کی وجہ سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں تعویذ کی وبا پھیل گئی ہے۔

لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر خیال ہوا کہ اپنی کم مائیگی کے باوجود اپنی بساط بھر اعتقاد صحیح، یعنی اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ کی روشنی میں تعویذ کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کرنے میں میں بھی حصہ لوں، چنانچہ میں نے اس بحث کو ایک تمہید، چار فصلوں اور ایک خاتمہ میں یوں تقسیم کیا ہے:

تمہید : تعویذ کی تعریف

پہلی فصل : تعویذ کی حرمت اور اس کے دلائل

دوسری فصل : تعویذ لٹکانا شرکِ اکبر ہے یا شرکِ اصغر (یعنی تعویذ پہننا بڑا شرک ہے یا چھوٹا)

تیسری فصل : قرآنی آیات ماثور دعاؤں کے تعویذ

چوتھی فصل : زمانۂ ماضی اور حاضر میں تعویذ کی حقیقت اور احوال

خاتمہ : خلاصہ بحث

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَ
اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❶ دیکھئے: تهذيب مدارج السالكين، تاليف عبد المنعم صالح علی عزی ص ۳۳۸۔

تمہید:

تعویذ کی تعریف؟

لسان العرب میں ہے کہ تمیم تعویذ کو کہتے ہیں، اس کی واحد تمیمہ ہے، ابو منصور کہتے ہیں کہ تمیمہ سے وہ ریشے اور موتیاں مراد ہیں جنہیں تعویذ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تمیمہ دو سیاہ و سفید نقطے والے دانے ہیں، جنہیں لڑی میں پرو کر گلے میں باندھا جاتا ہے۔

ابن جنی سے روایت ہے: اور کہا گیا ہے کہ تمیم اس مالا کو کہتے ہیں جس میں تسمہ اور منتر ہوتا ہے، ثعلب سے مروی ہے:

((تَمَّمْتُ الْمَوْلُوْدَ اَیْ عَلَّقْتُ عَلَیْهِ التَّمَائِمَ))

''میں نے بچے کو تمیمہ کیا، یعنی تعویذ اس کے گلے میں لٹکا دیا۔''

تمیمہ وہ تعویذ ہے جو انسان کے جسم پر لٹکایا جاتا ہے، ابن بری نے کہا کہ اس معنی میں سلمہ بن خرشب کا شعر ہے:

تُعَوَّذُ بِالرُّقٰی مِنْ غَیْرِ خَبْلٍ
وَتُعْقَدُ فِیْ قَلَائِدِهَا التَّمِیْمُ

''بغیر کسی جنون و آسیب کے بھی دعاؤں کا تعویذ بنایا جاتا ہے، اور اس کی مالا میں تمیمہ باندھا جاتا ہے۔''

ابو منصور کہتے ہیں: تمائم کی واحد تمیمہ ہے، اور تمیمہ ان دانوں کو کہتے ہیں جنہیں مالا بنا کر اہل عرب اپنے بچوں کے گلے میں لٹکاتے تھے۔ اس طرح اپنے گمان کے مطابق بری روح اور نظر بد سے ان کو بچاتے تھے۔ اسلام نے اسے باطل قرار دیا، چنانچہ ہذلی نے

اپنے اس شعر میں اسی چیز کو مراد لیا ہے:

وَإِذَا الْمَنِيَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا
أَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيمَةٍ لَا تَنْفَعُ

''جب موت کے ناخن چبھ گئے (یعنی موت کا وقت آ گیا) تو میں نے ہر قسم کے تعویذ کو بے سود پایا۔''

دوسرا شاعر کہتا ہے:

إِذَا مَاتَ لَمْ تُفْلِحْ مُزَيْنَةُ بَعْدَهُ
فَنُوطِي عَلَيْهِ يَا مُزَيْنُ التَّمَائِمَا ❶

''جب وہ مر گیا تو اس کے بعد مزینہ کو کوئی چیز راس نہ آئی، بس اے مزینہ! تُو اس پر تعویذیں لٹکا دے۔''

امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: تمائم، تمیمہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ دانے اور مالے ہیں جو گلے میں لٹکائے جاتے ہیں، اہل عرب زمانہ جاہلیت میں عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ تمام آفات کو دفع کرتے ہیں۔ ❷

ابن الاثیر کہتے ہیں: تمائم تمیمہ کی جمع ہے، یہ ان موتیوں کو کہتے ہیں جنہیں اہل عرب اپنے بچوں پر لٹکاتے تھے، ان کے ذریعے وہ اپنے گمان میں بچوں کو نظر بد سے بچاتے تھے، اسلام نے اسے باطل قرار دیا، اسی معنی میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

((مَا أُبَالِي مَا أَتَيْتُ إِنْ عَلَّقْتُ تَمِيمَةً))

''میں کوئی پروا نہیں کروں گا کچھ بھی کروں، اگر میں نے تعویذ لٹکایا۔''

دوسری حدیث ہے:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ))

---

❶ لسان العرب ۱۲ / ۷۰۔

❷ صحیح بخاری۔ فتح الباری کتاب الطب: باب الرقی بالقرآن والمعوذات حدیث ۵۷۳۰

”جس نے تعویذ لٹکایا اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے۔“

گویا عرب کا عقیدہ تھا کہ یہ تعویذ مکمل دوا اور شفاء کا باعث ہیں، لہٰذا اسلام نے انہیں شرک قرار دیا، کیونکہ اہل عرب نے ان کے ذریعہ نوشتہ تقدیر کو دفع کرنا چاہا اور غیر اللہ سے مشکل کشائی طلب کی، حالانکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مشکل کشا ہے۔ ❶

تعویذ کیوں استعمال کیے جاتے ہیں؟

تعویذ کی ان لغوی تعریفات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تعویذ دو مقاصد کے لیے استعمال ہوتے تھے:

۱۔ پہلا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جس بیماری یا نظر بد کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا اس کے لگنے سے پہلے ہی اس کے شر کو روک دینا۔ یہ مقصد بچوں، گھوڑوں اور گھروں میں لٹکائے جانے والے تعویذوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جو بیماری یا نظر بد لگ چکی ہے اسے دور کرنا، یہ مقصد ان تعویذوں سے ظاہر ہوتا ہے جو درد، بدن کا سرح پڑ جانا اور بخار وغیرہ کے بیماروں کو پہنائے جاتے تھے، جیسا کہ اس کی وضاحت آئندہ کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

رہی تعویذ کی یہ تعریف کہ یہ سیاہ و سفید نقطے والے ریٹھے اور موتیاں ہیں، یہ تو تعریف از روئے مثال ہے، کیوں کہ تعویذ صرف ریٹھوں اور موتیوں پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اہل عرب ریٹھوں اور موتیوں کے علاوہ مختلف قسم کے تعویذ استعمال کرتے تھے، مثلاً: خرگوش کے ٹخنے بھی اپنے اوپر لٹکا لیا کرتے تھے کہ یہ نظر بد اور جادو سے روکتے ہیں۔ ❷

ابن الاثیر کہتے ہیں:

”عرب عقیدہ رکھتے تھے کہ تانت کی مالا نظر بد کو دور کر دیتی ہے اور مکر و فریب کو بھی دفع کر دیتی ہے، تو انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ اسی معنی کی وہ حدیث ہے

❶ النھایہ ۱ / ۱۹۸

❷ زمانۂ جاہلیت کے مختلف تعویذوں کے لیے دیکھئے ”المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام“ ص ۷۵۰ تا ۸۱۳

جس میں گھوڑوں کی گردنوں سے ان تانتوں کو کاٹ دینے کا حکم ہے جسے اہل عرب ان کی گردنوں میں اسی غرض سے پہناتے تھے۔'' [1]

اس تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ جو چیزیں بھی ان دونوں مذکورہ مقاصد کے پیش نظر لٹکائی جائیں، خواہ وہ موتیاں ہوں، یا لکڑی، گھاس، کاغذ، یا دھات ہوں، اگر لٹکانے والے نے کسی نازل شدہ یا متوقع شر یا مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے کیا ہے تو وہ تعویذ ہیں، کیوں کہ اعتبار، حقائق کا ہوتا ہے نہ کہ ناموں کا، جیسا کہ ہر وہ چیز جو عقل کو مخمور کر دے وہ خمر، یعنی شراب ہے، خواہ وہ انگور سے تیار کی گئی ہو یا کسی اور چیز سے، یہی تعویذوں کا بھی حال ہے۔

[1] النهایه ٥/ ١٤٩

پہلی فصل:

تعویذ کی حرمت اور اس کے دلائل؟

پہلی قسم: ......قرآنی آیات سے استدلال:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ٥﴾ (الانعام: ١٧)

''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تم سے اس تکلیف کو دور کر سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور اللہ رحمان و رحیم ہی فرماتا ہے:

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ٥﴾ (یونس: ١٠٧)

''اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے، اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ الرحمٰن ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۞ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۞﴾

(النحل: ٥٣، ٥٤)

''تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو، مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکایک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریہ میں) شریک کر لیتا ہے۔''

ان آیات کریمہ میں اس بات پر واضح دلالت و راہنمائی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مشکل کشا نہیں، اور اللہ ہی سے سارے بندے خیر کے اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے ہیں، کیوں کہ اسباب کے ذریعہ یا اسباب کے بغیر وہی اس پر قادر ہے۔

اسباب کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

(۱) شرعی اسباب (۲) فطری اسباب

شرعی اسباب: وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ نص قرآنی یا حدیث نبوی شرعی حیثیت دی ہے، جیسا دعا اور جائز جھاڑ پھونک، یہ شرعی اسباب ہیں جن کا اثر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے، خواہ بندہ خیر کا طالب ہو یا مشکل کشائی کا، پس ان اسباب کا اختیار کرنے والا ہوتا ہے دراصل اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس نے اس کا حکم دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ چیزیں اسباب و ذرائع ہیں۔ اس صورت میں اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے نہ کہ ان اسباب پر، اس لیے کہ اسی نے انہیں اسباب بنایا ہے اور وہ ان کو غیر مؤثر بنا دینے پر بھی قادر ہے، لہٰذا ان ذرائع و اسباب کو اختیار کرنے کی صورت میں ہر وقت اعتماد صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے۔

فطری اسباب: وہ ہیں جن کے ساتھ ان کی تاثیر کی ایسی واضح مناسبت ہو کہ لوگوں میں ان کا ادراک حسی اور عقلی طور پر عام ہو، جیسے پانی پیاس بجھانے کا سبب ہے، اور

کپڑا سردی سے بچنے کا سبب ہے، اسی طرح خاص مادوں سے بنی ہوئی دوائیں ان جراثیم پر اثر انداز ہوتی ہیں جو بیماری کا سبب بنتے ہیں، اور ان کے لیے سم قاتل (قتل کرنے والا زہر) بن جاتی ہیں۔ یہ فطری اسباب ہیں جن کو بروئے کار لانے کی اسلامی شریعت نے انسانوں کو ترغیب دلائی ہے۔ لہٰذا ان اسباب کا استعمال دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے ان اسباب میں یہ متعین خواص ودیعت کیے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو زائل کر دینے پر قادر ہے، جیسا کہ اس نے اس آگ سے جلانے کی خاصیت زائل کر دی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھڑکائی گئی تھی۔

رہا ان تعویذوں کا مسئلہ جو موتیوں، دانوں اور گھونگھوں پر مشتمل ہوں، تو ان میں کسی قسم کی تاثیر کا کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ آپ خود غور کریں کہ ریٹھوں اور موتیوں کا بیماری دور کرنے یا ٹالنے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے!!؟ یہ تو محض ایسے جمادات ہیں کہ جن کی کوئی تاثیر نہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے بیماریوں کے لیے انہیں شرعی سبب بنایا ہے، اور نہ محسوس طور پر انسان مصائب وخطرات کے لیے انہیں فطری اسباب وذرائع جانتا اور مانتا ہے، لہٰذا ان پر اعتماد و بھروسا کرنا مشرکوں کے اس اعتماد و بھروسا کی طرح ہے جو وہ فوت شدہ بزرگوں اور بتوں پر کیا کرتے تھے، جو نہ سن سکتے تھے، نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی نفع ونقصان پہنچا سکتے تھے، اور وہ ان کے بارے میں یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ حصول خیر اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس واسطہ ہیں اور یہ بھی گمان کرتے تھے کہ ان فوت شدہ بزرگوں اور بتوں میں ایک خاص برکت ہے جسے وہ اپنے عبادت گزاروں کی طرف منتقل کرتے ہیں، اور جو ان کے مال و دولت میں اثر انداز ہوتی ہے۔

تعویذ کی حرمت کے دلائل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝﴾ (المائدہ: ۲۳)

''اور اللہ ہی پر بھروسا کرو اگر تم مومن ہو۔''

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ

نے فرمایا کہ: توکل علی اللہ کو ایمان کی شرط قرار دینا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ توکل نہ ہونے کی صورت میں ایمان بھی جاتا رہے گا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾ (یونس : ٨٤)

''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسا کرو اگر مسلمان ہو۔''

یعنی توکل علی اللہ کو اسلام کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور فرمایا:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (ابراهيم : ١٢)

''اور بھروسا کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

اس آیت میں مومنوں کی باقی دوسری صفات کے بجائے صفت ایمان کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اللہ پر توکل کرنے کا تقاضا کرتا ہے، نیز توکل کی مضبوطی اور کمزوری ایمان کی مضبوطی اور کمزوری پر منحصر ہے، یعنی جس قدر بندے کا ایمان مضبوط ہوگا، اسی قدر اس کا توکل علی اللہ بھی مضبوط ہوگا، اور جب ایمان کمزور ہوگا تو توکل علی اللہ بھی کمزور ہوگا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اگر بندے کا توکل علی اللہ کمزور ہے تو لازمی طور پر اس کا ایمان بھی کمزور ہے، اللہ تعالیٰ نے توکل اور عبادت کو، توکل اور ایمان کو، توکل اور تقویٰ (پرہیز گاری) کو، توکل اور اسلام کو، نیز توکل اور ہدایت کو ایک ساتھ جمع کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ توکل ایمان اور احسان کے تمام درجات و مراتب کی اصل ہے، بلکہ اسلام کے تمام اعمال کی اصل ہے، نیز توکل کی حیثیت اسلام کے تمام اعمال میں ایسی ہی ہے جیسے جسم میں سر کی حیثیت ہے، لہٰذا جس طرح سر جسم کے بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان اور اصول ایمان توکل کے بغیر باقی نہیں رہ سکتے۔

میں (یعنی شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب) کہتا ہوں کہ: آیت میں توکل علی اللہ کے عبادت ہونے کی دلیل ہے، اور اس کے فرض ہونے پر بھی دلیل ہے، اور جب بات ایسی ہے تو توکل کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک ہے...... شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے فرمایا: کوئی کسی مخلوق کے پاس اپنی مراد لے کر آئے یا اس پر بھروسا کرے تو اس کی مراد رائیگاں جائے گی، کیوں کہ وہ شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ (الحج: ۳۱)

"اور جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی دوسرے کو) شریک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

میں (شیخ سلیمان) کہتا ہوں کہ غیر اللہ پر توکل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایسے کاموں میں غیر اللہ پر توکل کرنا جس کی طاقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے، جیسے وہ لوگ جو مدد، امان، شفاعت اور روزی وغیرہ جیسے مقاصد کی برآری کے لیے فوت شدہ بزرگوں اور طاغوت پر بھروسا کرتے ہیں، تو یہ شرک اکبر، یعنی بڑا شرک ہے، کیوں کہ اس قسم کے سارے کاموں پر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو قدرت و طاقت حاصل ہے، کسی اور کو نہیں۔

۲۔ ظاہری اور رسمی اسباب کے پیش نظر کسی پر بھروسا کرنا، جیسے وہ شخص جو حاکم اور بادشاہ وغیرہ پر ان معاملات میں بھروسا کرتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دے دیا ہے، مثلاً: دادو دہش کرنا اور ظاہری خطرات کو روکنا وغیرہ، تو یہ شرک خفی، یعنی پوشیدہ شرک ہے، اس کو یوں سمجھیں کہ ایک شخص نے کسی کو اپنا وکیل مقرر کیا، تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس پر اسی حد تک بھروسا کرے جتنا اس کے مقدور میں ہو (یعنی اس کی قدرت و اختیار اور طاقت میں ہو) مکمل بھروسا کرنا صحیح نہیں، بلکہ کامل بھروسا اللہ تعالیٰ

پر کرے، کیوں کہ جس کام کی وکالت سونپی ہے اس کو آسان کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) نے ثابت کیا ہے۔ ❶

میں (ڈاکٹر علی بن نفیع العلیانی) کہتا ہوں کہ تمائم، یعنی ریٹھوں، دانوں اور موتیوں وغیرہ کے تعویذ پر کامل اعتماد کرنا شرک کی پہلی قسم سے تعلق رکھتا ہے، یعنی مردوں اور ان کے ہم مثل مخلوق پر اعتماد و بھروسا کرنے کی مانند ہے، جو نہ کسی چیز پر قدرت و طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ظاہری اور فطری اسباب و وسائل ہیں، اس کی مزید وضاحت آخری بحث میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

دوسری قسم:...... احادیث نبویہ سے استدلال:

تعویذ کے حرام ہونے پر حدیث شریف میں ان گنت دلیلیں ہیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی رَجُلًا فِیْ یَدِہٖ حَلَقَةٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذِهٖ؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ ❷ قَالَ انْزِعْهَا فَاِنَّهَا لَا تَزِیْدُكَ اِلَّا وَهْنًا فَاِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِیَ عَلَیْكَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا)) ❸

''نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں تانبے کا چھلہ دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ آدمی نے جواب دیا: ریاح کی وجہ سے پہن رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے نکال دو کیوں کہ یہ بیماری کو زیادہ ہی کرے گا، اور اگر تم اس حال میں مر گئے اور یہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔''

---

❶ تیسیرا العزیز الحمید ص ٤٩٧۔

❷ واهنه کندھوں اور ہاتھوں سمیت یا صرف ہاتھوں میں لگی ہوئی ریاح یا بیماری کو کہتے ہیں، دیکھئے: النهایه ٥/ ٢٣٤

❸ مختصراً کتاب الطب حدیث ٧٥٠٢ کتاب الطب باب تعلیق التمائم میں صحیح کہا ہے، ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ سنن ابن ماجه کتاب الطب۔ باب تعلیق التمائم، حدیث ٣٥٣١ دوسری نے ''النهج'' ص ٥٥ میں مبارک بن فضالہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

۲۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ)) ❶

''جو تعویذ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو گھونگا لٹکائے اللہ تعالیٰ اسے راحت وسکون عطا نہ کرے۔''

۳۔ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت آئی، جن میں سے نو آدمیوں سے آپ نے بیعت فرما لی اور ایک آدمی سے دست کش ہو گئے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور ایک آدمی کو کیوں چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ عَلَيْهِ تَمِيْمَةٌ))

''اس لیے کہ اس کے جسم پر تعویذ ہے۔''

اس شخص نے اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے تعویذ کو کاٹ دیا، پھر آپ نے اس سے بیعت لے لی اور فرمایا:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ)) ❷

---

❶ مسند احمد ٤/١٥٤ (حدیث ١٧٠٩) وابو یعلی حدیث ١٧٥٩۔ الحاکم کتاب الطب ٤/٢١٦ حدیث ٧٥٠١ میں صحیح کہا ہے، ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، اور دوسری نے "النہج" ص ٥٦ میں ضعیف کہا ہے، لیکن منذری نے ترغیب ٤/ ١٣٣ (حدیث نمبر ٥٠٦٤) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔

❷ مسند احمد ٤/١٥٦ حدیث ١٧٥٥٨ واخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر ١٧/١٣٩ الحاکم کتاب الطب ٤/٢١٩ حدیث ٧٥١٣ میں، اور البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ صحیحہ حدیث نمبر ٤٩٢ میں صحیح کہا ہے، اور دوسری نے "النہج" میں ص ٥٧ میں حسن کہا ہے، منذری نے ترغیب ٤ / ١٣٣ (حدیث ٥٠٦٤) میں اور ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں کہا ہے کہ احمد کے رواۃ ثقہ ہیں۔

''جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔''

۴۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بیمار آدمی کے پاس گئے، اس کے بازو میں پٹہ دیکھا تو اسے کاٹ دیا یا اتار کر پھینک دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ (یوسف: ١٠٦)

''ان میں سے اکثر لوگ تو اللہ کو مانتے ہیں، مگر اس طرح سے کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' ❶

یہ اثر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ تعویذ لٹکانے کو شرک سمجھتے تھے، اور ظاہر ہے یہ بات انہوں نے اپنی طرف سے نہیں کہی ہوگی۔

۵۔ سیدنا عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ وہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے (عبداللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ اور لوگ سو رہے تھے) ❷

تو آپ نے قاصد بھیج کر لوگوں کو حکم فرمایا:

((لَا تُبْقَيَنَّ فِيْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قَلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قَلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ)) ❸

''کسی اونٹ کی گردن میں تانت کی مالا یا کوئی بھی مالا ہرگز باقی نہ رہے، بلکہ کاٹ دی جائے۔''

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تانت کے معنی میں تین اقوال ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عرب اپنے عقیدے کے مطابق اونٹ کی گردن میں مضبوط تانت کی مالا نظر بد سے بچنے کے لیے ڈال دیتے تھے، تو انہیں اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے اسے کاٹ دینے کا حکم دیا گیا، کہ یہ تانت اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو ٹال نہیں سکتے، یہ قول

---

❶ تفسیر ابن کثیر ٤ / ٣٤٢

❷ عبداللہ سے مراد عبداللہ بن ابی بکر ہیں جنہوں نے اس حدیث کو عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

❸ مسلم کتاب اللباس باب کراهية قلادة الوتر في رقبة البعير، حديث ٢١١٥۔ ٢١١

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ان کا یہ قول حدیث کے ساتھ ان کی مؤطا میں موجود ہے۔ ❶

مسلم اور ابو داؤد وغیرہ میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا:

((أَرٰى ذٰلِكَ مِنْ أَجْلِ الْعَيْنِ)) ❷

''میرا خیال ہے کہ تانت کی مالا نظر بد کی وجہ سے تھی۔''

۶۔ سیدنا ابو وہب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ارْتَبِطُوْا الْخَيْلَ وامْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَأَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا، وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْأَوْتَارَ)) ❸

''گھوڑوں کو باندھ دیا کرو، ان کی پیشانیوں اور پچھلے حصے پر ہاتھ پھیر دیا کرو، اور ان کو پٹہ پہنا دیا کرو، لیکن تانت کا پٹہ نہ پہناؤ......''

۷۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ جب گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھنکھارتے اور تھوکتے تاکہ اچانک ہم میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھ لیں جو انہیں ناپسند ہو، کہتی ہیں کہ ایک دن وہ آئے اور حسب عادت کھنکھارا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی، جو مجھے حمرہ ❹ کی وجہ سے جھاڑ پھونک کر رہی تھی، میں نے اس عورت کو چارپائی کے نیچے چھپا دیا، عبداللہ میرے پاس آئے اور

---

❶ صحیح بخاری مع فتح الباری ۶/ ۱۴۱۔ صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد: باب ما قیل فی الجرس ونحوه فی اعناق الابل حدیث ۳۰۰۵)

❷ تانت کاٹنے کے حکم کی علت کی طرف اشارہ ہے، یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے ہوئے سنا: میرا خیال ہے کہ یہ نظر بد کی وجہ سے ہے۔ موطا امام مالك۔ كتاب صفة النبی ﷺ: باب ما جاء فی نزع المعالیق والجرس من العنق (حدیث ۳۹۔ ۱۸۰۸)

❸ سنن النسائی۔ باب ما یستحب من شية الخیل حدیث ۳۰۶۰ و ابن ابی حاتم، دوسری نے عروہ بن زبیر کے حذیفہ سے عدم سماع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے (دیکھئے: النہج ص ۵۷)

❹ حمرہ یعنی سرخ رنگ، اس سے مراد ایک قسم کی وبائی بیماری ہے، جس کی وجہ سے بخار آجاتا ہے اور بدن پر سرخ دانے پڑ جاتے ہیں۔ دیکھئے: مصباح اللغات ص ۱۷۵ (م م)

میرے بغل میں بیٹھ گئے، انہوں نے میرے گلے میں ایک دھاگا دیکھا تو پوچھا: ''یہ کیسا دھاگا ہے؟'' میں نے کہا: یہ دھاگا ہے جس میں میرے لیے دم کیا گیا ہے۔'' وہ کہتی ہیں: یہ سن کر عبداللہؓ نے اسے پکڑ کر کاٹ دیا اور کہا: ''بے شک عبداللہ کا خاندان شرک سے بے نیاز ہے۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

((اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوْلَةَ شِرْكٌ)) ❶

''جھاڑ پھونک، تعویذ اور محبت کا منتر یہ سب شرک ہیں۔''

۸۔ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عکیم کے پاس عیادت کے لیے گئے، وہ بیمار تھے، ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کوئی چیز پہن لیں (تو شاید عافیت ہو جائے) تو انہوں نے کہا: ''میں کوئی چیز پہنوں!!؟ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُكِلَ اِلَیْهِ)) ❷

''جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کر دیا گیا۔''

۹۔ سیدنا رویفع بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَلَّ الْحَیَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِیْ فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْیَتَهُ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا أَوِ اسْتَنْجٰی بِرَجِیْعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْءٌ مِنْهُ)) ❸

---

❶ مسند احمد ۱/ ۳۸۱ حاکم کتاب الطب ٤/۲۱۷ حدیث ۷۵۰۵ میں صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور سنن ابن ماجه کتاب الطب: باب تعلیق التمائم حدث ۳۵۳۰ سنن ابی داؤد، کتاب الطب: باب فی تعلیق التمائم حدیث ۳۸۸۳ (۳۵۳۰) اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن ماجه ۲/ ۲٦۹ میں صحیح کہا ہے۔

❷ مسند احمد ٤ / ۳۱۱، الحاکم کتاب الطب حدیث ۷۵۰۳، ترمذی اور البانی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی۔ کتاب الطب: باب ما جاء فی کراهية التعليق حديث ۲۰۷۲ اسناده ضعيف بتحقيق انظر سنن اربعہ زبیر علی زئی نے حزرو میں حسن کہا ہے۔

❸ مسند احمد ٤/ ۱۰۸، سنن نسائی۔ کتاب الزینة۔ باب عقد اللحية حديث ۵۰٦۷ اور البانی رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد کتاب الطهارة: باب ما ينهى عنه ان يستنجى به حدیث ۳٦ میں صحیح کہا ہے۔

''اے رویفع !......شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو تو تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی، یا تانت کا پٹہ پہنا، یا جانوروں کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کیا تو محمد (ﷺ) اس سے بری ہیں۔''

یہ تمام احادیث بشکل مجموعی قطعی طور پر تعویذ لٹکانے کی حرمت اور اس کے شرک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو اور توحید کی مخالف اور اس کو داغدار کرنے والی باتوں کو تمام مخلوق سے زیادہ جانتے ہیں۔

رہا وہ اثر جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

((اَلتَّمَائِمُ مَا عُلِّقَ قَبْلَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ وَاَمَّا مَا عُلِّقَ بَعْدَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ فَلَيْسَ بِتَمِيْمَةٍ)) [1]

''تعویذ وہ ہے جو مصیبت آنے سے پہلے لٹکایا جائے اور جو تعویذ مصیبت آ جانے کے بعد لٹکایا جائے وہ تعویذ نہیں ہے۔''

تو اس اثر کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے وہ تعویذ مراد لیتی ہیں جو قرآن سے ہوں، کیوں کہ بعض اسلاف قرآن کا تعویذ لٹکانا جائز کہتے ہیں، جیسا کہ آگے اس کی بحث آئے گی۔ ان شاء اللہ!

نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری کے بعد قرآن کا تعویذ لٹکانا جائز کہتی تھیں نہ کہ پہلے۔

اسی طرح علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ بیماری لگ جانے سے پہلے جھاڑ پھونک اور داغنے وغیرہ کے علاج کا استعمال اللہ تعالیٰ پر توکل کامل کے منافی ہے، ان علماء کرام نے اس حدیث کا یہی معنی مراد لیا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل ہوں گے، جو نہ بدشگونی لیں گے، نہ داغنے سے علاج کریں گے اور نہ جھاڑ پھونک کرائیں گے، بلکہ اپنے

---

[1] دیکھئے: بیهقی ۹/ ۳۵۰ اور مستدرك حاكم ٤/ ٢١٧۔

رب پر کامل بھروسا کریں گے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ داؤدی اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے وہ لوگ مراد ہیں جو حالت صحت وتندرستی میں بیماری لگنے کے خوف سے ایسا نہیں کرتے، البتہ جو لوگ بیماری لگنے کے بعد دوا وعلاج کریں وہ لوگ مراد نہیں ہیں، اور یہی علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی پسند ہے۔ [1]

نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمائم (تعویذوں) کو بشکل عام مراد نہیں لے رہی ہیں، کیوں کہ ریٹھوں، موتیوں، کوڑیوں اور گھونگھوں وغیرہ کے تعویذ لٹکانا، خواہ بیماری سے پہلے ہو یا بیماری کے بعد، سب کا ایک ہی حکم ہے، یعنی وہ شرک ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ نہیں۔

[1] فتح الباری: ۱۰/ ۱۷۹.

دوسری فصل:

تعویذ لٹکانا شرکِ اکبر ہے یا شرکِ اصغر؟

قبل اس کے کہ یہ بیان کیا جائے کہ تعویذ لٹکانا شرکِ اکبر ہے یا شرکِ اصغر، مناسب سمجھتا ہوں کہ شرک کی حقیقت مختصر مگر جامع طور پر بیان کر دوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرض ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نظیر و ہمسر بنا لے، جسے پکارے یا اس سے امید رکھے، یا اس سے ڈرے، یا اس پر بھروسا کرے، یا اس سے شفاعت طلب کرے، یا اس سے استغاثہ کرے، یا اس سے ان معاملات میں مدد طلب کرے جن پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے، یا اس سے فیصلہ مانگے، پھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کرے، یا اس سے قانون سازی میں مدد لے، یا اس کے لیے جانور ذبح کرے، یا اس کے لیے نذر مانے، یا اس سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرے، کیوں کہ ہر قول یا عمل یا عقیدہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، خواہ وہ امر واجب ہو یا مستحب اس امر کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ عزوجل نے رسول بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں اور آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تاکہ اسے پہچانا جائے، اس کی عبادت کی جائے، اس کی توحید کا اقرار کیا جائے اور پورا دین اسی کا ہو، اطاعت اسی کی ہو، دعا اور پکار اسی کی ہو۔

شرک دو طرح کا ہے:

پہلا شرک وہ ہے جو معبود کی ذات، اس کے ناموں، اس کی صفات اور اس کے کاموں سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا شرک وہ ہے جو معبود کی عبادت و معاملات میں ہوتا ہے، اس سے کوئی سروکار

نہیں کہ مؤخر الذکر شرک کا مرتکب یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے ناموں، صفتوں اور اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پہلے شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرک تعطیل، یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں اور صفتوں کا انکار کر دینا، یہ سب سے بدترین شرک ہے، جیسے فرعون کا شرک تھا، اس قسم کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱۔ چیزوں کو اس کے بنانے والے اور ایجاد کرنے والے سے بے تعلق کر دینا۔

۲۔ کائنات کے بنانے والے باری تعالیٰ کو اس کے ناموں، صفتوں اور کاموں سے بے تعلق کر کے اس کے کمال تقدس کا انکار کر دینا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ، یعنی حقیقت توحید کو جو کہ بندوں پر واجب ہے بندوں سے بے تعلق کر دینا۔

شرک کی دوسری قسم ان لوگوں کا شرک ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دوسرا معبود بنا لیا، کیوں کہ شرک کا معنی ہے کہ کسی مخلوق کا خالق کے مشابہ ہونے کا دعویٰ کرنا اور مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا، مشرک مخلوق کو خالق کی خصوصیت میں خالق کے مشابہ بنا دیتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نفع نقصان اور دینے نہ دینے کا تنہا مالک ہے، جس سے لازم آتا ہے کہ دعا اور خوف، امید اور بھروسا بھی صرف اسی پر ہو، لہٰذا جس کسی نے ان چیزوں کو مخلوق سے وابستہ کیا اس نے مخلوق کو خالق کے مشابہ بنا دیا، اور عاجز اور فقیر بالذات مخلوق کو قادر مطلق اور غنی بالذات خالق کے مشابہ کر دینا سب سے بڑی تشبیہ ہے۔

رہا وہ بندہ مخلوق جس نے خود کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر و مشابہ سمجھا، اگر اس نے ایسا اپنی عظمت اور تکبر کے اظہار کے لیے کیا اور لوگوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اس کی مدح سرائی کریں، اس کی عظمت کے گن گائیں، اس کے سامنے سرنگوں رہیں اور اس سے امیدیں وابستہ کریں، نیز یہ بھی دعوت دی کہ کوئی بھی مقام ہو، خوف ہو، امید ہو، تلاش پناہ ہو یا طلب

مدد ہو اسی سے لو لگائیں، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت کا دعویٰ کیا اور اس کی ربوبیت والوہیت میں اس کے مشابہ بن گیا۔

شرک کا ابتدائی مرحلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے، چنانچہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ بنانا اللہ تعالیٰ کے حق ربوبیت و الوہیت اور حق وحدانیت کو کم کرنے کے مترادف ہے، اور اس کی شان بے نیازی میں بدگمانی کی علامت ہے، لہٰذا یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ایسا کام مشروع قرار دے جو اس کی شان بے نیازی میں توہین کا باعث ہو اور عقلی و فطری طور پر بھی اس کا جواز ناممکن ہو، اور فطرت سلیمہ کا ناگوار سمجھنا اس چیز کا سب سے بڑا عیب ہے۔ [1]

شیخ مبارک بن محمد المیلی فرماتے ہیں کہ سورۂ سباء کی آیت مبارکہ شرک کی تمام قسموں کو شامل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾

(سبا: ۲۲، ۲۳)

”اے نبی! ان مشرکوں سے کہو کہ پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں، وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی، بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔“

اس آیت نے شرک کو چار قسموں میں تقسیم کر دیا ہے اور چاروں کی نفی بھی کر دی ہے، ہم

[1] الجواب الکافی ص ۱۱۳ تا ۱۲۱ سے تصرف کے ساتھ ماخوذ ہے۔

ہر ایک کو ایک جداگانہ نام سے موسوم کرتے ہیں:

ا۔ شرکِ اختیار:

اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر اللہ کو بھی کسی چیز کا تنہا مالک سمجھنا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کی ہے کہ غیر اللہ بھی کسی چیز کا مستقل مالک ہو، خواہ عالم علوی (آسمان) یا عالم سفلی (زمین) کی ذرہ برابر کی کوئی ادنیٰ سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ (چنانچہ فرمایا: وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں)

۲۔ شرکِ شیاع:

حصہ داری کا شرک (یعنی اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ میں حصہ داری کا تصور رکھنا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ غیر اللہ کے لیے کسی بھی طرح کی حصہ داری کی نفی کر دی ہے، کون و مکان کے اندر حصہ داری ہو یا جاہ و مرتبہ کے اندر (چنانچہ فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں اس کے شریک بھی نہیں ہیں)

۳۔ شرکِ اعانت:

مدد کرنے میں اللہ کا شریک بنانا، یعنی ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی دار نہ سہی پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی معین و مددگار رہے، جیسے کوئی انسان کسی کی سامان اٹھانے میں مدد کرتا ہے، اس شرک کی بھی نفی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کر دی ہے۔ (چنانچہ فرمایا: ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں)

۴۔ شرکِ شفاعت:

سفارش میں اللہ کا شریک ٹھہرانا (یعنی کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جاہ و جلال کے سبب کسی کو سفارش سے گلو خلاصی دلا دے) تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی نفی کر دی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جاہ و جلال کے حوالہ سے اپنی سفارش کے ذریعے کسی گناہ گار کو نجات دلا سکے (چنانچہ فرمایا: اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی)

یعنی اللہ سب سے ادنیٰ اور مخفی شرک بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، اور وہ ہے سلامتی اور نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کے جاہ و جلال میں دوسرے کے جاہ و جلال کو شریک کرنا، ہاں اگر شفاعت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو اور اس شخص کی بھی تعین کر دی گئی ہو جس کے لیے سفارش کرنی ہے تو ایسی سفارش میں شرک کا شائبہ نہیں ہے، کیوں کہ سفارش بھی نفع کی دوسری صورتوں کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی خاص ملکیت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا ہے کہ سورۂ سبا کی مذکورہ بالا آیت سے شرک کی کوئی قسم بھی خارج نہیں، کیوں کہ شریک یا تو ملکیت میں شریک ہوگا یا تو تصرف میں۔ پہلی صورت میں یا تو وہ اپنے حصہ کا تنہا مالک ہوگا یا اس حصے میں دونوں حصہ دار برابر کے شریک ہوں گے، اور دوسری صورت میں شریک یا تو خود مالک کی مدد کرے گا یا مالک کے پاس کسی غیر کی مدد کرے گا، اور یہ چاروں قسمیں ترتیب وار اس آیت میں موجود ہیں، آیت میں ان چاروں قسموں کے ظاہر و باہر ہونے کے باوجود میرا خیال ہے کہ کسی نے ایسی توضیح نہیں کی ہے جس طرح میں نے کی ہے۔ ❶

میں (ڈاکٹر علی بن نفیع علیانی) کہتا ہوں: بلکہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی انداز سے اس آیت کی توضیح کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ”اللہ تعالیٰ نے ان تمام اسباب کو بالکل کاٹ دیا ہے، جن پر تمام مشرکوں کو تکیہ تھا، چنانچہ غور و فکر کرنے والے کو اس کا علم ہو جائے گا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا کارساز یا سفارشی بنایا اس کی مثال مکڑی کی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اور سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ

---

❶ الشرك و مظاهره للميلي ٦٦.

مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ۝ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾

(سبا: ۲۲، ۲۳)

''اے نبی! ان مشرکوں سے کہو کہ پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو، وہ نہ آسمان میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں، وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہوسکتی، بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشرک دراصل کسی کو اپنا معبود اس عقیدہ کی بنا پر بناتا ہے کہ اس کے ذریعے اسے نفع حاصل ہوگا، حالانکہ نفع صرف اس ذات سے حاصل ہوسکتا ہے جس کے اندر ان چار خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہو، یا تو وہ ذات اس نفع کی مالک ہو جو اس کا مرید چاہتا ہے، اور اگر اس نفع کی مالک نہ ہو تو کم از کم مالک کی شریک ہو، اور اگر مالک کی شریک بھی نہ ہو تو اس کی معاون و مددگار ہو، اور اگر معاون و مددگار بھی نہ ہو تو اس کے پاس سفارش کا حق رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر سے نیچے تک ان چاروں مراتب کی ترتیب وار نفی کر دی ہے، چنانچہ سب سے پہلے ملکیت کی نفی کی، پھر ساجھی داری کی، پھر امداد و تعاون کی اور سب سے آخر میں شفاعت کی نفی کی، جس کا مشرک گمان کرتے ہیں۔ البتہ ایک ایسی سفارش کو ثابت کیا ہے جس میں مشرکوں کا کوئی حصہ نہیں [1] اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾ (٤/٤٨) ''بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔'' جب شرک معاف ہی نہیں ہوگا تو مشرک کے لیے شفاعت کی اجازت کا سوال ہی نہیں رہا، نیز صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے اور ہر نبی اپنی اپنی دعائیں مانگ چکے، اور میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا رکھی ہے، جو اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوۃ الشفاعۃ لامته حدیث ١٩٩/٣٣٨

اجازت سے سفارش کرنا۔ ❶

غالباً شیخ میلی رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس کلام کا علم نہیں ہو سکا، اور انہوں نے بھی تقریباً وہی کہا جو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا تھا، اہل علم کی یوں متشابہ باتوں کو ''توارد خاطر'' کہا جاتا ہے۔ بہر حال شرک کی جس تقسیم کی طرف دونوں بزرگوں نے اشارہ کیا ہے وہ اس آیت کریمہ سے ظاہر و باہر ہے۔

ابو البقا کفوی نے اپنی کتاب ''کلیات'' میں شرک کی چھ قسمیں بتاتے ہوئے کہا کہ شرک کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ شرک استقلال:

یعنی دو مستقل ساجھی دار ماننا، جیسے مجوسیوں کا شرک ہے۔ ❷

۲۔ شرک تبعیض:

یعنی اللہ تعالیٰ کو چند خداؤں کا مجموعہ سمجھنا، جیسے نصاریٰ کا شرک ہے۔ ❸

۳۔ شرک تقریب:

یعنی غیر اللہ کی عبادت اس لیے کرنا کہ وہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دے گا، جیسے زمانۂ جاہلیت کے کافروں کا شرک تھا۔ ❹

---

❶ مدارج السالکین ۱ / ۳٤۳۔

❷ مجوسی یعنی آگ کی پوجا کرنے والی قوم، اس قوم کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں، ایک ''نور'' یعنی روشنی اور دوسرا ''ظلمت'' یعنی تاریکی، بھلائی کا پیدا کرنے والا نور ہے اور برائی کا پیدا کرنے والا ظلمت ہے۔ دیکھئے: الکواشف الجلیة عن معانی الواسطیة ص ٦٤٤، نیز تفسیر کی کتابوں میں سورہ حج آیت نمبر ۱۷ (م م)

❸ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں، یہ لوگ باپ (یعنی اللہ تعالیٰ) بیٹا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) اور روح القدس (یعنی مریم علیہا السلام) کے مجموعہ کو خدا مانتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر قرطبی ٦/ ۲۳ سورۂ نساء آیت ۱۷۱، اور ٦/ ۲٤۹، ۲۵۰ سورۂ مائدہ آیت ۷۳ اور دوسری تفسیریں (م م)

❹ چنانچہ ان کا شرکیہ عقیدہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳) ''رہے وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو سرپرست رکھتے ہیں (وہ اپنے اس فعل کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرا دیں۔'' (م م)

۴۔ شرک تقلید:

یعنی غیر اللہ کی عبادت دوسروں کی پیروی میں کرنا، جیسے بعد میں آنے والے اہل جاہلیت کا شرک ہے۔ ❶

۵۔ شرک اسباب:

یعنی فطری اسباب کو موثر قرار دینا، جیسے فلاسفہ، ماہر طبعیات اور ان کے پیروکاروں کا شرک۔ ❷

---

❶ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبہ: ۱۳) انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب مان لیا ہے، اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ایک کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ذات ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے مذکورہ آیت پڑھی تو انہوں نے کہا کہ وہ، یعنی نصاری اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں جب کہ لوگ (ٹوکنے کی بجائے) ان کی اتباع کرتے ہیں، تو یہ ان کی عبادت ہے، اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، نیز عبد ابن حمید، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے، (دیکھئے: فتح المجید،ص ۱۱۰، اور تفسیر کی کتابیں) اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل بزعم خویش اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے اس حق شریعت سازی و قانون سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں اللہ بناتے ہیں، (ماخوذ از فتح المجید اور تفسیر کی کتابیں) (م م)

❷ یہ گروہ خالق مختار کا منکر ہے، گردش زمانہ کو خالق مانتا ہے یعنی کائنات کی گردش سے طبیعتوں کا آپس میں امتزاج ہوتا ہے جس سے اشیاء کا وجود ہوتا ہے، چنانچہ یہ امتزاج جب ایک خاص شکل کا وجود پذیر ہوتا ہے تو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے، اور یہی امتزاج جب اس کے برعکس ہوتا ہے تو کوئی چیز مر جاتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے، یعنی پیدا کرنے والی اور مارنے والی، کائنات کی گردش ہے، کسی خالق مختار کی ضرورت نہیں ہے۔ (دیکھئے: امام رازی کی تفسیر کبیر، سورہ جاثیہ آیت: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾

۶۔شرک اغراض:

غیر اللہ (یعنی دنیاوی اغراض و مقاصد) کے لیے عمل کرنا۔ ❶

میں کہتا ہوں کہ شرک کی چند اور قسمیں ہیں جنہیں کفوی صاحب نے مستقل طور پر ذکر نہیں کیا، لیکن مذکورہ اقسام کے اندر ضمناً ان کا ذکر ہے، مثلاً: شرک اطاعت و اتباع، جیسے یہود و نصاریٰ کا شرک جو حلال و حرام کا حکم اپنے راہبوں سے اخذ کیا کرتے تھے، محرمات کو حلال کرنے کا شرک، دین سے روگردانی کرنے کا شرک، تکبر و استہزا اور دین الٰہی کی تنقیص کرنے کا شرک، نافرمانی کا شرک، شرک نفاق اور شرک محبت، یہ تمام قسمیں شہوات و خواہشات اور نفس و شیطان کی عبادت میں داخل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ : ۲۳)

”کیا تم نے کبھی اس شخص پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا، اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا، اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد کون ہے

---

❶ دنیاوی اغراض و مقاصد اگر صرف ریاکاری، شہرت اور نام و نمود ہو تو اس کے شرک ہونے کا ثبوت اس حدیث میں موجود ہے: ((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ)) ”جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھانے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔ (رواہ مسند احمد ۱۲۶/٤ حدیث ۱۷۲۷۰)

اور اگر مال و دولت اور جاہ و منصب وغیرہ حاصل کرنا مقصود ہو تو اس کا شرک ہونا اس حدیث سے واضح ہے۔

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَةِ، وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْلَةِ، اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ، وَاِنْ لَمْ یُعْطَ سَخِطَ)) ”ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ، ہلاک ہو گیا درہم کا بندہ، ہلاک ہو گیا اونی چادر کا بندہ اور ہلاک ہو گیا مخملی چادر کا بندہ، اگر اسے دیا گیا تو خوش ہوا اور اگر نہیں دیا گیا تو ناراض ہو گیا۔ (بخاری۔ کتاب الجهاد، الحراسة فی الغزو فی سبیل الله الطیالسی ۱۱۲۰ حیث ۲۸۸۷)

جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟"

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یٰس: ٦٠)

"اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟"

بنیادی طور پر شرک کی دو قسمیں ہیں: (١) شرک اکبر (٢) اور شرک اصغر (یعنی بڑا شرک اور چھوٹا شرک) اور ان دونوں کے درمیان دنیاوی اور اخروی لحاظ سے فرق ہے۔ چنانچہ دنیا میں شرک اکبر کے مرتکب پر مرتد کی حد قائم کی جائے گی۔ نیز معاملات وتصرفات میں اس پر مرتد کے احکام نافذ ہوں گے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس کے تمام نیک اعمال باطل ہو جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (الفرقان: ٢٣)

"اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔"

لیکن آخرت میں اس کی پاداش ونتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

"اللہ تعالیٰ بس شرک کو معاف نہیں کرتا، اس کے سوا دوسرے (تمام) گناہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔"

رہا شرک اصغر (یعنی چھوٹا شرک) تو اس کا معاملہ شرک اکبر سے مختلف ہے، اگرچہ یہ بھی خطرناک ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ شرک اصغر گناہ کبیرہ سے بڑا گناہ

ہے، اگر چہ شرک اکبر کے درجہ کا نہیں، تفصیل آئندہ آئے گی۔ ❶ ان شاء اللہ

لیکن سوال یہ ہے کہ دونوں قسم کے شرک کا فرق کس طرح معلوم ہوتا کہ تعویذ کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ یہ شرک اکبر ہے یا شرک اصغر (یعنی تعویذ لٹکانا بڑا شرک ہے یا چھوٹا) اس سلسلے میں متعدد قاعدے اور ضابطے ہیں، جن کے ذریعے شرک اکبر اور شرک اصغر میں تفریق کی جا سکتی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ کسی شخص نے شرکیہ الفاظ استعمال کیے ہوں لیکن اس کا مقصد غیر اللہ کی کسی طرح عبادت نہ ہو تو شرک اصغر ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا:

((مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ)) ''جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں (وہی ہوگا)۔''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا؟ بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) ❷

''کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ بلکہ جو صرف اللہ چاہے وہی ہوگا۔''

نیز آپ نے فرمایا:

---

❶ شیخ عبدالعزیز محمد سلمان نے شرک اکبر اور شرک اصغر کے درمیان چار فرق بیان کیے ہیں:

ا:...... شرک اکبر کا مرتکب ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا، اور شرک اصغر کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، چاہے گا تو معاف کر دے گا، نہیں چاہے گا تو نہیں معاف کرے گا۔

۲:...... شرک اکبر سے تمام نیک اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں اور شرک اصغر سے صرف وہی عمل ضائع ہوتا ہے، جس میں شرک واقع ہوا ہے۔

۳:...... شرک اکبر مسلمان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے لیکن شرک اصغر مسلمان کو اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

۴:...... شرک اکبر کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور شرک اصغر کا مرتکب دوسرے گناہ گاروں کی طرح ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرک اصغر کا مرتکب بھی شرک اکبر کی طرح بغیر توبہ کے معاف نہیں کیا جائے گا، اور یہی قول صحت سے زیادہ قریب ہے، واللہ اعلم (الكواشف الجليه ص ۳۲۲)

❷ مسند احمد حدیث ۱۸۳۹ مسند احمد ۲۱٤/۱، سنن ابن ماجه۔ كتاب الكفارات: باب النهي ان يقال ما شاء الله وشئت حديث ۲۱۱۷ والبخاري في الادب المفرد ۷۸۳ وابن ابي شيبه ۳٤٦/۱۰ والنسائي في عمل اليوم والليله ۹۸۸، اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (صحيح ابن ماجه ۳٦۲/۱)

((لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ)) ❶

''یہ نہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے، بلکہ یوں کہو: جو اللہ تعالیٰ چاہے، پھر فلاں شخص چاہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضاحت فرمائی ہے کہ الفاظ میں شرک کا مظہر ہی شرک خفی (یعنی پوشیدہ شرک) ہے، اور شرک خفی ہی شرک اصغر ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ❷ کی تفسیر میں فرمایا:

"انداد" ایسا شرک ہے جو رات کی تاریکی میں چکنے سیاہ پتھر پر چلنے والی چیونٹی کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تم کہو: قسم ہے اللہ کی اور تمہاری زندگی کی اور میری زندگی کی۔ اور تم کہو: اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور ہمارے گھر میں آ جاتا۔ اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور چوری کر جاتا۔ اسی طرح کسی سے یہ کہنا کہ جو اللہ چاہے اور تم چاہو، اور اگر اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا، (تو ایسا ہو جاتا) (ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:) فلاں کو بیچ میں نہ لاؤ، کیوں کہ یہ سب کا سب شرک ہے۔'' ❸

اسی طرح کی بات عکرمہ نے بھی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں کہی ہے۔ ❹

اسی طرح غیر اللہ کی قسم کھانا بھی شرک ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ أَشْرَكَ)) ❺

---

❶ مسند احمد ٥ / ٣٨٤۔ وابوداؤد۔ کتاب الادب: باب لا یقال خبث نفسی حدیث ٤٨٩٠

❷ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کے مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔ (البقرہ ٢ / ٢٢) (م م)

❸ تفسیر ابن کثیر ١ / ٥٧۔ ❹ دیکھئے: تفسیر قرطبی ١ / ١٢٧۔

❺ مسند احمد حدیث ٤٩٠٤۔ ابو یعلی ٥٦٦٨ الطیالسی ١٨٩٦ عبدالرزاق ١٠٩٢٦۔ ٢ / ٣٤، حاکم ١ / ١٨ اور حاکم نے صحیح کہا ہے، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ سنن ترمذی۔ کتاب النذور والایمان، باب ما جاء ان من حلف بغیر...... حدیث ١٠٣٠ سنن داؤد کتاب الایمان والنذور، ⇦⇦⇦

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔"

یہ حکم شرک اصغر پر محمول ہوگا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان گزرا۔ نیز غیر اللہ کی طرف نسبت کر کے نام رکھنا شرک اصغر ہے، جیسے عبدالحسن اور عبدالحسین وغیرہ۔

۲۔ شرک اکبر اور اصغر کو پہچاننے کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ شرک اغراض و مقاصد میں واقع ہو تو یہ شرک اصغر ہے، بشرطیکہ شرک کرنے والا اعتقادی منافق نہ ہو، ورنہ یہ شرک اکبر ہو جائے گا، اعتقادی منافق سے مراد وہ شخص ہے جو بغیر ایمان کے عمل کرے، یا اس ایمان سے اس کا مقصود دنیا طلبی ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○﴾

(هود: ۱۵، ۱٦)

"جو لوگ بس دنیاوی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم ان کو یہیں دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہو گیا، اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔"

اس شرک کی مثال یہ ہے کہ انسان اپنی نماز اس لیے خوبصورت طریقہ سے پڑھے کہ دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے، یا اس قسم کے دوسرے مقاصد پیش نظر ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر اسے شرک اصغر قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور فرمایا:

⇦⇦⇦ باب كراهية الحلف باب حديث ۳۲۰۱ میں روایت کیا ہے، البانی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی اور ارواء الغلیل حدیث نمبر ٥٦١ اور الصحیحہ نمبر ۲۰٤۲ میں صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ترمذی ۲/۹۹۔

((یَـا أَیُّھَـا الـنَّـاسُ اِیَّاکُمْ وَشِرْكَ السَّرَائِرِ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا شِرْكُ السَّرَائِرُ؟ قَالَ: یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیُصَلِّی فَیُزَیِّنُ صَـلَاتَهُ جَاهِدًا لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ النَّاسِ اِلَیْهِ فَذٰلِكَ شِرْكُ السَّرَائِرُ)) ❶

''اے لوگو! تم اپنے آپ کو پوشیدہ شرک سے بچاؤ، صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ! یہ پوشیدہ شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی نماز اس لیے خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنی طرف لوگوں کی اٹھتی ہوئی نگاہیں دیکھ رہا ہوتا ہے (یعنی وہ لوگوں میں اچھا بننے اور اپنی تعریف کروانے کے لیے کہ یہ بڑی خوبصورت اور خشوع خضوع والی نماز پڑھتا ہے) یہ ہے پوشیدہ شرک۔''

سیّدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ریا کو شرک اصغر شمار کرتے تھے۔ ❷

اور زید بن اسلم سے روایت ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف آئے تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتا ہوا پایا، پوچھا: معاذ! کیوں رو رہے ہو؟ سیدنا معاذ نے فرمایا: ایک حدیث مجھے رلا رہی ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

((اَلْیَسِیْـرُ مِـنَ الـرِّیَـاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادَ أَوْلِیَاءَ اللّٰهِ فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِـالْـمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْأَتْقِیَاءَ الْأَخْفِیَاءِ الَّذِیْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ یُفْتَقَـدُوْا وَاِنْ حَضَـرُوْا لَـمْ یُعْرَفُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِیْحُ الْهُدٰی

❶ بیهقی ۲/ ۲۹۱، دوسری نے ''النهج'' ص ۲۱۱ میں صحیح کہا ہے، اور کہا کہ کتاب الصلاۃ ابن خزیمه: باب التغلیظ فی المراة ۲/ ۶۷ حدیث ۹۳۷ میں روایت کیا ہے، اور ذہبی نے ''مهذب'' ۲/ ۲۶۱ میں حسن کہا ہے۔

❷ حاکم کتاب الرقاق ۴/ ۳۲۹ حدیث ۷۹۳۷۔ میں روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے، ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، اور دوسری نے ''النهج'' ص ۲۱۱ میں حسن کہا ہے، اور اس کی تخریج کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔

يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ)) ❶

''معمولی ریاء بھی شرک ہے، اور جس نے اولیاء اللہ سے دشمنی کی وہ اللہ سے لڑائی کے لیے نکل کھڑا ہوا، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے پرہیز گار گمنام لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو غائب ہوتے ہیں تو ان کی تلاش نہیں کی جاتی، اور جب موجود ہوتے ہیں تو پہچانے نہیں جاتے۔ ان کے دل شمع ہدایت ہوتے ہیں، وہ ہر تاریک دور میں پیدا ہوتے ہیں۔

ابو البقا کفوی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ شرکِ اصغر کے مرتکب پر کفر اکبر کا حکم نہیں لگ سکتا جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ ❷

حصول دنیا کے لیے عمل کرنا بھی شرکِ اصغر ہے، بشرطیکہ یہی اس کا بنیادی مقصد نہ ہو، بلکہ حصول دنیا کے ساتھ ساتھ اجر وثواب کا بھی ارادہ ہو، تو یہ شرکیہ عمل ہوگا، جیسے وہ مجاہد جو اجر وثواب کے ساتھ شہرت و ناموری کا بھی خواہش مند ہو، یا اجر وثواب کے ساتھ ساتھ مال و دولت کا بھی ارادہ رکھتا ہو، (تفصیل آئندہ آئے گی ان شاء اللہ) جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْلَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ)) ❸

''ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ، ہلاک ہو گیا درہم کا بندہ، ہلاک ہو گیا اونی چادر کا بندہ اور ہلاک ہو گیا مخملی چادر کا بندہ (ہلاک ہو گیا) اگر اسے دیا گیا تو راضی ہوا اور اگر نہیں دیا گیا تو ناراض ہو گیا۔''

لیکن اگر آدمی سرے سے اجر کا خواہش مند ہی نہ ہو بلکہ اپنے عمل سے صرف دنیا کا طالب

❶ حاکم نے ۴/۱ میں صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، سنن ابن ماجہ۔ كتاب الفتن: باب من ترجى له السلامة من الفتن۔ حديث نمبر ۳۹۸۹ اور دوسری نے "صحيح النهج" ص ۳۲۹ میں صحیح کہا ہے، اور اس کی تخریج کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔

❷ دیکھئے: "الشرك و مظاهره" للميلی ص ٦٦۔

❸ صحیح بخاری كتاب الجهاد باب الحراسة في الغزو في سبيل الله۔ حديث نمبر ۲۸۸۷

ہو تو یہ شرک اکبر ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، یہ اس شخص کی طرح ہے جو صرف مال و دولت حاصل کرنے کے لیے کلمہ شہادت کا اقرار کرے اور نماز ادا کرے۔

۳۔ تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ شرک اسباب وذرائع میں ہو، یعنی آدمی ایسے سبب اور وسیلہ پر بھروسا کرے جو دراصل نہ شرعی نقطۂ نظر سے سبب ہو اور نہ ہی قدرتی طور پر، تو اگر اس شخص کا اس سبب پر مکمل اعتماد نہ ہو اور نہ ہی یہ گمان ہو کہ یہ سبب اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر بذات خود اثر انداز ہو سکتا ہے، اور نہ ہی اس سبب کے لیے کسی طرح کی عبادت کرے، تو ایسی صورت میں یہ شرک اصغر ہو گا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا اِلَّا ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ)) [1]

”بدشگونی لینا شرک ہے، بدشگونی لینا شرک ہے، ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے دل میں اس قسم کا وہم نہ گزرتا ہو، مگر اللہ تعالیٰ توکل علی اللہ کی وجہ سے اسے دور کر دیتا ہے۔“

نیز سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ أَشْرَكَ قَالُوْا : فَمَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنْ تَقُوْلُوْا : اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ)) [2]

---

[1] احمد ۱ / ۳۸۹، حاکم ۱ /۱۸ و ابن حبان فی صحیحه برقم ۶۰۸۹ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابو داؤد ۲ / ۴۰ اور الصحیحه نمبر ۳۰ میں صحیح کہا ہے۔

[2] احمد ۲ / ۲۲۰، دوسری نے ”النهج“ ص ۱۶۳ میں صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمی نے ۵/۱۰۵ میں کہا کہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کی حدیث حسن ہے، اور دوسرے رجال ثقات ہیں۔

"جس شخص کو بدشگونی نے اس کی ضرورت سے واپس کر دیا اس نے شرک کیا، صحابہ کرام نے کہا: اے اللہ کے رسول! تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو: اے اللہ! بھلائی صرف تیری ہی جانب سے ہے اور قضاء و قدر صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہے، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی کہتے ہیں کہ شرک اصغر ہر وہ قول و فعل ہے جو شرک کی طرف لے جاتا ہے، جیسے مخلوق کی شان میں ایسا غلو کرنا جو عبادت کے درجہ کو نہ پہنچے، جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا یا معمولی ریا کاری وغیرہ۔ ❶

گزشتہ بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک اصغر ایسا شرک ہے جس سے نہ اصل ایمان جائے اور نہ خالص عبادت کے درجہ کو پہنچے کہ عبادت غیر اللہ کے لیے ثابت ہو جائے۔

شرک اصغر کی پہچان دوسرے متعدد دلائل سے بھی ہو سکتی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی خاص عمل کے شرک اصغر ہونے کی صراحت کر دی ہو، جیسے آپ کا یہ فرمان:

((اِنَّ أَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ)) ❷

"سب سے زیادہ جس چیز سے میں تمہارے بارے میں ڈرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے، صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری۔"

۲۔ ہر وہ عمل جسے کفر یا شرک قرار دیا گیا ہو، اور شارع علیہ السلام نے اس کی سزا مقرر کی ہو (مرتد کی سزا کے علاوہ، کیوں کہ ارتداد کفر اکبر ہے) تمام دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا عمل شرک اصغر ہو گا، اس کی مثال مسلمان کا قتل ہے۔

---

❶ القول السدید للشیخ عبدالرحمن بن سعدی ص ۲۴۔

❷ مسند احمد ۵/۴۲۸۔۸ ۲۴۳۰، ۲۴۰۳۶

اسے رسول اللہ ﷺ نے کفر کہا ہے، اور قاتل کی سزا قصاص ہے۔

مقتول کے ولی کو اختیار حاصل ہے کہ قصاص معاف کر دے یا دیت لے لے، لیکن اگر مرتد اسلام کی طرف نہ لوٹے تو اس کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔

نیز مسلمان کا آپس میں جنگ و جدال اگر چہ کفر ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ قتل کرنے والے کو ہمارا ایمانی بھائی قرار دیتا ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”درحقیقت مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی عمل کے شرک اصغر ہونے کی صراحت کر دیں، یا کسی نص شرعی سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فلاں کام شرک اصغر ہے (تو وہ شرک اصغر ہوگا) وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام شرک اکبر کا زمانہ گزار چکے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے عقیدہ کے مسائل کی اس طرح وضاحت فرما دی ہے کہ ان کے نزدیک شرک و توحید کے درمیان کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

نیز فقہی فروعی مسائل کی طرح مسائل شرکیہ میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اس لیے اس بارے میں صحابی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے۔

اس وضاحت کے پیش نظر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ تمائم (یعنی ریٹھوں، موتیوں، دانوں، کوڑیوں، گھونگھوں اور مچھلی کے دانت وغیرہ کے تعویذ لٹکانا) شرک اکبر ہے یا شرک اصغر۔ (چھوٹا شرک ہے یا بڑا)

درحقیقت تعویذ لٹکانا شرک فی الاسباب میں سے ہے، اور یہ شرک صاحب تعویذ کے احوال و کوائف کے اعتبار سے کبھی شرک اکبر ہوتا ہے کبھی شرک اصغر، اس لیے نہ مطلقاً اسے شرک اکبر کہا جا سکتا ہے اور نہ شرک اصغر، بلکہ تعویذ اور صاحب تعویذ کے حال پر غور کیا جائے

گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص بت لٹکائے یا شرکیہ کلمات لٹکائے، جس میں غیر اللہ سے استغاثہ ہو، یا غیر اللہ سے شفاء وصحت کی التجا ہو، یا صلیب لٹکائے، تو یہ سب بلا شبہ شرک اکبر ہیں۔ نیز اسی طرح اگر کوڑی، دھاگا وغیرہ لٹکا کر اس پر مکمل اعتماد کر لیا اور گمان کیا کہ یہ بذات خود بلاء کو ٹالنے والے ہیں تو یہ بھی شرک اکبر ہے، ورنہ شرک اصغر، اس حقیقت کی وضاحت کے لیے چند اہل علم کے فرمودات اور فتاویٰ آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ''کتاب التوحید'' میں ایک باب باندھا ہے کہ ''چھلہ اور دھاگہ وغیرہ مصیبت روکنے یا ٹالنے کے لیے پہننا شرک ہے'' اس باب کی شرح میں شیخ عبدالرحمن بن سعدی فرماتے ہیں:

''اس باب کو سمجھنا اسباب کے احکام کی معرفت پر موقوف ہے، اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ کے لیے اسباب کے بارے میں تین چیزوں کی معرفت ضروری ہے:

۱:......پہلی بات یہ ہے کہ انسان اسی چیز کو سبب بنائے جس کا سبب ہونا شرعی طور پر یا قدرتی طور پر ثابت ہو۔

۲:......دوسری بات یہ ہے کہ مشروع اور نفع بخش سبب اختیار کرنے کے باوجود انسان اس سبب پر بھروسا نہ کرے، بلکہ مسبب الاسباب قادر مطلق (اللہ) پر بھروسا کرے۔

۳:......تیسری بات یہ ہے کہ بندہ کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اسباب کتنے ہی بڑے اور طاقتور کیوں نہ ہوں، پھر بھی اللہ تعالیٰ کے نوشتہ تقدیر سے اس قدر جکڑے ہوتے ہیں کہ اس سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا، اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، چاہے تو اپنے تقاضائے حکمت کے مطابق اس کی سببیت کو باقی اور جاری رکھے، تاکہ بندے ان اسباب کی حقیقت پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کو پہچان لیں، کہ اس نے کس درجہ مسببات کو اسباب کے ساتھ اور معلول کو علت کے ساتھ جوڑ رکھا ہے، اور

اگر چاہے تو اپنی مشیت کے مطابق ان اسباب کو بدل بھی سکتا ہے، تا کہ بندے ان پر بھروسا نہ کرلیں، اور ان کے کمال قدرت کو جان لیں، اور ان پر آشکارا ہو جائے کہ تصرف مطلق اور ارادہ مطلق صرف اللہ وحدہ ہی کے لیے ہے، اسباب کے تئیں یہی نظریہ اور ان پر عمل کا یہی طریقہ ہر بندے کے لیے واجب ہے۔

اگر یہ بات واضح ہوگئی تو یہ بھی جان لیں کہ جس شخص نے چھلہ یا دھاگہ وغیرہ کسی مصیبت آنے سے پہلے اس کو روکنے کے لیے یا آنے کے بعد اس کو ٹالنے کے لیے پہنا تو اس نے شرک کیا، اس لیے کہ اگر اس نے ان کو بذات خود ٹالنے والا یا روکنے والا سمجھا تو یہ شرک اکبر ہے، یعنی پروردگار کی ربوبیت میں شرک ہے، کیوں کہ اس نے خلق و تدبیر میں اللہ کا شریک ٹھہرایا اور عبودیت میں بھی شرک کیا، کیوں کہ اس نے اس چھلہ وغیرہ کو "الٰہ" کا درجہ دیا اور اس سے نفع کی امید اور خواہش رکھ کر اپنے دل کو اس سے وابستہ کرلیا، لیکن اگر بندے نے اللہ تعالیٰ ہی کو مشکل کشا مانا اور ان چھلوں، دھاگوں وغیرہ کو اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا کہ یہ وہ اسباب ہیں جن سے بلائیں دور بھاگتی ہیں تو اس صورت میں اس نے اس چیز کو سبب بنالیا جو نہ شرعی طور پر سبب ہیں اور نہ ہی قدرتی طور پر۔

لہٰذا یہ حرام ہے اور شریعت اور تقدیر پر جھوٹا الزام ہے، کیوں کہ شریعت تو اس بات سے سختی سے منع کرتی ہے، اور شریعت جس چیز سے منع کرتی ہے، وہ نفع بخش ہو ہی نہیں سکتی۔

رہا قدرتی سبب ! تو یہ چھلہ وغیرہ نہ اسباب معروفہ میں سے ہے اور نہ ہی غیر معروفہ میں سے کہ جن سے مقصود حاصل ہو، اور نہ ہی نفع بخش دوا میں سے ہے، بلکہ یہ وسائل شرک میں سے ایک وسیلہ ہے، کیوں کہ اسے لٹکانے والے کا دل اس کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہو جاتا ہے اور یہ ایک قسم کا شرک اور اس کا ذریعہ ہے۔

رہے تعویذ! تو یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے جسم کے کسی حصہ سے باندھا یا لٹکایا جاتا ہے، اور جسے استعمال کرنے والے کا دل اس کی عقیدت میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

لہٰذا اس کا بھی وہی حکم ہے جو چھلہ اور دھاگہ وغیرہ کا ہے، یعنی ان میں سے کچھ شرک اکبر ہیں، جیسے وہ تعویذ جن میں شیطانوں یا دیگر کسی مخلوق سے استغاثہ کا معنی مخفی ہو، کیوں کہ جس چیز پر اللہ کے علاوہ کسی کو قدرت حاصل نہ ہو اس پر غیر اللہ سے استغاثہ کرنا شرک ہے، جس کا ذکر آئندہ آئے گا، ان شاء اللہ۔ اور کچھ تعویذ حرام ہیں، جیسے وہ تعویذ جن میں ایسے نام ہوں جن کا کوئی مفہوم نہ ہو، یہ تعویذ شرک کی طرف لے جاتے ہیں اس لیے حرام ہیں۔'' [1]

کچھ اسی طرح کی بات شیخ سلمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے، چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

''یہاں بلاء کو روکنے یا ٹالنے کے لیے تانبا، لوہا وغیرہ کے چھلوں کے تعویذ پہننے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے (تو اس کا حکم یہ ہے کہ) دراصل یہ عقیدہ توحید کا انکار ہے جو باری تعالیٰ کی الوہیت کے تئیں بندوں پر واجب ہے، کیوں کہ ''الٰہ'' ہر اس ذات کو کہتے ہیں جس سے دل کے اندر اس درجہ عقیدت ہو کہ اس سے وہی امیدیں وابستہ کر لی جائیں جو اللہ سے کی جاتی ہیں، جیسا کہ اس کی وضاحت توحید اطاعت وعبادت کے بیان میں گزر چکی ہے، اور وہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ سب سے عظیم اطاعت اور عبادت اللہ تعالیٰ کو پکارنا، اس سے امیدیں وابستہ رکھنا، اس پر بھروسا کرنا اور صرف اسے خیر وشر کے اندر تصرف کا حق دار سمجھنا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ

[1] القول السدید ص ٣٤ تا ٣٨۔

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ (یونس: ۱۰۷)

''اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں۔''

لہٰذا اگر کسی نے یہ عقیدہ رکھا کہ حلقوں، گنڈوں، ہڈیوں اور تعویذوں میں بلا اور مصیبت کو روکنے یا دور کرنے کی طاقت ہے تو اس عقیدہ کی بنا پر وہ شرک کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ کے تئیں جس عقیدہ اور تصور کا حکم ہے اس کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے کہا تھا جس نے اپنے بازو میں بیماری کی وجہ سے تانبے کا حلقہ پہن رکھا تھا:

((اِنْزَعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ إِلَّا وَهْنًا وَلَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا)) ❶

''اسے نکال پھینکو، یہ تمہاری بیماری کو مزید زیادہ ہی کرے گا، اور اگر تم مر گئے اور یہ حلقہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔''

اس حدیث میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کامیابی کی نفی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا یہ عمل شرک اکبر ہے، معاف نہیں ہوگا، بلکہ وہ شخص مذکورہ عقیدہ کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔'' ❷

شیخ نے اپنی کتاب ''تیسیر العزیز الحمید فی شرح الکتاب التوحید'' میں ذکر کیا ہے کہ بلا کو دفع کرنے کے لیے حلقہ اور دھاگا پہننا شرک اصغر میں سے ہے۔ ❸

---

❶ مسند احمد ٤/٤٤٥ حدیث ٢٠٢٤٢ والحاکم کتاب الطب ٤/٢١٦ وابن ماجه کتاب الطب باب تعلیق التمائم حدیث ٣٠٣١ وغیرہ نے یہ حدیث عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔

❷ التوضیح عن توحید الخلاق ص ٢٦٨۔

❸ دیکھیے: تیسیر العزیز الحمید ص ١٥٤، ١٥٨، ١٦٢۔

بلا شبہ شیخ کی مراد اس سے یہ ہے کہ جس نے ان میں صرف مصیبت کا اعتقاد رکھا ہو تو شرک اصغر ہے، لیکن اگر اس پر بھروسا کر لے اور ان کی جانب سے نفع کی امید رکھے اور دل میں اس سے عقیدت ہو، یا کوئی شرکیہ تعویذ ہو، مثلاً: یہ تعویذ ایسے استغاثہ پر مشتمل ہو کہ جس پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے، تو یقیناً یہ شرک اکبر ہو گا، آپ کی یہ رائے آپ کی کتاب "تیسیر العزیز الحمید" اور "التوضیح عن توحید الخلائق" میں آپ کے مجموعہ کلام سے واضح ہے۔

اسی طرح کی بات سماحة الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے، چنانچہ تعویذوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر ان میں شیطانوں کے نام ہوں، یا ہڈیوں، ریٹھوں اور کیلوں کے تعویذ ہوں، یا طلسمات یعنی حروف مقطعات (ا، ب ج وغیرہ) ہوں یا ان سے مشابہ کوئی اور چیز ہو تو یہ شرک اصغر ہے، اور یہی تعویذ کبھی شرک اکبر ہو جاتے ہیں، اگر تعویذ استعمال کرنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر یہ تعویذ اس کی حفاظت کریں گے، یا اس کی بیماری دور کریں گے، یا آنے والی مصیبت کو ٹال دیں گے۔ (تو یہ شرک اکبر ہو جائیں گے) [1]

نیز علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے حامد الفقی کے حاشیہ فتح المجید پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"صحیح بات یہ ہے کہ تعویذ لٹکانا دین کے ساتھ مذاق نہیں بلکہ شرک اصغر ہے اور جاہلیت کے مشابہ ہے، اور صاحب تعویذ کے دلی جذبات اور اعتقاد کے پیش نظر کبھی شرک اکبر بھی ہو جاتا ہے، مثلاً: اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تعویذ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نفع نقصان پہنچاتے ہیں، تو یہ شرک اکبر ہے، اور اگر وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ تعویذ نظر بد یا جن وغیرہ سے تحفظ کا ایک سبب ہیں تو یہ شرک اصغر ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تعویذوں کو سبب نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے برعکس

---

[1] مجموعہ فتاویٰ ابن باز ۲/ ۳۸٤۔

ان سے منع فرمایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ شرک ہے، اور یہ صرف اس لیے کہ صاحب تعویذ کی توجہ اس پر مرکوز ہو جاتی ہے اور اس کا دل ان تعویذوں سے وابستہ ہو کر رہ جاتا ہے۔"[1]

شیخ حافظ حکمی شعر کی زبان میں کہتے ہیں:

وَاِنْ تَـکُـنْ مِـمَّـا سِـوَا الْـوَحْـيَـيْـنِ
فَـاِنَّـهَـا شِـرْكٌ بِـغَـيْـرِ مَـيْـنِ
بَـلْ اِنَّـهَـا قَـسِـيْـمَـةُ الْاَزْلَامِ
فِـي الْـبُـعْـدِ عَـنْ سِـيْـمَـا أُولِـي الْاِسْـلَامِ

"اگر تعویذ دونوں وحیوں (یعنی قرآن و سنت) کے علاوہ سے ہوں تو بلا شبہ یہ شرک ہیں۔"

" (بلکہ یہ ازلام جاہلیت کے قرعہ کے تیروں) کے مشابہ اہل اسلام کے طور طریقہ سے دور ہیں۔"

شرح: ......یعنی اگر تعویذ قرآن و حدیث کے علاوہ یہودیوں، ہیکل کے پجاریوں، ستارہ پرستوں، ملائکہ پرستوں، جنات کی خدمات حاصل کرنے والوں کا بنایا ہوا طلسم ہو، یا ریٹھے، دانت اور لوہے کے حلقہ وغیرہ کے تعویذ ہوں تو یہ بلا شبہ شرک ہیں، نہ جائز اسباب میں سے ہیں نہ معروف دواؤں میں سے، بلکہ بت پرستوں کی طرح صاحب تعویذ کا ان کے بارے میں یہ بے بنیاد عقیدہ ہے کہ یہ اپنی ذاتی خاصیت سے فلاں فلاں بیماریوں کو ٹالتے ہیں، بلکہ ان تعویذوں کی نوعیت ان تیروں کی طرح ہے جن سے اہل جاہلیت حالت کفر میں قرعہ نکالا کرتے تھے۔ (جسے شریعت میں ازلام کہا جاتا ہے)

یہ (ازلام) تین تیر ہوتے تھے، ایک پر "افعل" (کرو) لکھا ہوتا، دوسرے پر "لا تفعل" (یعنی نہ کرو) لکھا ہوتا، اور تیسرے پر "غفل" لکھا ہوتا، جب انھیں کوئی اہم کام کرنا

[1] حاشیه فتح المجید ص ۱۳۳

ہوتا تو ان میں سے ایک تیر تھیلے سے نکالتے، اگر وہ تیر نکلتا جس پر ''کرو'' لکھا ہوتا تو وہ کام پر لگ جاتے، اور اگر ''نہ کرو'' والا تیر نکلتا تو کام کا ارادہ ترک کر دیتے، اور اگر تیسرا تیر نکلتا جس پر ''غفل'' لکھا ہوتا تو دوبارہ قرعہ نکالتے۔ (تعویذ بھی یہی ہے) اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم مسلمانوں کو قرعہ کے لیے اس کا بہتر بدل دیا ہے، یعنی نماز استخارہ اور اس کی مخصوص دعا کو مشروع کیا ہے۔ ❶

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ تعویذ جو قرآن وسنت سے ماخوذ نہ ہوں، وہ ان ہی تیروں کی طرح ہیں، کیوں کہ ان کے استعمال میں اعتقاد فاسد اور شریعت کی مخالفت کا دخل ہے، اور یہ مسلمانوں کا وطیرہ نہیں، کیوں کہ خالص توحید کے علم بردار اس قسم کے عقیدے سے مبرا ہوتے

---

❶ استخارہ کا مطلب اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جب کوئی ایسا جائز مباح کام کرنے کا ارادہ کرے جس کے خیر و شر کا پتہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کام میں خیر و برکت طلب کرنے اور اس کے شر سے بچنے کی غرض سے پہلے دو رکعت نفل نماز استخارہ کی نیت سے پڑھے، اس کے بعد یہ دعائے استخارہ پڑھے: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعِيْشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي عَاجِلِهٖ أَوْ اٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي وَبَارِكْ لِي فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعِيْشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، عَاجِلِهٖ أَوْ اٰجِلِهٖ، فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهٖ)) ''اے اللہ! میں تیرے علم کے حوالہ سے تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں، تیری قدرت کے حوالہ سے تجھ سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، تو طاقت والا ہے مجھے طاقت نہیں ہے، تو جانتا ہے میں جانتا نہیں، اور تو غیب کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو میرے اس کام میں (یہاں پر اس کام کا نام لے جس کا اس نے عزم کیا ہے) میرے لیے میرے دین میں، میری دنیا میں، میری آخرت میں اور انجام کار میں دیر یا سویر بھلائی جانتا ہے تو اسے میرا مقدر بنا دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے اور اس میں برکت عطاء کر، اور اگر اس کام کو میرے لیے نقصان دہ جانتا ہے میرے دین میری دنیا میں، میری آخرت اور انجام کار میں دیر یا سویر تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے، اور مجھے اس سے دور کر دے، اور بھلائی میرا مقدر بنا جہاں کہیں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی رکھ۔''

اس کے بعد اللہ پر بھروسا کر کے کام شروع کر دے، تو ان شاء اللہ خیر و برکت، ہوگی اور نقصان وخطرات سے نجات ملے گی۔ (بخاری۔ کتاب التهجد۔ ترمذی صلاۃ استخارہ۔ نسائی، کتاب النکاح، حدیث ۳۲۵۳۔ ابن ماجه، کتاب اقامت الصلاة، حدیث ۱۳۸۳۔ مسند احمد ۳۴۴/۳ ۳۱۷۶۔ معالم السنن، سنن ابی داؤد: ۱۸۸/۲۔ (م م)

ہیں، اور ان کے دلوں کا پختہ ایمان ان چیزوں کی آمیزش سے بالاتر ہوتا ہے، اور یہ موحدین اپنے یقین محکم کی بدولت غیر اللہ پر توکل اور بھروسا سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ ❶

میں کہتا ہوں کہ گزشتہ دلائل اور اہل علم کے فتاوے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تعویذ اور اس کے ہم مثل اشیاء پر اس وقت تک کوئی حکم لگانا مناسب نہیں ہوگا جب تک اس کے استعمال کرنے والے کی حالت اور خود تعویذوں کی نوعیت کا بغور مطالعہ نہ کر لیا جائے، نیز یہ ملحوظ خاطر رہے کہ شرک اصغر کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اسے محض شرک اکبر کی بہ نسبت اصغر کہہ دیا گیا ہے، ورنہ شرک اصغر تو گناہ کبیرہ سے بھی بڑا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَأَنْ أَحْلِفَ بِاللّٰهِ كَاذِبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقًا)) ❷

"اللہ کی جھوٹی قسم کھانا میرے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں۔"

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کو غیر اللہ کی سچی قسم پر ترجیح دی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا توحید ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے، گو کہ غیر اللہ کی قسم میں سچائی ہے، لیکن عقیدہ توحید صدق گوئی کے بالمقابل بڑی نیکی ہے، اور دروغ گوئی شرک سے چھوٹا گناہ ہے، اسے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) نے ذکر کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر اس بات پر دال ہے کہ غیر اللہ کی سچی قسم یمین غموس

---

❶ معارج القبول للحکمی ۱ / ۳۸٤۔

❷ مصنف عبدالرزاق ۸ / ٤٦۸، و مجمع الزوائد ٤ / ۱۷۷ میں روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ طبرانی نے "الکبیر" میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سو بار اللہ کی قسم کھاؤں اور توڑ دیا کروں، اس سے بہتر ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اسے پوری کروں۔ نووی مع مسلم ۲ / ۱۱۸ (م م)

(یعنی ایسی جھوٹی قسم جس کے ساتھ غداری کرنے کا دل میں ارادہ ہو) سے، اور شرک اصغر گناہ کبیرہ سے بڑا گناہ ہے۔ ❶

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے باب ''چھلہ اور دھاگہ وغیرہ مصیبت روکنے یا ٹالنے کے لیے پہننا شرک ہے'' سے مستنبط مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے بھی ذکر کیا ہے کہ شرک اصغر گناہ کبیرہ سے بڑا گناہ ہے۔ ❷

نیز شرک اصغر کے پرخطر ہونے پر وہ آیتیں اور حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں جن کے اندر شرک پر وعیدیں وارد ہیں، کیوں کہ وہ شرک اصغر اور اکبر دونوں کو شامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے شرک اکبر پر دلالت کرنے والی آیتوں سے شرک اصغر پر بھی استدلال کیا ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ ❸

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ٤٨)

''اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا، اس نے تو بہت بڑا جھوٹ باندھا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔''

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ١٣)

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

شرک اصغر اور شرک اکبر دونوں کو شامل ہے۔ نیز گناہ کبیرہ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) ❹ بھی دونوں طرح کے شرک کو شامل ہے، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''اندادا'' کی تفسیر شرک اصغر سے کی ہے،

---

❶ تیسیر العزیز الحمید ص ٥٩٤۔

❷ القول السدید ص ٣٦۔

❸ دیکھئے: تیسیر العزیز الحمید ص ١٥٤ تا ١٦٤۔

❹ تم اللہ کا کوئی شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اسی نے تمھیں پیدا کیا۔ بخاری کتاب التفسیر باب قوله تعالیٰ فلا تجعلوا، حدیث ٤٤٧٧ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان: باب کون الشرك...... حدیث ١٤١/ ٨٦

جیسا کہ شرک فی الاسباب میں گزر چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما شرک سے متعلق نصوص کا مصداق شرک اکبر اور اصغر دونوں کو مانتے تھے۔

شرک اصغر کے پر خطر ہونے پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ قیامت کے دن شرک اصغر کے مرتکب کا سب سے پہلے حساب ہو گا، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کا فیصلہ ہو گا وہ شہید ہو گا، اسے لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں سے واقف کرائے گا، یہاں تک کہ وہ نعمتوں کو پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے ان نعمتوں کا کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تم جھوٹ کہتے ہو، بلکہ تم نے اس لیے لڑائی لڑی تھی کہ تمھیں بہادر کہا جائے، سو وہ کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اور دوسرا آدمی وہ ہو گا جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا ہو گا، اور قرآن شریف بھی خوب پڑھا ہو گا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، یہاں تک کہ وہ پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تم نے ان نعمتوں کا کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے علم سیکھا، لوگوں کو سکھایا اور تیرے لیے قرآن بھی پڑھا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تم جھوٹ کہتے ہو، تم نے علم سیکھا تھا تا کہ تمھیں عالم کہا جائے، قرآن پڑھا تھا تا کہ تمھیں قاری کہا جائے، سو تمھیں کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرا وہ شخص ہو گا جس پر اللہ تعالیٰ نے خوب کشادگی کی ہو گی اور اسے قسم قسم کے مال و دولت سے نوازا ہو گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں سے آگاہ کرے گا، یہاں تک کہ وہ پہچان لے گا، پھر اللہ تعالیٰ

کہے گا: تم نے ان نعمتوں کا کیا کیا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے تیرا ایسا کوئی راستہ نہ چھوڑا جس پر خرچ کرنا پسند ہو، مگر میں نے خرچ کر کے دم لیا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تم جھوٹ بولتے ہو، بلکہ تم نے یہ اس لیے کیا تھا کہ تمہیں فیاض کہا جائے، سو تمہیں کہہ دیا گیا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔" ❶

اگر کسی عمل کے ساتھ شرک اصغر بنیادی طور پر شامل رہا تو وہ عمل رائیگاں اور بیکار ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ارشاد الٰہی ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ مَعِي فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ)) ❷

"میں تمام حصہ داروں کی بہ نسبت اپنے حصہ سے زیادہ بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ غیر کو بھی شریک کر لیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی دنیاوی فائدے کے لیے جہاد کا ارادہ کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا اجر لہ" ...... "اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے" اس شخص نے تین بار یہی سوال دہرایا، آپ نے ہر بار یہی کہا "لا اجر لہ" (اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے)❸

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا خیال ہے آپ کا، اگر ایک آدمی نے ثواب اور شہرت دونوں

---

❶ صحیح مسلم مع شرح نووی ۱۳ / ۵۰۔ کتاب الامارۃ باب من قاتل للریاء والسمعہ حدیث ۱۹۰۵

❷ مسلم مع نووی، کتاب الزھد۔ باب تحریم الریاء حدیث ۲۹۸۵

❸ حاکم نے ۲/ ۸۵ میں صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، حدیث ۷۸۸۷۔۸۷۷۹ بیھقی ۱۶۹/۹، سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا حدیث ۲۰۱۶ اور البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابو داؤد ۴۷۸/۲ میں حسن قرار دیا ہے۔

حاصل کرنے کے لیے جہاد کیا تو اسے کیا حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "لا شی له" ...... " اسے کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور آپ ہر بار یہی کہتے رہے "لا شیء له" ...... "اسے کچھ نہیں ملے گا" پھر آپ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ)) ❶

"اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور اس عمل سے صرف اسی کی رضاء جوئی مقصود ہو۔"

---

❶ سنن نسائی کتاب الجهاد باب من غز یلتمس الاجر والذکر حدیث ۳۱۴۲ اور دوسری نے "النهج" ص ۲۰۸ میں حسن کہا ہے، اور ان علماء حدیث کو ذکر کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

تیسری فصل:

قرآنی آیات
اور ماثور دعاؤں سے بنے تعویذ اور اُن کا حکم

تعویذوں کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوؤں کی روشنی میں گزر چکا کہ ان کا پہننا تعویذ اور صاحب تعویذ کے احوال اور نوعیت کے مطابق یا تو شرک اکبر ہے یا شرکِ اصغر ہے۔ اس حکم میں کوئی قابل اعتبار اختلاف نہیں ہے، البتہ قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں سے مرتب تعویذ کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ ممنوع تعویذ میں سے نہیں، بلکہ ایسے تعویذ لٹکانا (پہننا) جائز ہے۔ ان علماء میں سعید بن مسیّب، عطاء، ابوجعفر باقر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں، نیز امام احمد کی ایک روایت اور ابن عبدالبر، بیہقی اور قرطبی کا یہی قول ہے، امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری قول یہی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے اہل علم کا خیال ہے کہ قرآن کریم اور ماثور دعاؤں کے تعویذ بھی لٹکانا (یا پہننا) جائز نہیں، ان علماء میں سیدنا ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ، عقبہ بن عامر اور ابن عکیم رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ نیز ابراہیم نخعی، امام احمد کی ایک روایت، ابن العربی، شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ، شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی، حافظ حکمی اور حامد الفقی رحمہم اللہ ہیں، نیز دور حاضر کے علماء میں سے شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہما اللہ ہیں۔ ❶

❶ ان علماء کے اقوال وفتاوے مندرجہ ذیل کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطب، ۷ / ۳۷٤ اور اس کے بعد کے صفحات، سنن بیہقی ۹ / ۲۱٦ اور اس کے بعد کے صفحات، مستدرک ⇦⇦⇦

قرآن وحدیث کے تعویذوں کو جائز کہنے والوں کا موقف:

قرآن وحدیث کے تعویذوں کو جائز کہنے والوں کی دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پہلی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ﴾ (الاسراء: ۸۲)

''ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔''

۲۔ دوسری دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے:

((اِنَّ التَّمِيمَةَ مَا عُلِّقَ قَبْلَ الْبَـلَاءِ لَا بَعْدَهُ)) ❶

''ممنوع تعویذ وہ ہے جو بلاء نازل ہونے سے پہلے لٹکایا جائے، نہ کہ بلاء نازل ہونے کے بعد۔''

۳۔ تیسری دلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کے گلے میں دعائے فزع لٹکا دیتے تھے، اور وہ یہ ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَحْضُرُوْنَ)) ❷

''بسم اللہ، میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کے کلام تام کی، اس کے غضب اور عقاب سے، اور اس کے بندوں کے شر سے، اور شیطانوں کے وسوسوں سے، اور ان کے میرے پاس آنے سے۔''

⇦⇦⇦ حاکم ٤ / ٢١٦ اور اس کے بعد کے صفحات، تیسیر العزیز الحمید ص ١٦٨، ١٧٤، سلسلہ احادیث صحیحہ ١ / ٥٨٥، القول السدید ص ٣٨، معارج القبول ١ / ٣٨٢ اور فتاوی شیخ ابن باز ١ / ٨٢٠۔

❶ بیھقی ٩ / ٣٥١، الحاکم کتاب الطب۔ ٤/٢١٧ حدیث ٧٥٠٦_٧٥٠٧

❷ مسند احمد حدیث ٦٦٩٦ مستدرك حاكم ١ / ٥٤٨، سنن ترمذی کتاب الدعوات باب دعاء الفزع فی النوم...... حدیث ٣٠٢٨ اور ترمذی نے حسن کہا ہے، سنن ابی داؤد کتاب الطب باب کیف الرقی حدیث ٣٨٩٣ بسم اللہ کے لفظ نہیں۔ ابوداؤد میں وترمذی حدیث نمبر ٣٨٩٣۔

یہ ہیں قرآن و حدیث کے تعویذوں کو جائز کہنے والوں کی دلیلیں۔

ہر طرح کے تعویذوں کو ناجائز کہنے والوں کے دلائل:

رہے دوسرے قول کے قائلین جو قرآن اور حدیث کی دعاؤں کے تعویذ بھی لٹکانے سے منع کرتے ہیں، انہیں فریق اول کے ان دلائل میں کوئی حجت نظر نہیں آتی، کیوں کہ:

۱۔ آیت مجمل ہے (یعنی اس میں طریقہ شفاء و علاج نہیں بتایا گیا ہے) بلکہ قرآن سے علاج کرنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اور وہ ہے اس کی تلاوت کرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے تعویذ لٹکانے کے بارے میں کچھ بھی وارد نہیں، بلکہ صحابہ کرام سے بھی اس سلسلہ میں کچھ وارد نہیں ہے۔

۲۔ نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بھی مجمل ہے، اس میں قرآن کے تعویذ کی صراحت نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا ذکر ہے کہ ''ممنوع تعویذ وہ ہے جو بلاء نازل ہونے سے پہلے لٹکایا جائے، نہ کہ بلاء نازل ہونے کے بعد'' چونکہ ان کا قول بھی محتمل یعنی غیر صریح ہے، لہٰذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ صرف اس روایت کی بنا پر ان کی طرف قرآن کے تعویذ کا جواز منسوب کر دیا جائے۔

۳۔ رہا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ان کا عمل! تو وہ محمد بن اسحاق کے عنعنہ اور ان کے مدلس ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ [1]

شیخ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ روایت اس سند سے ضعیف ہے، نیز اس مفہوم پر دلالت بھی نہیں کرتی، اس لیے کہ اس روایت میں ہے کہ ''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بچوں کو یہ دعا یاد کراتے تھے، اور چھوٹے بچوں کے لیے تختی پر لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے

[1] دیکھئے: سلسلہ احادیث صحیحہ ۱ / ۵۸۵، النہج السدید ص ۱۶۱ اور صحیح ابو داؤد ۲ / ۷۳۷۔

تھے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تختی ان کے گلے میں دعا یاد کرنے کے لیے لٹکاتے تھے، نہ کہ تعویذ کی حیثیت سے۔ نیز تعویذ کاغذ پر لکھا جاتا ہے، نہ کہ تختی پر، نیز بڑے بچوں کو یاد کرانا بھی اس کی دلیل ہے۔" ❶

اگر حقیقت امر یہی ہے، تو فریق اول کا قول کسی قوی حجت پر مبنی نہیں۔ رہے فریق ثانی یعنی قرآن و حدیث کے تعویذوں کو بھی منع کرنے والے، تو ان کی طرف سے مندرجہ ذیل دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں:

۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ تعویذوں کے بارے میں واردشدہ ممانعت کا حکم عام ہے، جیسا کہ حرمت کے دلائل اسی بحث میں گزر چکے ہیں، اور شریعت میں اس عموم کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی ہے، لہٰذا یہ حکم اپنے عموم پر باقی ہے۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ عمل مشروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ نے اسے بیان فرمایا ہوتا، جیسا کہ رقیہ یعنی دعا پڑھ کر پھونکنے کا حکم بیان فرمایا اور شرکیہ کلام نہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ فرمایا:

((اَعْرِضُوْا عَلَیَّ رِقَاکُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقٰی مَالَمْ یَکُنْ فِیْهَا شِرْكٌ)) ❷

"تم لوگ مجھے اپنے جھاڑ پھونک کے کلمات سناؤ، اگر اس میں شرک نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

لیکن اس طرح کی بات نبی ﷺ نے تعویذوں کے بارے میں نہیں کہی (لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی بھی طرح کا تعویذ جائز نہیں) ☆

---

❶ حاشیه فتح المجید ص ۱۳۲۔

❷ مسلم۔ کتاب السلام: باب لا باس بالرقی مالم یکن فیه شرك (حدیث ۲۲۰۰)

☆ شرکیہ جھاڑ پھونک سے بچنے کے لیے اہل علم نے چند شرطیں لگائی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک جائز ہے، پہلی یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے، وہ اللہ کا کلام یا اس کے نام و صفات ہوں۔ دوسری یہ کہ عربی زبان میں ہو، تیسری یہ کہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ بذات خود فائدہ نہیں دے سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ۱۰ / ۱۹۵)

۳۔ تیسری دلیل صحابہ کرام کے وہ فتوے ہیں جو تعویذ کی ممانعت کے سلسلے میں گزر چکے ہیں اور جن کی طرف اس کے برعکس قول منسوب ہے وہ (روایت اور درایت دونوں اعتبار سے) صحیح نہیں ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے، اسی طرح اکثر تابعین عظام بھی۔ چنانچہ ابراہیم نخعی نے عام لفظوں میں کہا ہے:

"وہ (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام) ہر طرح کے تعویذ مکروہ جانتے تھے، خواہ قرآن کے ہوں یا غیر قرآن سے۔" ❶

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن فرماتے ہیں:

"ابراہیم نخعیؒ کی مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ہیں، مثلاً علقمہ، اسود، ابو وائل، حارث بن سوید، عبیدہ سلمانی، مسروق، ربیع بن خثیم اور سوید بن غفلہ وغیرہم، یہ بزرگان سادات تابعین میں سے ہیں، اور ابراہیم نخعیؒ ان بزرگوں کے اقوال بیان کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتے، جیسا کہ حافظ عراقی نے اس کی وضاحت کی ہے۔" ❷

۴۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ فساد کا سد باب شرعی طور پر واجب ہے، تاکہ شرکیہ تعویذ قرآنی تعویذوں کے ساتھ اس درجہ خلط ملط نہ ہو جائیں کہ شبہ کی وجہ سے شرکیہ تعویذوں سے بھی روکنا مشکل ہو جائے، شیخ حکمی فرماتے ہیں:

"بلاشبہ ان قرآنی تعویذوں کی ممانعت ہی غلط اعتقاد کو روکنے کے لیے زیادہ مؤثر ہے، خاص کر دور حاضر میں، کیوں کہ صحابہ اور تابعین نے جب اپنے صاف ستھرے اور مقدس زمانے میں اسے مکروہ سمجھا جبکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ کی مانند قائم تھا، تو اس پرفتن زمانہ میں ان تعویذوں کو مکروہ قرار دینا زیادہ بہتر اور واجب ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ تعویذ کا کاروبار کرنے والے اس رخصت کے چور دروازے سے محرمات تک پہنچ چکے ہیں اور قرآنی

---

❶ مصنف ابن ابی شیبہ ۷ / ۳۷۴۔ ❷ فتح المجید ص ۱۳۸۔

تعویذوں کو ان محرمات کا بہانہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ تعویذوں کے اندر ایک آیت یا چھوٹی سی سورت یا صرف "بسم اللہ" وغیرہ لکھ دیتے ہیں، پھر اس کے نیچے شیطانی طلسمات بنتے ہیں۔ جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو ان کی کتابوں سے واقف ہیں۔ نیز اس کے ذریعہ وہ لوگوں کے دلوں کو توکل علی اللہ سے پھیر کر ان لکھے ہوئے طلسمات سے جوڑ دیتے ہیں، بلکہ اکثر تعویذ والے عوام الناس کو ہراساں کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہوتی۔

مثلاً: وہ شخص جو تعویذوں کا کاروبار کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص اس کا پرستار ہے تو وہ اس شخص کا مال کھانے کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتے ہوئے اس سے کہتا ہے کہ دیکھو تمہارے اہل وعیال یا مال یا خود تمہارے اوپر مصیبت آنے والی ہے، یا یہ کہتا ہے کہ تم پر جنوں کا سایہ ہے، اور اس کے سامنے شیطانی وسوسہ سے متعلق کچھ باتیں بیان کر کے اس کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کے مسئلے کو پوری طرح سمجھ چکا ہے، اسے اس سے بہت زیادہ ہمدردی ہے اور وہ اس کا خیر خواہ ہے۔ جب اس سادہ لوح شخص کے دل میں خوف وہراس پوری طرح بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے منہ موڑ کر دل وجان سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پناہ میں آجاتا ہے، اور اس پر اعتماد و بھروسا کرنے لگتا ہے، وہ اس مکار سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ مصیبت سے نجات کا راستہ کیا ہے؟ گویا نفع اور نقصان کا وہی مالک ہے، اب اس لٹیرے کی امیدیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، اور اس کی لالچ بھری نگاہ اس مال پر پڑتی ہے جو وہ آدمی خرچ کر سکتا ہے، اس لیے وہ کہتا ہے کہ اگر تم مجھے اتنا اتنا مال دے دو تو میں تمہارے لیے اتنی لمبی اتنی چوڑی تعویذ لکھ کر دیتا ہوں۔ پھر وہ اس تعویذ کی خصوصیات بتاتا ہے اور ان امراض کی نشان دہی کرتا ہے جن کے لیے وہ تعویذ مفید ہے۔

کیا آپ ان حرکتوں کو اس اعتقاد کے باوجود شرک اصغر شمار کریں گے؟ نہیں، بلکہ یہ غیر اللہ کی تعظیم ہے، غیر اللہ پر بھروسا کرنا اور غیر اللہ کی پناہ لینا ہے، بیوقوفوں اور نااہلوں کے فعل

کا سہارا لینا ہے اور دین سے خارج ہو جانے کا باعث ہے۔ کیا شیطان اس قسم کے حیلوں پر شیطان نما انسان کی مدد کے بغیر قابو پا سکتا ہے؟

﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (الانبياء: ٤٢)

''اے محمد (ﷺ) ان سے کہو! کون ہے جو رات یا دن کو تمہیں رحمٰن سے بچا سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب سے منہ موڑ رہے ہیں۔''

پھر وہ اس میں اپنے شیطانی طلسمات کے ساتھ کچھ قرآنی آیتیں بھی لکھتا ہے، اور پہننے والا ناپاکی کی حالت میں بھی اسے پہنے رہتا ہے۔ چھوٹی بڑی ہر طرح کی نجاست ہوتی رہتی ہے اور قرآن اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی چیز سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم! کسی دشمن اسلام نے کتاب للہ کی ایسی بے حرمتی نہیں کی ہوگی جس طرح اسلام کے دعویدار یہ ملحد کر رہے ہیں۔

اللہ کی قسم! قرآن نازل ہوا تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کے احکام کو بجا لانے اور اس کے منہیات (حرام کیے گئے کاموں) سے اجتناب کرنے کے لیے، اس کی باتوں کی تصدیق کرنے اور اس کے حدود میں رہنے کے لیے، اس کی مثالوں سے عبرت پکڑنے اور اس کے قصوں سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور اس پر ایمان لانے کے لیے، کیوں کہ پورا قرآن ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، لیکن ان تعویذ والوں نے ان سارے مقاصد کو بے معنی کر دیا اور قرآن شریف کو پس پشت ڈال دیا، صرف قرآن کی شکل کو محفوظ رکھا ہے تاکہ اسے کھانے کا ذریعہ اور کمانے کا وسیلہ بنائے رکھیں، ایسے وسائل کی مانند جن سے حرام تک تو رسائی ہو سکتی ہے حلال تک نہیں۔

اگر کوئی بادشاہ یا امیر اپنے ماتحت کو یہ پیغام بھیجے کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، اپنے ماتحتوں کو فلاں کام کرنے کا حکم دو اور فلاں کام سے روکو، وہ اس پیغام کو وصول کر کے نہ اسے پڑھے، نہ اس کے اوامر ونواہی میں غور وفکر کرے، اور نہ ہی اپنے ماتحتوں تک یہ پیغام پہنچائے جن تک

پہنچانے کا اس میں حکم ہے، بلکہ اس پیغام کو وصول کر کے اپنی گردن میں لٹکا لے، یا بازو میں باندھ لے اور اس میں موجود فرمان کو خاطر میں نہ لائے، تو کیا بادشاہ یا حاکم اس حرکت پر اسے سزا نہیں دے گا؟ اس کی گرفت نہیں کرے گا؟ جب ایک بادشاہ کی حکم عدولی کا یہ خمیازہ ہو سکتا ہے تو آسمانوں اور زمین کے اس جبار و قہار حقیقی بادشاہ کے نازل کردہ پیغام عظیم کے ساتھ اس ناروا سلوک کا کیا نتیجہ ہو گا جس کی آسمانوں اور زمین میں اعلیٰ مثال ہے، جس کے لیے دنیا و آخرت میں ساری تعریفیں ہیں، اور جس کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں، لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا کرو، وہ ہمارے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کا حق دار نہیں، اسی پر ہم نے بھروسا کیا، اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ ❶

۵۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کا تعویذ لٹکانا قرآن مجید کی بے حرمتی کا باعث ہے، مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں اس تعویذ کے ساتھ داخل ہونے سے قرآن کی توہین ہے۔

۶۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا قرآن اٹھائے پھرنا جو نہ اس کا معنی سمجھتے ہیں، نہ ہی اس کی عزت کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عام ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ کے تحت آ جاتے ہیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مثال ان گدھوں کی سی ہے جو شریعت کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں، نہ اسے سمجھتے ہیں، نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں) کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ اس قرآنی تعویذ میں کیا ہے، نہ ہی اس کی عزت و توقیر کرنا جانتے ہیں۔ چنانچہ بسا اوقات اس قرآنی تعویذ پر نجاست بھی پڑ جاتی ہے، خاص کر اس وقت جب پہننے والا پاگل یا چھوٹا بچہ ہوتا ہے۔

۷۔ تعویذ پہننے کا فتویٰ یقینی طور پر سور معوذات ❷ وغیرہ کے ذریعے دعا کی سنت ترک کرا

---

❶ معارج القبول ۱ / ۳۸۲۔

❷ سورۂ معوذات سے مراد سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ہیں۔ یہ تینوں سورتیں تعویذ کے لیے بے حد مفید ہیں، لیکن انہیں لکھ کر لٹکانے سے نہیں، بلکہ اس کے پڑھنے سے ہر طرح کے رنج و غم اور آفت و بلاء میں راحت ملتی ہے، چنانچہ نسائی شریف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھر گئے، اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ ہم نماز ⇦⇦⇦

سکتا ہے۔ چنانچہ جو شخص پورا پورا قرآن ہی لٹکا لے گا وہ گمان کر سکتا ہے کہ اب سورۂ معوذات اور آیۃ الکرسی ❶ وغیرہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے کہ جب پورا قرآن ہی

⇐⇐ کے لیے نبی کریم ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ تشریف لائے اور نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: کہو، میں نے کہا: کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ صبح و شام تین تین مرتبہ کہو، تمہیں ہر چیز سے کفایت کریں گی۔ (نسائی کتاب الاستعاذہ)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام جحفہ اور ابواء کے درمیان چل رہا تھا کہ بہت تیز آندھی چلنے لگی، اور رات بھی بیحد اندھیری تھی تو رسول اللہ ﷺ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھنے لگے، اور فرمایا: اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو، اس جیسا تعویذ کسی نے نہیں پڑھا۔ ابی داؤد۔ کتاب الوتر: باب فی المعوذتین حدیث ۱۴۶۳

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر رات جب بستر پر آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر پھونکتے، پھر اپنے جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے تھے، اس طرح تین مرتبہ کرتے۔ بخاری۔ کتاب المغازی: باب مرضی النبیؐ و وفاته حدیث ۴۴۳۹ کتاب السلام باب رقیة المرض.

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نماز کے بعد معوذات کی سورتیں پڑھا کرو'' سنن نسائی، حدیث ۱۳۳۶ سنن ترمذی۔ کتاب فضائل القرآن: باب ما جاء فی فضل قاری القرآن حدیث ۲۹۰۳.

اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں سورہ معوذات کے دعا کے لیے مفید ہونے کے بارے میں کتب حدیث میں وارد ہیں۔

❶ آیت الکرسی: سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۵ کو آیت الکرسی کہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

پورے قرآن شریف میں سب سے عظیم الشان آیت یہی آیت الکرسی ہے، نسائی شریف میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے، اسے جنت میں جانے سے صرف موت ہی روک سکتی ہے۔

شیطان کے شر سے بچنے کے لیے یہ آیت اکسیر ہے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ صدقہ کے مال کی حفاظت پر مامور تھے کہ ایک چور چوری کرنے کے لیے تین رات مسلسل آیا، اور ہر رات پکڑا گیا، تیسری رات جب اسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ... پاس لے جانے کی دھمکی دی تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چند کلمات بتا دیتا ہوں جن سے اللہ تمہیں فائدہ دے گا، چنانچہ اس نے پوری آیت الکرسی پڑھ ⇐⇐⇐

اپنے گلے میں لٹکا ہوا ہے۔

۸۔ قرآن کا تعویذ لٹکانے کا فتویٰ جائز و ناجائز دونوں پہلو رکھتا ہے، اور جو فتویٰ یا معاملہ ایسا ہو تو فساد سے تحفظ کی غرض سے اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر اور افضل واحفظ ہے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

⇐⇐⇐ کر بتائی، اور کہا کہ یہ آیت سوتے وقت پڑھ لیا کرو تو تمہاری نگرانی کے لیے ایک محافظ فرشتہ اللہ کی طرف سے مقرر ہو جائے گا، اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آ سکتا۔ صبح ہوئی تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا رسول اللہ ﷺ سے بیان فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا لیکن ہے وہ بڑا جھوٹا، وہ شیطان ہے۔ کتاب الوکالة باب اذا وکل رجالہ حدیث ۲۳۱۱۔ ۳۹۸، وکالت کے باب میں) تعویذ کے لیے اس کے علاوہ بہت سی آیتوں اور سورتوں کو پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں موجود ہے، جن میں سے سورۂ فاتحہ ہر مصیبت و بلاء سے رہائی اور فلاح وکامرانی کا سرچشمہ ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((اَلْفَاتِحَةُ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ سَقَمٍ)) یعنی سورۂ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ (فتح القدیر للشوکانی ۱ / ۱٦)

چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں مشہور واقعہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انہوں نے ایک گاؤں کے ایک رئیس کو جسے سانپ نے ڈس لیا تھا سورہ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا اور وہ شفاء یاب ہو گیا۔ نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو صحیح قرار دیا، اور اس کی اجرت سے خود بھی کھایا۔ بخاری۔ کتاب الطب : باب الرقی بغاء حدیث ۵۷۳٦۔ مسلم۔ کتاب السلام : باب جواز اخذ الاجرة علی الرقية حديث ۲۲۰۱

تعویذ کا یہ مسنون طریقہ ہے کہ اگر تعویذ کو لٹکانے کو جائز کر دیا جائے تو یہ مسنون طریقہ تعوذ بالکل چھوٹ جائے گا اور مسلمان قرآن سے بالکل بے تعلق و بے نیاز ہو جائیں گے (م م)

چوتھی فصل:

زمانہ ماضی اور حاضر میں تعویذ کا رواج

تعویذ لٹکانا درحقیقت اہل جاہلیت کا شعار ہے جن پر جہالت کا غلبہ تھا، شیطانوں نے انہیں اپنا غلام بنا کر ان کی جہالت وحماقت کو اور بڑھا رکھا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا﴾ (الجن: ٦)

''اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔''

عرب زمانہ جاہلیت میں جب کسی میدان میں پہنچتے یا کسی گنجان اور خوف و ہراس کی جگہ میں داخل ہوتے، اور وہاں جنوں، بھوتوں، جنگلی شیروں اور شیطانوں کی شرارت سے ہراساں ہوتے تو ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر بآواز بلند پکارتا:

''ہم سب اس وادی کے سردار جن کی پناہ چاہتے ہیں۔''

چنانچہ کوئی جن انہیں اذیت نہ دیتا اور اس کی انہیں اجرت بھی ملتی تھی، اور اسی بنیاد پر جاہل لوگ جنوں کے نام پر قربانی کر کے ان کا تقرب حاصل کرتے، تاکہ وہ انہیں تکلیف نہ دیں، چنانچہ جب کوئی گھر بناتا، یا کنواں کھودتا تو جنوں کے شر سے بچنے کے لیے کوئی جانور ذبح کرتا۔ ❶

یہی نہیں بلکہ ان کی یہ خام خیالی تھی کہ بعض پتھروں، درختوں، حیوانوں اور بعض دھاتوں میں بھی کچھ ایسے اثرات ہیں، جو ان سے جنوں کا خطرہ یا انسانوں کی نظر بد ٹال سکنے کی

❶ دیکھئے: ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' ٦ ٤ ٧۔

خاصیت رکھتے ہیں، لہٰذا انہوں نے ان کے تعویذ لٹکائے اور ان سے شفاء یابی کا عقیدہ دلوں میں بٹھالیا۔ یہ سب کچھ صرف اپنے پروردگار سے ان کی جہالت اور عدم اعتماد و بھروسے کی وجہ سے تھا، اس لیے ان کے یہاں تعویذوں کی کثرت ان کی تاریخوں میں عام طور پر ملتی ہے، جن میں سے بطور نمونہ چند تعویذ یہ ہیں:

۱۔ **نفرہ:** کوئی چیز بچے کی گردن میں نظر بد کے خوف سے لٹکا دی جاتی جس سے جنات و انسان دونوں نفرت کرتے، اس لیے اس بچے کو نظر نہیں لگتی، کبھی کبھی یہ کام نجس و ناپاک چیز سے بھی کیا جاتا تھا، مثلاً: جاہل لوگ حیض کے گندے چیتھڑے، یا ہڈیاں وغیرہ لٹکا دیتے، نیز کبھی کبھی گندے قسم کے جانوروں مثلاً: قنفذ [1] وغیرہ کے نام لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ [2]

۲۔ **لومڑی** اور **بلی** کے دانت کے تعویذ بھی استعمال کرتے۔

۳۔ **عقرہ** : ریٹھوں کے تعویذ جسے عورت اپنی کمر میں باندھ لیتی، تاکہ بانجھ ہو جائے اور بچہ نہ پیدا ہو۔

۴۔ **ینجلب** : ریٹھوں کے تعویذ جو روٹھے ہوئے شوہر کو منانے اور ناراضگی کے بعد اس کی شفقت و محبت کو دوبارہ واپس دلانے کا کام انجام دیتے۔

۵۔ **تولہ ، قرز حلہ ، درد بیس ، کحلہ ، کرار** اور **ھمرہ** : یہ سب تعویذ ریٹھوں اور موتیوں کے بنے ہوئے تھے، جو پریم منتر کی حیثیت رکھتے تھے، شوہر کی محبت حاصل کرنے کے لیے لٹکائے جاتے تھے۔ ان کے خیال میں ''کرار'' اور ''ہمرہ'' نام کے تعویذ ایک خاص منتر ہے اور وہ یہ ہے:

---

[1] **قنفذ** : چوہے کی شکل اور خرگوش کے سائز کا ایک جانور ہے جس کے پورے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ کوئی خطرہ محسوس کرتا ہے، تو بالکل گول سا ہو کر کانٹے کا گچھا بن جاتا ہے۔ (م م)

[2] برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس جہالت میں ان جاہلوں سے بھی ایک قدم آگے ہے، وہ تو اپنے بچوں کے نام ہی کتے بلی وغیرہ جیسے گندے اور مہمل جانوروں کے نام پر رکھ دیتے ہیں، تاکہ وہ ہر طرح کی آفات و بلیات اور نظر بد سے محفوظ رہیں۔ (م م)

((یَا کَرَّارُ کُرِّیهِ، یَا هُمَرَةُ اَهْمِرِیْهِ اِنْ أَقْبَلَ فَسُرِّیْهِ وَاِنْ اَدْبَرَ فَضُرِّیْهِ مِنْ فَرْجِهٖ اِلَی فِیْهِ)) ❶

''اے لوٹانے والے ریٹھے تو اسے لوٹا دے، اے رلانے والی موتیاں تو اسے رلا دے، اگر وہ واپس آتا ہے تو اسے خوش رکھ، اور اگر وہ دور جاتا ہے تو اسے اس کی شرمگاہ سے لے کر اس کے منہ تک تکلیف میں مبتلا کر دے۔'' ❷

میں کہتا ہوں کہ یہ منتر پروردگار کی ربوبیت اور الوہیت دونوں میں شرک اکبر ہے، ربوبیت میں اس لیے کہ اس منتر میں نفع ونقصان کا اعتقاد اور اس کی نسبت ان ریٹھوں اور موتیوں کی طرف کی گئی ہے، جیسا کہ اس منتر میں ہے:

''اگر محبوب یا پریمی واپس آ جاتا ہے تو اسے خوش رکھ اور اگر منہ موڑ کر جاتا ہے تو اسے تکلیف میں مبتلا کر دے۔''

الوہیت میں شرک اس لیے کہ دعا اور استغاثہ کے ساتھ ان ریٹھوں کی طرف توجہ کی گئی ہے، جیسا کہ اس منتر میں ہے: ''اے لوٹانے والے ریٹھے تو اسے لوٹا دے، اور اے رلانے والی موتیاں تو اسے رلا دے'' اس بے کسی اور بے بسی سے اللہ کی پناہ۔

۲۔ **خصمہ**: موتیوں کے وہ تعویذ جو بادشاہ کے دربار میں حاضری کے لیے یا میدان

---

❶ ان تعویذوں کے بارے میں دیکھیے: ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' ص ۷۵۰۔ ۷۵۱۔

❷ محبت کے تعویذوں کی یہ وبا آج بھی زوروں پر ہے، بلکہ اکثر تعویذ اسی غرض کے لیے تیار کیے جاتے ہیں ان کے منتر کا تو پتہ نہیں کیا ہوتا ہے، جو کچھ بھی ہو بہر حال سنا یہی جاتا ہے کہ پریم منتر کا تعویذ کرنے کے بعد پریمی اس قدر بے قرار ہو جاتا ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو بھاگتا ہوا واپس آ جاتا ہے، اور اپنے پریمی سے مل جاتا ہے، غیر مسلم تو اپنی جگہ، عام مسلمان بھی اس وبا میں مبتلا ہیں، اور عموماً ازدواجی زندگی اسی پریم منتر کی بنیاد پر قائم رہتی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی شریعت میں صاف صاف لفظوں میں اس حرکت کی مذمت کی گئی ہے، اور اسے شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ((التِّوَلَةُ شِرْكٌ)) پریم منتر کرنا شرک ہے ''ازدواجی زندگی کے اس پاک وصاف اور خالص توحیدی رشتہ کو شرک کی گندگی سے آلودہ کر دیا جاتا ہے، اور جس خالق نے میاں بیوی کو پیدا کر کے ان کے درمیان فطری محبت وشفقت ودیعت کر رکھی ہے اس سے قطع تعلق کر کے سیندور ٹیکہ، جادو، منتر، نقشے اور طلسمات پر بھروسا کیا جاتا ہے، یہ سب جہالت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ (م م)

جنگ میں استعمال کیے جاتے تھے، جو انگوٹھی کے نیچے یا قمیص کے بٹن میں یا تلوار کے پٹہ میں رکھے جاتے تھے۔

۷۔ **عطفہ** : موتیوں کے وہ تعویذ جو پہننے والے کو شفقت ومحبت دلاتے تھے۔

۸۔ **سلوان** : صاف وشفاف دانوں کو ریت کے نیچے دفن کر دیا جاتا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو جاتے، پھر ان کو نکال کر پانی میں دھو کر آدمی کو پلاتے تھے تو اسے تسلی اور سکون میسر ہوتا، یہ بھی تعویذ ہی کے معنی میں ہے۔

۹۔ **قبلہ** : سفید دانوں کا تعویذ جو نظر بد سے بچانے کے لیے گھوڑوں کے گلے میں ڈال دیا جاتا۔

۱۰۔ **ودعہ** : سمندر سے حاصل ہونے والے ایک طرح کے پتھر (کوڑی، گھونگا) کا تعویذ جو آنکھ کی تکلیف دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ [1]

۱۱۔ **سونے کا زیور** : سانپ یا بچھو کاٹے ہوئے کو پہنا دیا جاتا، ان کے اعتقاد میں اسی سے اسے شفاء ہو جاتی، اس کے برعکس ان کا عقیدہ تھا کہ اس ڈسے ہوئے کو اگر دھات کا زیور پہنایا گیا تو مر جائے گا۔

۱۲۔ **خرگوش** کے ٹخنے کی ہڈیاں نظر بد اور جادو سے بچنے کے لیے پہنا دی جاتی تھیں۔ [2]

۱۳۔ **تحویطہ** : سرخ وسیاہ رنگ کا بٹا ہوا دھاگہ (کردھن) جسے عورت نظر بد سے بچنے کے لیے اپنی کمر میں باندھ لیتی، جس میں کچھ موتی اور چاندی کا بنا ہوا چاند ہوتا۔

یہ ہیں اہل جاہلیت کی بعض خرافات، اور تعویذ کے بارے میں ان کے عقائد۔ ان میں سے بعض اب تک (مسلمانوں میں) پائے جاتے ہیں، اگرچہ تعویذوں کی کچھ قسمیں اور

---

[1] آج بھی بعض لوگ اپنے جانوروں کو خصوصاً بکریوں کو گھونگھا کی مالا پہنا دیتے ہیں تاکہ ٹھنڈ سے لگی ہوئی بیماری اور سوجن وغیرہ ختم ہو جائے۔ (م م)

[2] دیکھیے: "المفصل تاریخ العرب قبل الا سلام" ص ۷۴۶۔

شکلیں بدلی ہوئی ہیں، لیکن عقیدہ وہی ہے جو اہل جاہلیت کا تھا۔ ❶

نظر بد سے بچنے کے لیے گھوڑوں کی گردن میں تانت لٹکانے اور آج کل کاروں اور گاڑیوں کے پیچھے جوتا لٹکانے میں کیا فرق ہے؟ بلا شبہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور حکم بھی دونوں کا ایک ہے (یعنی شرک اکبر یا شرک اصغر ہے، جو بڑے سے بڑے گناہ سے بھی زیادہ بڑا ہے)

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ حدیث ((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ)) پر تعلیق میں اس کی تصحیح فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

''آج بھی یہ گمراہی دیہاتیوں، کسانوں بلکہ بعض مہذب لوگوں میں بھی رائج ہے، اور اسی کی طرح ریٹھے بھی ہیں جو بعض ڈرائیور اپنی گاڑیوں کے سامنے رکھ لیتے ہیں، پیچھے دیکھنے والے شیشہ پر اسے لٹکا لیتے ہیں اور بعض ڈرائیور کار کے اگلے یا پچھلے حصہ میں جوتا لٹکا لیتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ لوگ گھوڑوں کی نعل گھر یا دکان کے سامنے لٹکا لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اپنی گمان میں نظر بد سے بچانے کے لیے کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت ساری حرکتیں کرتے ہیں جو توحید کے خلاف اور اس کے منافی شرکیات وکفریات میں سے ہیں، اور جہالت کا نتیجہ ہیں۔'' ❷

---

❶ بلکہ جہالت میں اور بدعقیدگی میں ان سے بھی چند قدم آگے نکل چکے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ اپنے لڑکے کانوں میں سوراخ کر دیتے ہیں تا کہ وہ زندہ رہے، اور اس کا نام ''چھیدی'' پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنے بچے کو پیدا ہوتے ہی ترازو میں رکھ کر کسی غلہ کے برابر تول دیتے ہیں، تا کہ زندہ رہے، بچپن میں ہی نہ مر جائے۔ اس لڑکے کو ''تولن'' یا ''جوکھو'' کہا جاتا ہے۔ یہ سب نری جہالت اور بدعقیدگی ہے۔ بعض لوگ تو اپنے بچے کو اسی مقصد کے لیے ایک دو آنے میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، پھر دوسرے کا بچہ سمجھ کر اسے پالتے ہیں، ایسے بچے کا نام ''بچن'' یا ''بیچو'' پڑ جاتا ہے۔ (م م)

❷ بعض ٹیکسی ڈرائیور اپنی ٹیکسیوں کے پیچھے سیاہ کپڑا باندھ لیتے ہیں، یہ بھی اسی جہالت میں سے ہے، نیز برصغیر ہند میں کھیرے، ککڑی اور دیگر سبزیوں کی فصل کو نظر بد سے بچانے کے لیے ان کے کھیتوں میں مٹی کی استعمال شدہ ٹوٹی پھوٹی سیاہ، ہنڈی الٹ کر رکھ دی جاتی ہے، تا کہ اس کھیت کی فصل کو کسی کی نظر نہ لگے، اس شرکیہ جہالت میں عام مسلمان ملوث ہیں۔ (م م)

حالانکہ ان ہی (غلط عقائد و جہالت) کو ختم کرنے کے لیے رسول بھیجے گئے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ لہٰذا آج مسلمانوں کی اس جہالت اور دین سے دوری کا شکوہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

بعض لوگوں کے یہاں یہ معاملہ صرف مخالفت شریعت تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ وہ ان تعویذوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ شیخ جزولی ''دلائل الخیرات'' کے مؤلف ''یوم احد'' طبع بولاق کے ساتویں حزب کے صفحہ ۱۱۱ میں کہتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ مَا سَجَعَتِ الْحَمَائِمُ حَامَتِ الْحَوَائِمُ وَسَرَحَتِ الْبَهَائِمُ وَنَفَعَتِ التَّمَائِمُ)) ❶

''اے اللہ! محمد ﷺ اور آل محمد پر اس وقت تک رحمتیں نازل فرما جب تک کبوتر بولتے رہیں، چڑیاں اڑتی رہیں، جانور چرنے جاتے رہیں اور تعویذ فائدہ دیتے رہیں۔''

بعض شرکیہ تعویذ جو آج بھی بعض ملکوں میں استعمال کیے جا رہے ہیں، مشین کے ذریعہ تیار کیے جاتے ہیں، ان پر بچھو کی تصویر اس وقت نقش کی جاتی ہے جب چاند برج عقرب میں ہوتا ہے۔ ❷

اس تعویذ کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ جو شخص اسے اپنے ہاتھ سے چھو لے گا اسے بچھو کے ڈسنے کی تکلیف میں فائدہ ہوگا۔ ❸

علامہ شقیری نے اپنی قیمتی کتاب ''السنن والمبتدعات'' میں ان شرکیہ تعویذوں کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے جن کا استعمال دور حاضر میں عام ہے، ان میں سے ایک تعویذ آشوب

---

❶ سلسلہ احادیث صحیحہ ۱ / ۸۱۰ حدیث نمبر ۴۹۲۔

❷ ماہر فلکیات نے آسمان کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کا الگ الگ نام دیا ہے، مثلاً: برج میزان، برج حوت، برج ثور، برج عقرب، وغیرہ چاند اپنی سالانہ گردش کے دوران انہی برجوں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ (م م)

❸ الفصل فی الملل والاهواء والنحل ابن حزم ٤/٥

چشم کے مریضوں کے لیے یہ لکھا جاتا ہے:

((قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِنَّ فِیْ الْعَیْنِ رَمَدًا اِحْمِرَارٌ فِی الْبَیَاضِ حَسْبِیَ اللّٰهُ الصَّمَدُ یَا اِلٰهِی بِاعْتِرَافِی فِیْ اعْتِزَالِكَ عَنْ وَلَدٍ عَافِ عَنِّی یَااِلٰهِی اِكْفِنِیْ شَرَّ الرَّمَدِ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْكٌ لَا وَلَا كُفُوًا اَحَدٌ))

''کہہ دو وہ اللہ ایک ہے، بے شک میری آنکھ آ گئی ہے، سفیدی میں سرخی آ گئی ہے، میرے لیے اللہ بے نیاز کافی ہے، اے اللہ مجھے اعتراف ہے کہ تو اولاد سے بیگانہ ہے، اے اللہ مجھے عافیت دے، آشوب چشم کی تکلیف سے میری کفایت فرما، اللہ کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی شریک ہے اور نہ ہی کوئی ہمسر ہے۔''

اس تعویذ میں قرآن کو شعر کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے، جس سے کتاب اللہ کو پاک وصاف رکھنا ہی مناسب ہے۔ [1]

دوسرا تعویذ جسے علامہ قشیری نے ''الرحمة فی الطب و الحكمة'' نامی کتاب سے نقل کیا ہے، اندھے پن کا ہے، اور وہ یہ ہے:

((عَزَمْتُ عَلَیْكِ اَیَّتُهَا الْعَیْنُ بِحَقِّ شَرَاهِیًا بَرَاهِیًا اَوْ نَوَایَ اصباوت آل شدای عَزَمْتُ عَلَیْكَ اَیَّتُهَا الْعَیْنُ الَّتِیْ فِیْ فُلَانٍ بِحَقِّ شَهْتَ بَهت اَشْهَت)) [2]

اس تعویذ میں شیطانوں کی قسم کھائی گئی ہے، کفر اور اہل کفر سے اللہ کی پناہ۔ نیز جنیہ کے لیے ایک حجاب ذکر کیا ہے جو اس طرح ہے:

((اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِالْقَرِیْنَةِ اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَ الْقَرِیْنَةِ نِیْ

---

[1] السنن و المبتدعات للشقیری ص ۲۹۳۔

[2] ایضاً، ناچیز اس عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہا اس لیے اس کا ترجمہ کرنے سے معذرت خواہ ہے۔ (م م)

تَضْلِيْلٍ وَأَرْسَلَ عَلَى الْقَرِيْنَةِ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ، تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيْلٍ ، فَجَعَلَ الْقَرِيْنَةَ كَعَصْفٍ مَاكُوْلٍ يَا عَافِي يَاقَابِلُ يَا شَدِيْدُ يَا ذَالطَّوْلِ)) ❶

''کیا تم نے نہیں دیکھا تیرے رب نے قرینہ یعنی جنیہ کے ساتھ کیا کیا؟ کیا جنیہ کی چال کو بیکار نہیں کر دیا؟ اور جنیہ پر چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، جو اس پر پکی ہوئی مٹی کی کنکریاں پھینک رہی تھیں، یہاں تک کہ جنیہ کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا، اے عافیت دینے والے، اے قبول کرنے والے، اے سخت پکڑ والے، اے طاقت والے۔''

یہ بھی قرآن شریف کے ساتھ تمسخر اور مذاق ہے، نیز اصل قرآن کو تبدیل کر دینا ہے، ان واقعات سے ان اہل علم کے فتوؤں کی واضح ہو جاتی ہے جو شرک کا دروازہ بند کرنے کے لیے قرآن کا تعویذ بھی حرام کہتے ہیں، جن کی چند مثالیں بیان ہوئیں۔ ❷

---

❶ السنن و المبتدعات ص ۲۹۹۔

❷ اس سے بھی عجیب و غریب قرآنی تعویذوں کی مثالیں دیکھنی ہوں تو برصغیر ہندو پاک میں چھپے ہوئے بعض مترجم و مفسر قرآن کو دیکھیں جن میں قرآن شریف کی تعویذی حیثیت کو بہت نمایاں اور مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، ہر سورت کا تعویذی فائدہ، نیز مختلف سورتوں کا مختلف دنیاوی اغراض و مقاصد کا ضامن ہونا بتایا گیا ہے چونکہ بہت ساری سورتیں کافی بڑی بڑی ہیں، جن کی تعویذی تلاوت یا تعویذ لکھائی باعث زحمت تھی اس لیے تعویذ کی سہولت اور آسانی کے پیش نظر تمام سورتوں کو نمبرات میں تبدیل کر کے ان کا مختصر اور شارٹ کٹ طلسمی نقشہ بنا دیا گیا ہے، چند نقشے بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کیے جا رہے ہیں:

سورۂ رعد: ......ظالم حاکم کی معزولی بچہ کے رونے اور استقاط حمل اگر لڑکی پیدا ہوتی ہو تو لڑکا ہونے کے لیے بانجھ عورت، کان کے ورم کے لیے بہت مفید ہے۔ اس سورت کے عدد ۲۴۴۶۹۳ اور نقش معظم یہ ہے:

٧٨٦

٨١٥٦٧	٨١٥٦٠	٨١٥٦٥
٨١٥٦٢	٨١٥٦٤	٨١٥٦٦
٨١٥٦٣	٨١٥٦٨	٨١٥٦١

(١)

مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بیماروں اور بچوں کو تعویذ پہنانا جائز نہیں، جو تعویذ لٹکائے جاتے ہیں انہیں

⇦⇦⇦

سورۂ نور: احتلام سے محفوظ رہنے، شاعر وغیرہ کی زبان بندی، آشوب چشم اور بانجھ عورت کے لیے اکسیر ہے، اس کی عدد ۴۰۲۵۷ ہیں اور نقش معظم یہ ہے:

۷۸۶

۱۰۰۶۰۶	۱۰۰۶۲۰	۱۰۰۶۱۷	۱۰۰۶۱۴
۱۰۰۶۱۸	۱۰۰۶۱۳	۱۰۰۶۰۷	۱۰۰۶۱۹
۱۰۰۶۱۲	۱۰۰۶۱۵	۱۰۰۶۲۲	۱۰۰۶۰۸
۱۰۰۶۲۱	۱۰۰۶۱۹	۱۰۰۶۱۱	۱۰۰۶۱۶

(۲)

سورۂ نصر: جال میں مچھلیاں خوب پھنسنے کے لیے مفید ہے، نقش معظم یہ ہے:

۷۸۶

۱۵۲۳	۱۵۳۲	۱۵۳۴	۵۱۳۰
۱۵۳۵	۱۵۲۹	۱۵۲۴	۱۵۳۶
۱۵۲۸	۱۵۳۱	۱۵۳۹	۱۵۳۵
۱۵۳۸	۱۵۳۶	۱۵۲۷	۱۵۳۳

(۳)

اسی طرح تمام سورتوں کے الگ الگ نقش معظم بنا کر آخر میں پورے قرآن کو مع بسم اللہ کے نقش معظم میں ڈھال دیا گیا ہے پھر نیچے ان نقوش کے فوائد اور طریقہ استعمال بتائے گئے ہیں، اس طریقہ سے امتیوں کو قرآن شریف سے کس قدر بے نیاز کر دیا گیا ہے، انسانی فطرت تو عیش و آرام اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے رہی، مشکلات اور پریشانیوں میں اللہ اور اس کے کلام سے کچھ بھی تعلق کی امید تھی اس طریقہ نے اس امید پر بھی پانی پھیر دیا، اسی سلوک کا شکوہ قرآن شریف بزبان حال یوں کرتا ہے:

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مجبور نہیں

(ماہر القادریؒ)

⇦⇦⇦

تمائم، حروز اور جوامع کہتے ہیں۔ ان کے متعلق صحیح حکم یہ ہے کہ یہ سب حرام اور شرک ہیں، کیوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ وَمَنْ عَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ)) ❶

"جس نے تعویذ لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے، اور جس نے کوڑی گھونگھا لٹکایا اللہ تعالیٰ اسے راحت وسکون نصیب نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ)) ❷

"جس نے تعویذ لٹکائی اس نے شرک کیا۔"

((إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَالَةَ شِرْكٌ)) ❸

"بے شک جھاڑ پھونک ❹ تعویذ اور پریم منتر سب شرک ہیں۔"

⇦⇦ اور روز قیامت نبی رحمت جناب محمد ﷺ پروردگار عالم سے یوں شاکی ہوں گے۔
﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰) "اور رسول اللہ ﷺ کہیں گے: اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

اسی بات کا رونا علامہ اقبال نے یوں رویا ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

مذکورہ طلسماتی تعویذ کی طرح نمبرات پر مشتمل ایک تعویذ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ قشیری مصری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: جس نے اس پر عمل کیا وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ غافل ومبغوض ہے، جس نے اس کتاب اور اس جیسی دوسری کتابوں کو جلایا نہیں وہ عنقریب جہالت کی آگ میں جلے گا، فقیری ومحتاجی اور بیماریاں اس کا مقدر رہیں گی، وہ رنج و غم اور بلاء میں گرفتار رہے گا، اور اس کے بعد آخرت کا عذاب جہنم میں ہوگا، جس میں اسے داخل ہونا پڑے گا، اور جہنم کتنی بری جگہ ہے۔ (السنن والمبتدعات ص ۲۹۵ (م م)

❶ اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

❷، ❸ ان دونوں حدیثوں کی تخریج گذر چکی ہے۔

❹ جھاڑ پھونک میں اگر شرکیہ یا غیر شرعی الفاظ نہ ہوں تو جھاڑ پھونک جائز ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ (م م)

ان تمام احادیث کی روشنی میں یہ ساری چیزیں حرام اور شرک ہیں۔ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اگر تعویذ قرآن شریف یا مباح دعاؤں کے ہوں تو یہ بھی حرام ہیں یا نہیں؟ تو صحیح حکم ان کی حرمت کا ہے، ان کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ پہلی وجہ مذکورہ بالا احادیث کا عموم ہے، کیوں کہ وہ احادیث ہر طرح کے تعویذ کو عام ہیں، خواہ قرآن سے ہوں یا غیر قرآن سے۔

۲۔ دوسری وجہ شرک کے راستوں کو بند کرنا ہے، کیوں کہ اگر قرآنی تعویذ کو جائز کر دیا جائے تو دوسرے غیر قرآنی تعویذوں کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے اور معاملہ مشتبہ ہو جائے گا، پھر ہر طرح کے تعویذ لٹکانے کا دروازہ کھل جائے گا، اور یہ معلوم ہے کہ ان طریقوں اور راستوں کو بند کرنا جو شرک اور گناہ کی طرف لے جاتے ہوں، شریعت کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ [1]

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ کا فیصلہ

شیخ محمد بن صالح بن عثیمین رحمہ اللہ تعویذ اور حجاب لٹکانے کے حکم کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ان مسائل کی، یعنی حجاب اور تعویذ کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ یہ تعویذ قرآن کے ہوں، دوسرے یہ کہ قرآن کے علاوہ ایسی چیزوں کے ہوں جن کا معنی نہ سمجھا جاتا ہو، تو پہلی قسم، یعنی قرآن کے تعویذ لٹکانے کے بارے میں پہلے بھی اہل علم کا اختلاف رہا ہے اور آج بھی ہے، چنانچہ کچھ اہل علم نے اسے جائز کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(الاسراء: ۸۲)

---

[1] فتاوی شیخ ابن باز ۱ / ۲۰۔

"اور ہم قرآن میں ایسی آیتیں اتارتے ہیں جو مومن کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔"

اور: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ (ص: ۲۹)

"یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے۔"

میں داخل مانا ہے، اور قرآن کی برکت میں سے ہے کہ اسے مصیبت دفع کرنے لیے لٹکایا جائے۔ اور کچھ اہل علم نے قرآن کے تعویذ کو بھی ناجائز کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ قرآن لٹکانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں کہ یہ شرعی سبب ہے جس کے ذریعے مصیبت کو رفع یا دفع کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس قسم کی چیزوں میں اصل توقیف ہے۔ ❶

یہی قول راجح بھی ہے کہ تعویذ کا لٹکانا (پہننا) جائز نہیں، اگرچہ قرآن ہی سے کیوں نہ ہو، نہ ہی اسے مریض کے تکیہ کے نیچے رکھنا یا دیوار میں لٹکانا جائز ہے، اور جو طریقہ بھی اس کے مشابہ ہو، ناجائز ہے بلکہ بیمار کے لیے دعا کی جائے اور براہ راست اس پر قرآن پڑھا جائے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔" ❷

صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ)) ❸

"میں اللہ کے کلام تام کی پناہ چاہتا ہوں شیطان سے، اور ہر موذی جانور سے، اور نظر بد سے۔"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر والوں پر اس دعا

---

❶ جو چیز اللہ و رسول ہی کے بتانے سے معلوم ہو سکتی ہو اسے توقیفی کہتے ہیں۔ (م م)

❷ المجموع الثمین ۱ / ۵۸۔

❸ بخاری ۶/ حدیث نمبر ۳۳۷۱، کتاب الانبیاء و ابن ماجه ۲ / حدیث نمبر ۳۵۷۰، ابواب الطب.

کو پڑھتے اور ہاتھ پھیرتے جاتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاْسَ ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ ، اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا)) ❶

"اے اللہ! انسانوں کے پروردگار! تو تکلیف کو دور کر دے اور اسے شفاء دے دے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے علاوہ اور کوئی شفاء نہیں ہے، ایسی شفاء عطاء کر کہ پھر بیماری نہ لاحق ہو۔"

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جس وقت سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھے مارے ڈالتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا ہاتھ اس جگہ رکھو جہاں درد ہے پھر تین بار "بسم اللہ" کہو اور سات بار یہ کہتے ہوئے ہاتھ پھیرو:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ)) ❷

"میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں، اس چیز کے شر سے جسے میں محسوس کر رہا ہوں اور جس کے لاحق ہونے کا خوف ہے۔"

موطا امام مالک میں یہ اضافہ ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد میرا درد جاتا رہا اور اسی چیز کی تعلیم میں اپنے گھر والوں کو دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے، تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا اور اس دعا کے ذریعے آپ کو دم کیا:

((بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ

---

❶ بخاری کتاب الطب رقیة النبی ٧٨، الطب، و مسلم حدیث نمبر ٢١٩١، کتاب السلام) باب استحباب رقیة المریض حدیث ٥٧٤

❷ مسلم حدیث نمبر ٢٢٠٢، کتاب السلام۔

وَعَيْنِ حَاسِدِ اللّٰهُ يَشْفِيكَ ، بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ)) ❶

''میں اللہ کے مبارک نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دے رہی ہے، ہر متنفس و حاسد کی نظر کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے، میں اللہ ہی کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔''

نیز مشہور واقعہ ہے کہ نبی ﷺ کو ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ بے چین رہا کرتے تھے۔ ایک دن جبریل علیہ السلام ایک فرشتہ کے ساتھ آئے، آپ کو جادو کی صورت حال سے آگاہ کیا، اور سورۂ معوذتین ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ نازل فرمائی اور کہا: آپ ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور جادو کی ایک ایک گرہ کھولتے جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ جادو کے اثر سے شفاء یاب ہو کر ایسا محسوس کر رہے تھے، جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا۔ ❷

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ بیمار کے اوپر براہ راست دعائیں اور قرآن شریف پڑھتے تھے اور صحابہ کرام کو اسی کا حکم بھی فرماتے تھے تعویذ لکھ کر نہ لٹکاتے اور نہ اس کی اجازت دیتے۔

نیز بیماری لگنے سے پہلے یعنی بغرض حفاظت بہت ساری دعائیں آپ ﷺ نے بتائی ہیں، جن میں سے معوذتین اور آیت الکرسی کا ذکر تو گزر چکا ہے، ایک اور جامع دعا درج ذیل ہے۔ سیّدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے وقت یہ دعا ((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) پڑھ لے تو اسے کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی، یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کر

---

❶ مسلم حدیث نمبر ۲۱۸۵، ۶۸۱۲.

❷ فتح القدير للشوكاني ٥ / ٥١٩ مسند عبد بن حمید کے حوالہ سے، نیز یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بخاری، کتاب الطب، باب السحر، حدیث ۵۷٦۳ ۹ اور ابن ماجہ، کتاب الطب، باب السحر، حدیث ۲۳٤٥ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

جائے، اس دعا کا ترجمہ یہ ہے: میں اللہ کے کلام تام کی پناہ چاہتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا ہے۔ ❶

ابوداؤد ❷ میں صحیح سند سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا: رات مجھے کسی چیز نے ڈس لیا، جس کی تکلیف سے میں سو نہیں سکا، تو آپ نے فرمایا: اگر تم نے شام کو یہ دعا پڑھ لی ہوتی:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتَ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

تو کوئی چیز تمہیں تکلیف نہیں دیتی۔ ❸

یہ ہے طریقہ رسول اور سنت رسول ﷺ، مسلمانوں کو سنت رسول ﷺ کا پیرو کار اور تابعدار ہونا چاہیے، اور ہر طرح کے شرک اور کفر اور مخالفت سنت عمل سے دور رہنا چاہیے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

❶ مسلم کتاب الذکر والدعاء باب فی التعوذ من سوء حدیث ۲۷۰۸۔

❷ ابوداؤد کتاب الطب باب کیف الرقی حدیث ۳۸۹۸

❸ فتح الباری ۱۰ ۱۹۶، مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب فی التعوذ من سوء حدیث ۲۷۰۹.

حاصل بحث

اللہ کی توفیق سے یہ مختصر سی بحث مکمل ہوگئی، اس بحث کے نتائج کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اہل جاہلیت کے یہاں تعویذ معروف چیز تھی، ان کے یہاں مختلف عقائد و خرافات اور باطل باتیں ان تعویذوں کے متعلق مشہور تھیں۔

۲۔ تعویذ لٹکانا انسان کے عقیدہ میں خلل اور فکر و نظر میں کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ تعویذ لٹکانا تعویذ اور صاحب تعویذ کے حسب حال کبھی شرکِ اکبر ہوتا ہے اور کبھی شرکِ اصغر۔

۴۔ شرک اصغر گناہ کبیرہ سے بھی بڑا گناہ ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتویٰ دیا ہے۔

۵۔ تعویذ لٹکانے کی وبا لوگوں کے اندر ہمیشہ موجود رہی ہے، جادوگر، شعبدہ باز اور ان جیسے لوگ اسے رواج دیتے رہے ہیں۔

۶۔ تعویذ لٹکانا حصول خیر کے لیے یا دفع ضرر کے لیے نہ شرعی سبب ہے اور نہ ہی قدرتی۔

۷۔ قرآن و حدیث کے تعویذ پہننے اور لٹکانے کی ممانعت ہی راجح قول ہے۔

مراجع ومصادر

✧ ترغیب و ترھیب حافظ منذری......مطبع دار الفکر۔

✧ تفسیر طبری مسمی بہ "کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن" ابو جعفر محمد بن جریر طبری......مطبع دار الفکر، بیروت ١٣٨٩ھـ

✧ تفسیر القرآن العظیم......حافظ ابن کثیر......تحقیق دکتور محمد آبراھیم البنا وزمیلہٗ طباعت: دار الشعب مصر۔

✧ بخاری۔ فتح الباری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن خزیمہ۔ السنن الکبری۔

✧ التوضیع عن توحید الخلائق فی جواب اھل العراق......شیخ سلیمان بن عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالواھابؒ......نا شر: دار طیبہ ریاض طبع اول ١٤٠٤ھـ

✧ تھذیب مدارج السالکین......شیخ عبد المنعم العلی العز، طباعت: وزارۃ العدل، متحدہ عرب امارات۔

✧ تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید...... شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوھابؒ، مطبع مکتب اسلامی، بیروت، طبع چھارم۔

✧ الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی......علامہ ابن قیم الجوزیہ، تحقیق محمود عبدالوھاب فائد، مطبع: محمد علی صبیح و اولادہ، میدان الازھر ١٣٨٨ھـ

✧ سلسلة الاحادیث الصحیحة وشیء من فقیھا و فوائدھا......شیخ محمد ناصر الدین البانی، مطبع: مکتب اسلامی بیروت۔

✧ السنن المبتدعات بالا ذکار الصلوات......محمد عبدالسلام خضر شقیری مصری، نشر: دار الباز للنشر التوزیع، مکة المکرمة۔

✧ السنن الکبریٰ ......حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیهقی، دارالفکر۔

✧ سنن نسائی......مع شرح جلال الدین سیوطی و حاشیه سندي، مطبع : داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

✧ سنن ابن ماجه ......تحقیق محمد فواد عبدالباقی، مطبع : داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

✧ سنن ابو داؤد...... تحقیق : عزت عبدالد عاس مطبع : دارالحدیث، حمص طباعت اول ۱۳۹۱ھ۔

✧ سنن ترمذی......تحقیق : احمد شاکر، مطبع دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

✧ الشرك ومظاهره......مبارك بن محمد میلی، مطبع : جامعه اسلامیه مدینه منوره۔

✧ صحیح ابن خزیمه......تحقیق : محمد اعظمی، مطبع : مکتب اسلامی ۱۴۰۰ھ۔

✧ صحیح بخاري......محمد بن اسماعیل بخاري، ضبط و تعلیق : محمد مصطفی مطبع : دار القلم و دار البخاري، دمشق، طباعت اول ۱۳۷۴ ھ۔

✧ صحیح ترمذی، صحیح ابن ماجه، صحیح ابوداؤد......محمد ناصر الدین البانی، مطبع : مکتب اسلامی۔

✧ صحیح مسلم......امام مسلم بن حجاج قشیری، تحقیق : محمد فواد عبدالباقی، مطبع : دار احیاء الکتب العربیة۔

✧ فتاوی......شیخ عبدالعزیز بن باز، ناشر : مؤسسته الدعوة الاسلامیه طباعت اول ۱۴۰۸ھ۔

✧ فتح الباری شرح صحیح بخاری......حافظ شهاب الدین ابن حجر عسقلانی، مطبع : دار المعرفه للنشر، بیروت، طباعت دوم۔

✧ الفصل فی الملل والا هواء والنحل......ابو محمد علی بن حزم ظاهری، مکتبه مثنی، بغداد۔

✧ قرة عیون الموحدین فی تحقیق دعوة الانبیاء و المسلمین.........شیخ عبدالرحمن بن محمد بن عبدالوھاب، مکتبة الریاض الحدیثه۔

✧ القول السدید فی مقاصد التوحید ......شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدی مطبع : جامعه اسلامیة مدینه منوره، طباعت : پنجم ١٤٠٤ھ۔

✧ لسان العرب......جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، مطبع : دار صادر، بیروت۔

✧ مجمع الزوائد منبع الفوائد......حافظ علی بن ابی بکر ھیثمی، مطبع : دار الکتاب العربی، بیروت، طباعت سوم ١٤٠٢ھ۔

✧ المجموع الثمین من فتاوی فضیلته الشیخ محمد بن صالح العثیمین، جمع و ترتیب : فھد بن ناصر السلمان، طباعت اول ١٤١٠ھ۔

✧ مدارج السالکین بین منازل ایاك نعبدو و ایاك نستعین...... علامه ابن قیم الجوزیه، تحقیق : محمد حامد فقی، ١٣٧٥ ه، مطبع السنه الحمدیه، مصر۔

✧ المستدرك علی الصحیحین......حافظ ابو عبدالله حاکم نیسا بوری مع تلخیص حافظ ذھبی، مطبع : دار الفکر بیروت، ١٣٨٩ھ۔

✧ مسند امام احمد بن حنبل، مع کنز العمال فی سنن الاقوال والا فعال، مطبع : مکتب اسلامی و دار صادر، بیروت۔

✧ المصنف فی الاحادیث......حافظ ابوبکر بن ابی شیبه، مطبع : الدار السلفیه، بمبئی، ھند، تحقیق : مختار احمد ندوی، طباعت اول، ١٤٠٠

✧ معارج القبول بشرح سلم الوصول الی علم الاصول فی التوحید......شیخ حافظ بن احمد حلمی، ناشر : جماعت احیاء التراث۔

✧ المفصل فی تاریخ العرب قبل اسلام...... جواد علی، مطبع: دارالعلم للملایین، بیروت اور مکتبة النھضه، بغداد، طباعت سوم ١٩٨٠ھ۔

✧ موطا امام مالك روایته یحی بن یحی لیثی...... اعداد : احمد راتب عمروش، مطبع : دارالنفائس، طباعت دوم، ١٣٩٧۔

✧ النھایه فی غریب الحدیث والاثر...... ابوالسعادات مبارك بن محمد جزری

بن الاثیر تحقیق : طاہر احمد زاوی ، اور محمود محمد طناحی ، مطبع : مکتبہ علمیہ بیروت۔

- النهج السدید فی تخریج احادیث تیسیر العزیز الحمید ، ویلیہ ملحق بتخریج زوائد احادیث فتح المجید علی التیسیر......ابو سلیمان جاسم فہید دوسری ، مطبع : دارالخلفاء للکتاب الاسلامی ، کویت ، طباعت اول ، ١٤٠٤۔

جشن عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

علامہ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

ترجمہ:......ابو شمس عبداللطیف کشمیری (فاضل اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ)

جشن میلاد کے انعقاد و اہتمام سے عامۃ المسلمین کی جذباتی وابستگی اور اس کی ترویج و اشاعت میں ان کی انتہائی دل چسپی اور گرم جوشی کے اظہار کے مختلف اسباب ہیں جن میں دین کی صحیح تعلیمات سے بے خبری، محبت میں غلو، خواہشاتِ نفس کی پیروی اور اندھی تقلید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کتاب و سنت سے ہر قسم کا تجاوز گناہ ہے مگر بدعت زیادہ قبیح اور نقصان دہ تجاوز ہے۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

((اَلْبِدْعَةُ أُحِبُّ إِلٰی إِبْلِيْسَ مِنَ الْمَعْصِيَةِ ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ يُتَابُ عَنْهَا وَالْبِدْعَةَ لَا يُتَابُ عَنْهَا .))

''بدعت ابلیس کے نزدیک معصیت سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے، کیونکہ معصیت سے بندہ توبہ کر لیتا ہے، جب کہ بدعت سے توبہ کی اس کو توفیق ہی نہیں ہوتی۔''

وہ اس لیے کہ جب بندہ بدعت کو دین کا حصہ سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے تو وہ اس سے توبہ کی فکر ہی کیوں کر کرے؟

دین میں ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے، چاہے اس کا ظاہر کتنا بھی بندے کو خوبصورت لگے، لیکن میلاد کی بدعت کی قباحت بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کی ایجاد کا بنیادی ہدف اور اساسی محرک لوگوں کو کتاب و سنت پر مبنی عقائد، عبادات اور اخلاق سے دُور کر کے اسلام سے متصادم افکار و عقائد کی ترویج و اشاعت کرنا تھا، اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا ادراک ہر اس شخص کو بڑی

آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے جو تعصب اور اندھی تقلید کو چھوڑ کر میلاد کی تاریخ اور اس کے موجدین کے احوال جاننے کے لیے کتب تاریخ کا مطالعہ کرے، آیئے دیکھتے ہیں کہ تاریخ نے اس بارے میں کیا معلومات محفوظ رکھی ہیں۔تاریخ اسلام میں سب سے پہلے میلادی بدعت کو ایجاد کرنے والے لوگ ''عبیدی'' ہیں جو اپنے آپ کو فاطمی بھی کہا کرتے تھے:

☆ یہ لوگ ''ابن دیصان القداح'' کی نسل سے ہیں، اور وہ عراق میں شیعی باطنی مذہب کے مؤسسین میں شمار ہوتا ہے

☆ مرور ایام کے ساتھ ساتھ عبیدیوں نے اپنے آپ کو خلیفہ راشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف منسوب کیا، جب کہ جمہور علمائے اُمت (احناف، شافعی، حنابلہ، مالکی، اہل حدیث) اور علمائے انساب کا موقف یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل مجوس یا یہود کی اولاد ہیں اور اولادِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

☆ یہ لوگ مصر میں ۳۶۲ ہجری میں رمضان المبارک کے مہینے میں داخل ہوئے، اور وہاں صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ (سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم) کی عداوت پر مبنی پالیسی اختیار کرتے ہوئے اپنی فاطمی خلافت قائم کر لیتے ہیں۔لوگوں کو اپنا باطنی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ساتھ ہی ملک میں قائم عدالتی نظام کو تبدیل کر کے اپنے باطنی افکار ونظریات کے مطابق از سر نو ان کو چلانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

☆ صحیح اسلامی عقائد اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کو لوگوں کے دلوں سے نکالنا اور باطل شیعی عقائد ونظریات کی نشر واشاعت ان کی اوّلین ترجیح تھی، ان ہی کے دورِ حکومت میں مصر کی مساجد میں نمازِ تراویح پڑھنا ممنوع بلکہ ایک جرم قرار دیا گیا، اور انہوں نے ہی ایک شخص کو شہر کی گلیوں میں گھسیٹا، مارا اور پیٹا، کیونکہ اس کے گھر میں نبی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا عظیم مجموعہ اور امام مالک کی معروف کتاب ''الموطا'' پائی گئی۔

سنت اور اہل سنت سے عداوت کے برعکس یہود ونصاریٰ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے

اچھے اور انتہائی خوش گوار تھے۔ بعض نے نصاریٰ کے ساتھ رشتے بھی قائم کیے، اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کو بڑے بڑے عہدوں پر بٹھایا، اور بعض کو وزارتوں سے بھی نوازا۔

اختصار مطلوب ہے، ورنہ ان لوگوں کے جرائم اور سیاہ کاریوں کی فہرست بڑی طویل ہے جو تاریخ کی معتمد کتابوں میں موجود ہیں، لیکن مذکورہ بالا حقائق سے بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میلاد النبی ﷺ کا جشن قائم کر کے یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکا دے کر اصل اسلامی تعلیمات سے دُور کرنا چاہتے تھے۔ ان کے فاسد عقائد کا اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے میلاد النبی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی میلادیں اور جشن قائم کیے، جن میں میلادِ علی، میلادِ حسن، میلادِ حسین، میلادِ فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین، یوم عاشورا اور عید غدیر معروف ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے دورِ خلافت میں مجوس اور نصاریٰ کی عیدیں بھی بڑے اہتمام اور جوش و خروش سے مناتے تھے۔

یہ بات طے ہے کہ مسلمان میلاد کے ان موجدین سے کبھی محبت نہیں کر سکتے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عامۃ المسلمین ان حقائق کو سرے سے جانتے ہی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود میلاد کی قباحت اور اس کی بدعیت کے لیے یہ بات کیا کافی نہیں کہ یہ عمل نہ نبی کریم ﷺ کے کسی حکم سے ثابت ہے نہ کسی عمل سے، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ .))

”اتباع اور اطاعت کو لازم پکڑو اور نئی ایجادات (بدعات) کو نہ نکالو، کیونکہ تمہیں کتاب و سنت دے کر خود کفیل بنا دیا گیا ہے۔“

یعنی جس کے بعد تمہیں کسی تیسری شے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

دین میں ہر ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت کا انجام گمراہی ہے۔ اس لیے اسے بدعت حسنہ کہنا بھی بذاتِ خود شرعی اصطلاحات میں ایک مستقل بدعت ہی ہے۔ بدعت میں حسنہ اور سیئہ کی تقسیم بھی بعد میں آنے والے لوگوں کا ہی کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام

بلکہ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں پائے جانے والے اہل علم وفضل سے اس قسم کی کوئی تقسیم وارد نہیں ہے، بلکہ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دین میں ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے، جب کہ بدعات سے اجتناب اور بدعتوں سے دُوری برتنا لازمی اور ضروری ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَإِنْ رَآهَا النَّاسُ حَسَنَةً .))

''ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اس کو اچھا سمجھنے لگیں۔''

لیکن اس نئی ایجاد و تقسیم سے جہاں میلاد کو شرعی بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہیں یہ دوسری بدعات اور نئی نئی گمراہیوں کو بھی دلیل کا سہارا دیتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تقسیم کے قائلین نے بہت سے شرعی دلائل اور تاریخی وقائع کی غلط تشریح اور من پسند توجیہ کر کے انہیں اپنے موقف کی تائید کے طور پر پیش کیا، مگر علماء نے ہر وقت علمی اور تحقیقی بنیادوں پر ان کی اس تقسیم کے بطلان اور بدعیت کو واضح کر دیا ہے۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے شرعی طلباء و علماء کی کتب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، لیکن اگر عامۃ الناس بھی مزید جانکاری کا اشتیاق رکھتے ہوں تو وہ محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور معروف اردنی عالم شیخ ابو اُسامہ سلیم الہلالی کا عربی میں '' البدعة وآثارها السيء على الأمة'' کے عنوان سے اس رسالے کا مطالعہ کریں، جس میں انہوں نے تقسیم حسنہ اور سیئہ کے قائلین کے دلائل کو ذکر کر کے ان کا علمی جائزہ لیا ہے۔

جشن میلاد کو عید میلاد کا نام بھی دیا جاتا ہے جو کہ شرعی اصطلاحات میں خود ایک قبیح بدعت سے کم نہیں۔ اسلام میں صرف اور صرف دو عیدوں کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اور صحیح قولی اور فعلی احادیث سے ملتا ہے، اور آج تک اُمت تواتر کے ساتھ ان پر عمل کرتے چلی آرہی ہے، اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔ جب کہ ان عیدوں کا منانے کا طریقہ، ان سے متعلق مخصوص عبادات، آداب واحکام اور فضائل ومسائل کی تفصیلات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ میں محفوظ وموجود ہیں۔

بلاشبہ اگر اسلام میں میلاد کی کوئی حیثیت ہوتی تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں اُمت کو ضرور بتلایا ہوتا، جب کہ اس قسم کا کوئی تذکرہ نہ پایا جانا بھی میلاد کی عدم مشروعیت پر بین دلیل ہے۔ اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحٰی کا شمار ان بنیادی شعائر میں ہوتا ہے جن سے مسلمانوں کو دوسری ملل اور مذاہب سے ایک الگ امتیازی تشخص قائم ہوتا ہے، اور ان کی تعظیم وتکریم دل کے تقوے پر دلالت کرتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ٥﴾

(الحج: ٣٢)

''اور ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (شعائر) کی عزت و تعظیم کرے، یہ دل کی پرہیز گاری (تقوی) کا نتیجہ ہے۔''

جب کہ اس کے برعکس بدعت کو اختیار کرنے سے غیروں کی مشابہت لازم آتی ہے اور یہ بات معروف ہے کہ انبیاء کا یومِ میلاد منانا اہل کتاب کا طریقہ ہے اور رہا ہے، اور اُمت محمدیہ کو اغیار کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، نبی الہدیٰ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ .))

''جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہے۔''

بدعت کے متعلق بالعموم اور بدعت میلاد سے متعلق بالخصوص مذکورہ بالا حقائق کا تذکرہ بالاختصار کے بعد اب ہم اُمت مسلمہ کی ایک عظیم و شہیر شخصیت، فقیہ و مجتہد اور دیارِ حرمین کے سابق مفتی اعظم الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کے میلاد کی شرعی حیثیت کے بارے میں ایک مختصر اور جامع فتوے کا اُردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ کی ہر بات کتاب و سنت کے دلائل سے مزین ہے۔ اُمید ہے کہ اس میں آپ بدعات اور بالخصوص بدعت میلاد کی قباحت اور اس کے بُرے انجام اور اُمت پر اس کے بُرے اثرات کے بارے میں پائے جانے والے مختلف استفسارات کا تشفی بخش جواب پائیں گے۔ ان شاء اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنِ اهْتَدٰی بِهُدَاهُ ، اَمَّا بَعْدُ!

لوگوں کی ایک کثیر تعداد نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے یومِ پیدائش کے حوالے سے مجالس و محافل کے انعقاد، وہاں پر آپ ﷺ کے حاضر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے تعظیماً کھڑا ہو جانے اور درود و سلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ ان دیگر اعمال کی شرعی حیثیت کے بارے میں بار بار سوال کرتے ہیں جو اعمال جشن میلاد کی غرض سے آراستہ کی جانے والی ان محفلوں میں انجام دیے جاتے ہیں۔

جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یومِ میلاد یا کسی اور کا بھی یومِ پیدائش منانا اور اس حوالے سے محفلیں منعقد کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ میلاد منانا دین اسلام میں ایک نو ایجاد بدعت ہے [1] اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زمان کے اعتبار سے اسلام کی اوّلین اور شرف و مقام کے اعتبار سے افضل ترین پہلی تین صدیوں میں میلاد کے نام پر کوئی دن اور جشن نہیں منایا گیا۔ نبی حبیب ﷺ نے خود اپنی حیاتِ طیبہ میں اس قسم کی کوئی محفل منعقد فرمائی، نہ ہی آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے دورِ خلافت میں اس نام پر کسی مجلس کا انعقاد و اہتمام کیا۔

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اس حوالے سے کوئی محفل

---

[1] بدعت کا معنی ہے کہ کسی چیز کو ایسے طریقے پر ایجاد کرنا جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہ ہو اور اس عمومی معنی کی بنا پر اس کی دو اقسام ہیں:

(۱)...... عادات میں ایجاد جیسا کہ علمی اور تحقیقی جستجو کے نتیجے میں جدید آلات کی ایجادات کا ظہور اور ایجادات کی یہ قسم جائز ہے، مثلاً مواصلات یا اتصالات کے جدید آلات کی ایجاد۔

(۲)...... دین میں ایجاد یعنی دین میں کوئی ایسا عمل یا طریقہ عمل ایجاد کرنا جس کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو، ایجادات کی یہ قسم حرام ہے، بلکہ یہ بندے کو ایسے راستے پر چلاتی ہے جس کا انجام گمراہی ہے۔ (مترجم)

سجائی، نہ ان کے بعد آنے والے اخلاص وعمل کے پیکر تابعین کرام رحمہم اللہ عنہم اجمعین نے اس نام پر کوئی مجلس رچائی۔ حالانکہ صحابہ عظام اور تابعین کرام بعد میں آنے والے لوگوں کے مقابلہ میں سنت رسول ﷺ کا زیادہ علم وفہم رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی ذاتِ اقدس سے بدرجہ کمال محبت کرنے والے، اور آپ کی شریعت اطہر پر بدرجہ تمام عمل کرنے والے لوگ تھے۔

نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث ثابت ہے، جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .)) ❶

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی، جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، تو وہ (نو ایجاد) چیز مردود (نا قابل قبول) ہے۔''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ، فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) ❷

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر انہیں یہ حکم فرماتے ہیں کہ'' تم میری سنت، اور میرے بعد رشد و ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے پکڑے رکھو اور خبردار! دین میں نئی ایجادات سے بچو، کیونکہ دین میں ہر ایجاد بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ میں بدعات ایجاد کرنے پر شدید تنبیہ، اور ان پر عمل کرنے سے انتہائی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، جب کہ اللہ رب العزت اپنی کھلی اور واضح کتاب قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر : ۷)

---

❶ صحیح بخاری و مسلم بروایت ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

❷ مسند امام احمد بروایت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔

"اور جو کچھ تمہیں رسول دے، اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تمہیں روکیں، اس سے رُک جاؤ۔"

ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور: ٦٣)

"پس ان لوگوں کو جو رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی زبردست آفت کی زد میں نہ آئیں یا انہیں دردناک عذاب نہ گھیر لے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر بھی غور کریں، جس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب: ٢)

"اور وہ مہاجرین و انصار جنہوں نے ایمان قبول کرنے میں سبقت کی، اور وہ لوگ بھی جو راست بازی کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر بھی تدبر اور غور کریں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ٣)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین (اسلام) کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے دین اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔"

قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اسی موضوع کے بیان میں وارد ہوئی

ہیں، لیکن قرآن کریم کی ان واضح آیات کے باوجود بھی میلاد جیسی بدعات کو ایجاد کرنے کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے اپنا دین مکمل نہیں فرمایا ہے، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اُمت تک وہ احکام پہنچائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا اُمت کے لیے ضروری تھا۔ یہاں تک کہ بعد میں آنے والے لوگ ظاہر ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں ایسی ایسی بدعات ایجاد کر لیتے ہیں، جن کے اذن ومشروعیت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان بدعات کے یہ موجدین اس زعم باطل میں بھی مبتلا ہیں کہ ان کی یہ ایجاد کردہ بدعات اور ان پر عمل ان کے لیے اللہ کی قربت کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اس طرح کی چیزوں کا ایجاد کرنا اور پھر ان پر عمل کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ سمجھنا انتہائی خطرناک معاملہ ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ پر عدم تکمیل دین اور اس کے رسول ﷺ پر عدم تبلیغ شریعت کا ایک اعتراض بھی ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنا دین مکمل فرمایا ہے اور ان پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور نبی ﷺ نے بھی دین کی ہر بات کو وضاحت و بیان کے ساتھ اُمت تک پہنچا دیا، اور لوگوں کو ہر اس راہ کی راہنمائی فرمائی جو انہیں جنت تک لے جائے گی اور ہر اس راہ پر چلنے سے منع فرمایا، جو انہیں جہنم کی طرف لے چلے گی۔ جیسا کہ سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ ، وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ .)) (صحیح مسلم)

''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، اس پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنی اُمت کو ہر اس چیز کی راہنمائی فرما دے جس میں ان کی بھلائی سمجھتے تھے اور ہر اس چیز سے انہیں ڈرا دے جس میں ان کی بربادی سمجھتے تھے۔''

یہ بات معلوم اور معروف ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہی تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل، بلند و برتر اور سلسلہ نبوت کے آخری چراغ ہیں، اور وہی دین کی امانت اور خیر

خواہی کے پیغام کو بدرجہ کمال اُمت تک پہنچانے میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور اگر میلاد کے نام پر جشن منانا اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ دین ''اسلام'' میں جائز ہوتا، تو آپ ﷺ نے اُمت کو اس بارے میں ضرور بتلایا ہوتا، اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی یوم میلاد کی مناسبت سے محفلیں منعقد کر کے اس بارے میں اپنی اُمت کو عملاً رہنمائی فرمائی ہوتی، یا کم از آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی نے آپ ﷺ کے یوم میلاد کے حوالے سے مجالس و محافل کا انعقاد کر کے اس جشن کی طرح ڈالی ہوتی۔ لیکن اگر آپ کی حیاتِ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد سعید میں اس قسم کا کوئی دن منایا گیا، اور نہ کوئی محفل سجائی گئی تو پھر یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ میلادی جشن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دین میں پیدا کردہ نوایجاد بدعات میں سے ایک بدعت ہے جن سے آپ اُمت کو بچنے اور دُور رہنے کی ہر وقت تاکید فرماتے تھے، جیسا کہ ابتدا میں ذکر کی گئی دو احادیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہے، اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں بدعات کی قباحت اور ان سے بچنے کا واضح بیان موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک اس حدیث کے وہ الفاظ جو آپ ﷺ خطبہ جمعہ میں بیان کرتے تھے:

((اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ، وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .))

''بہ تحقیق بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور سب سے عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور سب سے بدترین کام وہ ہیں، جن کو دین میں ایجاد کیا جائے، اور دین میں ہر نو ایجاد چیز گمراہی ہے۔''

اس کے علاوہ بھی بہت سی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہیں جو بدعت کی تباہی و خرابی اور ایجادِ بدعت کی مذمت کے مفہوم کو بیان کرتی ہیں۔

کتاب و سنت کی درج بالا اور ان کے علاوہ دیگر دلائل کی بنا پر علمائے اُمت کی ایک جماعت نے میلادی بدعت منانے اور اس غرض سے محفلوں کے انعقاد کی صراحت کے ساتھ

نکیر و مذمت کے ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، لیکن بعد میں آنے والے بعض لوگوں نے علمائے اُمت کی اس واضح اور مدلل رائے کے برعکس میلاد منانے کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا، کہ میلاد کے نام پر منعقد کی جانے والی مجالس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو شریعت کی تعلیمات کے منافی ہو، مثلاً آپ ﷺ کی شان اقدس میں غلو نہ کیا جائے، مردوزن کا اختلاط نہ ہو، اور گانے بجانے کے آلات استعمال نہ ہوں۔ اسی طرح ان اعمال کے علاوہ بھی کوئی ایسا کام نہ کیا جائے، جو ان منکرات اور منہیات پر مشتمل ہو، جن کا انجام دینا ازروئے شریعت ناجائز ہے۔ اس طرح سے میلاد کے قیام کے لیے جواز کا راستہ نکالنے والے متاخرین نے اسے بدعت حسنہ گردانا۔

ایک شرعی قاعدہ:

((رُدَّ مَا تَنَازَعَ فِیْهِ النَّاسُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ ﷺ)) یہ اسلامی شریعت کا بنیادی قاعدہ ہے کہ لوگ جب دین کے کسی مسئلہ میں آپسی تنازع (اختلاف) کا شکار ہو جائیں، تو اس مختلف فیہ مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ کی طرف لوٹایا جائے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۝﴾

(النساء: ٥٩)

”اے ایمان والو! فرماں برداری کرو اللہ تعالیٰ کی، اور فرماں برداری کرو رسول اللہ ﷺ کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر و اختیار ہوں، پھر اگر کسی معاملہ میں نزاع (اختلاف) ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ طریقہ بہت اچھا اور انجام کے اعتبار سے بہترین ہے۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوری : ١٠)

"اور جس معاملہ میں بھی تمہارا اختلاف ہو، تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔"

چنانچہ ہم نے ان قرآنی آیات سے ماخوذ اس شرعی قاعدے پر عمل کرتے ہوئے مسئلہ جشن میلاد کو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر پیش کیا، تو ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی بیان کی ہوئی شریعت پر مکمل عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنے کا حکم فرمایا ہے جن سے آپ ﷺ نے دُور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھا کہ اللہ رب العزت نے اس اُمت کے لیے اپنے دین کو مکمل فرمایا ہے۔

جب دین مکمل ہو چکا ہے اور جشن میلاد کا کوئی بھی ثبوت آپ ﷺ کی بیان کردہ شریعت میں نہیں پایا جاتا ہے، تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا اس دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، جس دین کی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تکمیل فرمائی ہے۔

اسی طرح ہم نے اس مسئلہ کو نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ کی طرف بھی لوٹایا، تو ہم نے کہیں یہ نہیں پایا کہ آپ ﷺ نے اس قسم کا کوئی جشن منعقد کر کے خود سے میلاد منایا ہو یا کسی کو منانے کا حکم دیا ہو۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ایسا کوئی ثبوت تک نہ ملا جس سے یہ پتہ چلتا کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کی کوئی محفل سجائی ہو، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ میلاد منانے کا دین کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دین میں ایک نو ایجاد بدعت ہے، جس سے یہود و نصاریٰ کی عیدوں سے مشابہت اختیار کرنا لازم آتا ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ہر اس شخص پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے جو تھوڑی بہت عقل اور معمولی بصیرت بھی رکھتا ہو اس کو حق کی معرفت کا شوق اور تعصب سے بالاتر ہو کر انصاف سے اس کی تلاش مطلوب ہو کہ جشن میلاد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دین اسلام میں ان نو ایجاد بدعات میں سے ایک بدعت ہے جن سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے

اجتناب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

کسی ایسے شخص جسے اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم سے نوازا ہو کر لوگوں کی اس کثرت کو دیکھ کر دھوکا نہیں کھانا چاہیے، جو دنیا کے مختلف حصوں میں میلاد کے نام پر جشن کا اہتمام کرتی ہے، کیونکہ تعداد کی قلت یا کثرتِ حق و باطل کے درمیان تفریق کا پیمانہ نہیں ہوا کرتیں، بلکہ حق شرعی دلائل سے پہچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (البقرہ: ۱۱۱)

''اوران کا کہنا ہے کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا، الا جو (یہودیوں کے خیال کے مطابق) یہودی ہوگا، یا جو (نصاریٰ کے خیال کے مطابق) نصرانی ہوگا، یہ تو ان کی تمنائیں ہیں، آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر اس کی دلیل پیش کرو۔''

ایک دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(الانعام: ۱۱٦)

''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ دنیا میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلیں گے، تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بے راہ کر دیں گے۔'' ❶

❶ قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ راہِ حق پر چلنے والے لوگ کم ہی ہوتے ہیں اور اس حقیقت کا مشاہدہ ہر زمانے میں کیا گیا ہے۔ اس لیے کسی عمل یا رائے پر کثرت سے لوگوں کا عمل اس کی صحت کی دلیل نہیں ہو سکتی، بلکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ میری اُمت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جس میں صرف ایک ہی فرقہ جنت میں داخل ہوگا، اور وہ ناجی فرقہ وہ ہوگا جو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ابوداؤد، باب شرح السنہ اور ترمذی، کتاب الایمان) جب کہ معروف صحابی سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ((اَلْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَاِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ)) یعنی ''جماعت وہی ہے جو حق (دلیل) پر ہو خواہ تم تنہا ہی کیوں نہ ہو۔'' (مترجم)

یہ بات طے ہے کہ میلاد منانا بہر حال بدعت ہے لیکن اس کے ساتھ اس حوالے سے منعقد کی جانے والی محفلیں بھی اکثر و بیشتر حرام کاموں اور فحش کاریوں سے خالی نہیں ہوتیں، مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط، ڈھول پیٹنے اور گانے بجانے کے آلات کے علاوہ نشہ آور اشیاء کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ ان سب برائیوں اور سیاہ کاریوں سے بڑھ کر گناہ ''شرک اکبر'' کا ارتکاب بھی بسا اوقات ان محفلوں میں ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ لوگ وہاں نبی کریم ﷺ اور دیگر اولیاء کی شان میں غلو کرتے ہیں، بلکہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ علم غیب رکھتے ہیں، انہیں پکارتے ہیں اور ان سے فریاد رسی اور مدد طلب کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اور بھی بہت سے باطل اعتقادات کے نتیجے میں لوگوں کی کثیر تعداد ان محفلوں میں کفریہ اعمال کر بیٹھتے ہیں جو محفلیں وہ رسول اللہ ﷺ یا دوسرے ان لوگوں کے یوم پیدائش کے نام پر قائم کرتے ہیں جنہیں وہ اولیاء سمجھتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کی ایک صحیح حدیث ہے جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ ، فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، الْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ .)) ❶

''خبردار! تین میں غلو (حد سے تجاوز) سے بچو، کیونکہ دین میں غلو ہی سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کا سبب ٹھہرا۔''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا تُطْرُوْنِی كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ، اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ ، فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ .)) ❷

''تم لوگ میری شان میں غلو (حد سے زیادہ تعریفیں) کر کے اس طرح مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ، جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں

---

❶ مسند احمد، سنن نسائي ، ابن ماجه و حاكم بروايت سيّدنا عبدالله بن عباس رضي الله عنهما.

❷ صحيح بخاري ، برو ايت عمر بن عبدالله رضي الله عنه.

نصاریٰ نے غلو کیا، بلکہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اس لیے تم لوگ (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔"

یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے کہ بہت سے لوگ ان بدعتی مجالس میں بڑے جذبے اور انتہائی گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں، شریک محفل ہی نہیں بلکہ وہ میلادی محافل کا دفاع بھی کرتے ہیں، لیکن وہی لوگ دوسری طرف ان فرائض میں پیچھے نظر آتے ہیں، جن میں اجتماعی شرکت اور قیام جماعت کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے۔ بلکہ اس معاملے میں وہ اتنے لاپروا ہو چکے ہیں کہ وہ اتنا بڑا گناہ کرنے کے باوجود بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی نہیں ہو رہا ہے۔ بلاشبہ تساہل اور لاپروائی کی بنیادی وجوہات ایمان کی کمزوری، علم بصیرت کی کمی اور ان دلوں کی وہ حالت زار ہے جو گناہوں اور سیاہ کاریوں سے زنگ آلودہ ہوچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو عافیت بخشے۔

ایک اور عجیب بات یہ بھی ہے کہ میلادی مجالس میں شریک ہونے والے بعض لوگ یہ گمان بھی رکھتے تھے کہ میلاد کے نام پر ان کی سجائی ہوئی ان محفلوں میں رسول اللہ ﷺ حاضر ہوتے ہیں اور اسی اعتقاد سے وہ تکریم وتعظیم کی غرض سے دورانِ مجالس آپ کا استقبال کرتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ کی حاضری کا یہ اعتقاد انتہائی باطل سوچ پر مبنی ہے، جب کہ خیر مقدم میں کھڑے ہونے کا یہ عمل بدترین جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن سے پہلے اپنی قبر مبارک سے نہیں نکلیں گے، نہ کسی سے ملاقات کریں گے، اور نہ ہی میلاد کی ان بدعتی محفلوں میں حاضر ہوں گے۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تک اپنی قبر مبارک میں رہیں گے، آپ ﷺ کی روح مبارک دار کرامت (جنت) میں رب العزت کے پاس اعلیٰ علیین کے مقام میں ہے۔ جیسا کہ سورۂ مومنون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۝﴾

(المؤمنون: ١٥، ١٦)

''پھر اس کے بعد تم سب یقیناً مر جانے والے ہو، پھر قیامت کے روز بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ .))

''قیامت کے روز سب سے پہلے میری قبر شق (چاک) ہو جائے گی، اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا، اور سب سے پہلے میری شفاعت کو قبول کر لیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث نبوی اور اس مفہوم و معنیٰ میں وارد دوسری آیات و احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے علاوہ تمام دیگر اموات قیامت کے روز ہی اپنی اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے، اور یہ مسئلہ تمام علمائے اُمت کے درمیان ایسا متفقہ مسئلہ ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

لہٰذا ان صریح دلائل اور واضح حقائق کے مدنظر ہر ایک مسلمان کو اس طرح کے مسائل میں خبردار رہتے ہوئے، ان تمام بدعات و خرافات سے اجتناب کرنا چاہیے جنہیں جاہل لوگوں اور ان کے کارندوں نے خود سے ایجاد کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مشروعیت پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے، کیونکہ اس کی امداد و توفیق کے بغیر نہ کسی گناہ سے بچا جا سکتا ہے، نہ ہی کوئی عمل صالح انجام دیا جا سکتا ہے۔ رہا مسئلہ رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا تو یہ اعمالِ صالحہ میں سے ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب : ٥٦)

''اللہ تعالیٰ ❶ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درُود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درُود بھیجو اور خوب سلام بھیجتے رہا کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی ہے:

((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا.)) ❷

''جو شخص مجھ پر ایک بار درُود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس (۱۰) مرتبہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

نبی حبیب ﷺ پر درود وسلام بھیجا ایک ایسا مشروع اور صالح عمل ہے، جس کے لیے کسی خاص وقت کی قید یا تخصیص نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی آپ چاہیں اپنے نبی ﷺ پر درُود بھیج سکتے ہیں۔ البتہ ہر نماز کے آخر میں درُود پڑھنے کی تاکید وارد ہے، بلکہ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک ہر نماز کے آخری تشہد میں (اَلتَّحِيَات.......... کے بعد) درُود پڑھنا واجب ہے۔ اور اس کے علاوہ بہت سے مواقع پر سنت مؤکدہ ہے۔ مثلاً: اذان کے بعد، آپ ﷺ کا تذکرہ کرتے (نام مبارک لیتے) وقت، اور اسی طرح یومِ جمعہ اور شب جمعہ میں۔ درُود پڑھنے کے ان مواقع ومقامات کا ثبوت بہت سی احادیث مبارکہ سے ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اور ہمارے ساتھ تمام مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق سے نوازے، اور ہر ایک مسلمان کو نبی کریم ﷺ کی سنت مطہرہ پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے اور بدعات سے اجتناب کرنے کی سعادت سے نوازے، بے شک وہی سخاوت سے عطا کرنے والا کرم نواز ہے۔

---

❶ اللہ رب العزت کا آپ ﷺ پر درُود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں آپ کی تعریف وثنا بیان فرماتا ہے اور آپ پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور آپ کے درجات کو رفعت اور بلندی عطا فرماتا ہے۔ (مترجم)

❷ صحیح مسلم، مسند احمد، سنن ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ بروایت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ.

جشن اسراء و معراج کی شرعی حیثیت

علامہ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

ترجمہ:......ابوشمس عبداللطیف کشمیری (فاضل اسلامک یونیورسٹی مدینہ طیبہ)

بلاشبہ واقعہ اسراء و معراج [1] اللہ رب العزت کی ان عظیم الشان اور جلیل القدر نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جو نبی حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی عظمت اور علو مرتبت پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا بھی ثبوت ملتا ہے جو ہر شے پر غالب ہے، اور اللہ جل شانہ کی وہ شان ظاہر ہو جاتی ہے جو تمام مخلوقات پر فائق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾

(الاسراء: ١)

''پاک ہے وہ (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے، دیکھنے والا ہے۔''

یہ بات احادیث طیبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بالکل تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ

---

[1] لفظ ''اسراء'' سے نبی ﷺ کے سفر معراج کا وہ حصہ مراد ہے جو آپ ﷺ نے مسجد حرام ''مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ'' بیت المقدس تک طے فرمایا، اور اس کا اجمالی تذکرہ ''سورۃ بنی اسرائیل'' کی پہلی آیت میں صریح الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ اور لفظ ''معراج'' سے اس عظیم سفر کا وہ حصہ مراد ہے، جو آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عالم بالا کی طرف جا کر طے فرمایا۔ اس کا مجمل تذکرہ سورۃ النجم میں بیان ہوا ہے، جب کہ دوسری تفصیلات صحیح احادیث طیبہ میں بیان ہوئی ہیں۔ سفر اسراء و معراج آپ ﷺ نے رات کے ایک مختصر حصے میں روح و جسد کے ساتھ فرمایا۔ اس سفر کی تفصیلی معلومات کتب احادیث میں مستند روایات کے ساتھ محفوظ و موجود ہیں۔

آپ ﷺ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، آسمانوں کے دروازے آپ کی خاطر کھول دیے گئے اور جب آپ ﷺ ساتویں آسمان سے آگے تشریف لے گئے تو اللہ رب العزت آپ سے ہم کلام ہوئے اور اپنے ارادہ کے مطابق آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں۔

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے (شب وروز) میں پچاس نمازیں فرض کیں، لیکن ہمارے شفیق نبی محمد کریم ﷺ بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کریمی میں حاضر ہوتے رہے، اور پچاس نمازوں میں تخفیف (کمی) کا سوال دہراتے رہے اور لوٹ لوٹ کر بارگاہِ باری تعالیٰ میں حاضری کا یہ سلسلہ تب تک جاری رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس کے عدد میں تخفیف فرما کر صرف پانچ نمازیں فرض قرار دیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اس نے ادائیگی اور فرضیت کے اعتبار سے ان نمازوں کو صرف پانچ مقرر کر دیا، اور اجر وثواب کے اعتبار سے پچاس نمازوں کے برابر رکھا۔ کیونکہ ہر نیکی کا صلہ دس گنا بڑھایا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت اور ہر عطا پر شکر کا مستحق اور تمام تعریفوں کے لائق ہے۔

جس رات کو اسراء ومعراج کا یہ عظیم واقعہ پیش آیا، اس رات کی تعیین وتحدید کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ [1] بلکہ اس بارے میں جو روایات بھی وارد ہیں وہ محدثین ومحققین کے نزدیک سب کی سب نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے، اگر اس نے اس عظیم رات کی تعیین وتاریخ کو لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ رکھنے کے بجائے بھلا ہی دیا، تو اس میں بھی اس کی کوئی بڑی حکمت ہی پوشیدہ ہوگی۔

---

[1] البتہ مؤرخین اور اہل سیر نے اس بارے میں جو اقوال ذکر کیے ہیں ان میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے پہلے سال پیش آیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ نبوت کے پانچ سال گزرنے کے بعد پیش آیا، جب کہ بعض نے اسے ۲۷ رجب سن ۱۰ نبوت کا واقعہ قرار دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نبوت کے بارہویں سال ماہِ رمضان میں پیش آیا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ نبوت کے تیرہویں سال ماہ محرم میں، جب کہ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ یہ نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الاول میں پیش آیا ہے۔ لیکن عصر حاضر میں علم حدیث کے معروف عالم ومحقق اور عظیم وشہیر سیرت نگار شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اول الذکر تین اقوال کو غیر معتبر بلکہ غیر صحیح قرار دیا ہے، جب کہ آخر الذکر تین اقوال کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”ان میں سے کسی ایک کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی، البتہ سورۃ اسراء کے سیاق سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔“ (الرحیم المختوم، ص: ۱۹۷)

لیکن اگر اس شب کی تاریخ کی تعیین ثابت بھی ہو جائے، تو بھی مسلمانوں کے لیے اس شب میں کسی مخصوص عبادت کا اہتمام کرنا یا اس حوالے سے کسی قسم کا جشن منانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رات کی یاد میں کسی جشن کا انعقاد نہیں فرمایا، اور نہ ہی کسی خاص عمل یا عبادت کا اہتمام فرمایا۔ اگر اس شب کے حوالے سے اظہار مسرت اور انعقادِ جشن کی کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول یا اپنے فعل کے ذریعے اس بارے میں اپنی امت کی مکمل راہنمائی فرمائی ہوتی۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے اس حوالے سے اُمت کو کچھ (قولاً) بتایا ہوتا، یا کسی قسم کا جشن منعقد کر کے عملاً اس اُمت کو اس کی تعلیم دی ہوتی، تو پھر یہ بات بالکل معروف ہوتی، مشہور ہوتی اور اس کا چرچا بھی بڑا عام ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس قول یا فعل کو نقل کر کے ہم تک پہنچایا ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ رہا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ہر وہ چیز نقل فرمائی جس کی اُمت کو ضرورت تھی اور دین کے نشر و ابلاغ میں انہوں نے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں برتی، بلکہ وہ خیر کے ہر کام میں سبقت لے جانے والے اور بھلائی کے ہر معاملے میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونے والے لوگ تھے۔ چنانچہ اگر معراج کی رات کی یاد میں جشن منانے یا اس حوالے سے محفلیں سجانے کے عمل کو کوئی شرعی حیثیت حاصل ہوتی، تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں بھی بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ حصہ لیتے اور بڑے شد و مد سے اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔

نبی کریم ﷺ اُمت کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے، آپ نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام بدرجہ کمال اور دین کی امانت کو ان تک بدرجہ تمام پہنچایا اور اگر معراج کی رات کو دوسری راتوں پر کوئی فوقیت ہوتی یا اس کی خصوصی تعظیم کرنا اور اس حوالے سے کوئی جشن منعقد کرنا اللہ تعالیٰ کے محبوب دین ''اسلام'' میں مشروع ہوتا تو آپ ﷺ ہرگز اس سے غافل نہ رہتے اور نہ ہی اسے چھپاتے بلکہ اُمت کو اس کی تعلیم دیتے۔

لیکن جب نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس حوالے سے کسی قسم کا کوئی جشن منایا یا اس بارے میں آپ کی اُمت کے لیے کوئی راہنمائی فرمانا ثابت نہیں ہے تو پھر یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ اس شب کی یاد میں اظہارِ مسرت، انعقادِ جشن اور اظہارِ توقیر و تعظیم کو دین اسلام کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ہے...... اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے لیے اپنے محبوب دین ''اسلام'' کو مکمل فرمایا ہے اور اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا ہے۔ ہر اس شخص پر نکیر کر دی ہے جو اس (اللہ تعالیٰ) کے اذن و رضا کے خلاف دین میں نئی بدعات و اضافات کو شامل کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کھلی اور واضح کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ: ۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین (اسلام) کو مکمل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔''

ایک اور دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ٥﴾

(الشوریٰ: ۲۱)

''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ تعالیٰ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں، جنہوں نے ان کے لیے دین کے ایسے احکام و اعمال مقرر کر دیے ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔) اور اگر فیصلے کے دن کا وعدہ طے نہیں ہو چکا ہوتا تو (ابھی ہی) ان کا فیصلہ چکا دیا جاتا۔ یقیناً ان ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے بہت سی ایسی صحیح احادیث ثابت ہیں جن میں بدعات

سے بچنے کی تاکید فرما دی گئی ہے اور اس بات کی بھی صراحت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے کہ دین میں ہر قسم کی بدعات و ایجادات گمراہی ہیں، تاکہ اُمت ان بھیانک خطرات سے بالکل آگاہ ہو جائے، اور ان کے ارتکاب سے اجتناب کرے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری و مسلم کی ایک حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .)) ❶

''جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ چیز مردود (ناقابل قبول) ہے۔''

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .))

''جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا، جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔''

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک اور حدیث سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم جمعہ کو اپنے خطبہ میں (یہ الفاظ) فرمایا کرتے تھے:

((اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .))

''اما بعد! یقیناً بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے عمدہ طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہیں جن کو دین میں ایجاد کیا جائے اور دین میں ہر نئی ایجاد گمراہی ہے۔''

کتب سنن (سنن ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ) میں صحابی رسول سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں انتہائی بلیغ اور موثر وعظ فرمایا، جس سے دل لرز گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں، تو ہم نے کہا: اے اللہ

❶ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم کے علاوہ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی سیّدنا ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

کے رسول! لگتا ہے کہ یہ وعظ آپ کا الوداعی پیغام ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں کچھ وصیت فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُوْصِیکُمْ بِتَقْوَى اللهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوْا بِهَا، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.)) ❶

''میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) اور حاکم وقت کی سمع و اطاعت کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر چہ کوئی ایک غلام ہی تمہارے حکمران بن جائے، پس تم میں سے جو (میرے بعد) زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا تو (ایسے حالات میں) تمہارے لیے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے۔ اسی کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے پکڑے رکھو۔ اور خبردار! دین میں نئی ایجادات سے بچو، کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کے علاوہ بھی اور بہت سی احادیث موجود و مروی ہیں۔ جن میں بدعت کی قباحت و شناعت کا ذکر موجود ہے اور اس سے اجتناب کر کے سنت رسول ﷺ کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے سلف صالحین رحمہم اللہ جمیعاً سے بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ وہ بھی لوگوں کو بدعت کے بُرے انجام سے ڈراتے اور انہیں اس آفت سے بچنے کی تاکید فرماتے رہتے...... اور وہ اسی لیے کیونکہ بدعت کی ایجاد (لوگوں کی طرف سے) اللہ تعالیٰ کے دن میں ایک زیادتی اور شریعت میں ایک ایسا اضافہ ہوتا

❶ اس حدیث کو اصحاب سنن کے علاوہ امام احمد اور امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

ہے جن کی اذن و مشروعیت پر اللہ تعالیٰ کی کوئی دلیل وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعات کی ایجاد اللہ تعالیٰ کے دشمن ''یہود و نصاریٰ'' سے مشابہت اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کا ہی یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے نت نئے اضافے کرتے اور ایسی ایسی بدعات ایجاد و اختیار کر لیتے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل موجود نہ ہوتی۔ اسی طرح بدعات کو ایجاد و اختیار کرنے کا یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ گویا دین اسلام (نعوذ باللہ) ناقص ہے، اور ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے جب کہ یہ بات بالکل واضح اور معروف ہے کہ دین اسلام کو غیر مکمل سمجھنے کی سوچ، عقیدے کی سب سے بڑی تباہ کن خرابی، شریعت کی انتہائی بدترین اور فاش قسم کی خلاف ورزی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسا خیال ہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی ہے جس میں اس نے تکمیل دین کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدة : ٣)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین (اسلام) کو مکمل کر دیا۔''

اسی طرح دین میں نئی نئی بدعات کو ایجاد و اختیار کرنے سے ان احادیث طیبہ کی صریح خلاف ورزی لازم آتی ہے، جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے بدعات کے بُرے انجام سے اُمت کو ڈرایا ہے، اور ان سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ جشن اسراء و معراج کی بدعت اور اس کی نکیر و تردید سے متعلق جو دلائل ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں وہ ہر اس شخص کے لیے کافی ہوں گے جو سچائی کا متلاشی ہے، اور ہر اس شخص کو مطمئن کر دیں گے جو حق کا طلب گار ہے۔ وہ یقین کے ساتھ حق کو قبول کرتے ہوئے یہ بات تسلیم کرے گا کہ اسراء و معراج کی یاد میں جشن منانا بدعت ہے اور اس کا اسلام کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کو واجب قرار دیا ہے، دین کی دعوت اور شریعت کے احکام و مسائل کو ان تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے، اور علم کے چھپانے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے مسلمان

بھائیوں کو اس بدعت سے متنبہ اور خبردار کر دوں، کیونکہ یہ بدعت دنیا کے بہت سے ممالک میں پھیل چکی ہے۔ بعض لوگ تو اس میں اس طرح مبتلا ہو چکے ہیں کہ وہ اسے دین کا حصہ سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرما دے اور انہیں دین کی سمجھ عطا کر دے اور ہمیں حق کو مضبوطی سے اختیار کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کے ساتھ ساتھ باطل کو ترک کرنے کی توفیق سے نوازے۔

صحیح مسلم میں سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے خطبہ میں یہ فرما رہے تھے: ''اما بعد! بہترین کلام اللہ کا کلام ہے ، اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین اُمور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس معنی ومفہوم پر مشتمل بکثرت آیات واحادیث موجود ہیں جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے دین کو کامل اور اپنی نعمتیں ان پر تمام فرمادی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے رفیق اعلیٰ سے جا ملنے سے پہلے دین اسلام کو پورا پورا پہنچا دیا ہے اور اُمت کے لیے اپنے قول وفعل سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی ساری چیزوں کو واضح فرما دیا ہے۔ نیز آپ نے یہ بیان فرمایا کہ ''آپ کی وفات کے بعد جو بھی قولی وفعلی عبادت دین اسلام کی طرف منسوب کی جائیں گی وہ سب کی سب نا قابل قبول بدعتیں ہوں گی، اگرچہ اس کو ایجاد کرنے والے کی نیت نیک ہی کیوں نہ ہو۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے اسلام نے اس کو خوب سمجھا، لہٰذا انہوں نے بدعات کی برائی بیان کی اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی اور اس کے خطرات اور مفاسد کو واضح کرنے اور سنت کی تعظیم اور بدعت کی تردید میں بعض علماء نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسے شیخ ابن وضاح، علامہ طرطوش اور امام ابی شامہ وغیرہ۔

آخری دور میں جن بعض بدعتوں کا رواج ہوا ہے ان میں سے شعبان کی پندرہویں شب کا جشن ہے اور پھر دوسرے دن روزہ رکھنے کی عبادت ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں قابل اعتماد دلائل کا ثبوت نہیں ہے اور اس کے فضائل میں جو احادیث مروی ہیں وہ اتنی ضعیف ہیں کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس شب میں کسی خاص قسم کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں جو روایات مذکور ہیں وہ سب کی سب موضوع (من گھڑت) ہیں، جس کی طرف محدثین نے متوجہ کیا ہے، ان شاء اللہ ان کے اقوال ہم آگے ذکر کریں گے۔

اس طرح شام کے بعض سلف سے اس کی فضیلت میں بعض چیزیں مروی ہیں بایں ہمہ علمائے اُمت کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ اس شب میں جشن منانا اور خاص عبادت کرنا

پندرھویں شعبان کی شب میں عبادتوں کا حکم

علامہ الشیخ عبداللّٰہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللّٰہ

ترجمہ:......سعید احمد قمر الزمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَكْمَلَ لَنَا الدِّیْنُ ، وَأَتْمِمْ عَلَیْنَا النِّعْمَةُ ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدُ نَبِیِّ التَّوْبَةُ وَالرَّحْمَةُ ، أَمَّا بَعْدُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ : ۳)

”آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔“

مزید فرماتا ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوری : ۲۱)

”کیا یہ لوگ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔“

صحیحین میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے جو اس سے نہ ہو وہ ردّ ہے یعنی نامقبول ہے۔“

امام مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ”جو شخص ایسا عمل کرے جو ہمارے دین کے مطابق نہیں ہے وہ نامقبول ہے۔“

سراسر بدعت ہے، جو احادیث اس کے فضائل میں پیش کی جاتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور بعض موضوع، چنانچہ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب ''لطائف المعارف'' میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

جہاں تک ان احادیث ضعیفہ کا تعلق ہے جو فضائل اعمال کے سلسلے میں قابل قبول ہوتی ہیں اور اس کی بنیاد پر عبادات کی جا سکتی ہیں، تو وہ یہ احادیث ہیں جس کے اُصول صحیح دلائل سے ثابت ہیں اور جہاں تک ''جشن نصف شعبان'' کا تعلق ہے اس میں کوئی صحیح وثابت اصل نہیں پائی جاتی کہ ضعیف احادیث سے اس کی تائید حاصل کی جائے۔

اس اہم فقہی وشرعی اُصول کو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء کے اقوال جو اس مسئلہ کے متعلق ہیں نقل کر دوں تا کہ لوگوں کو مسئلہ کی نوعیت مزید واضح ہو جائے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے اس کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں (کتاب وسنت) یا ان میں سے ایک نے جو بھی فیصلہ کیا وہی واجب الاتباع شریع ہوگی اور جو حکم ان دونوں کے خلاف ہو اس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ اس طرح جن عبادتوں کا تذکرہ ان میں نہیں ہے وہ چیزیں بدعت ہیں ان پر عمل کرنا جائز نہیں۔ چہ جائیکہ اس کی دعوت وتبلیغ کی جائے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۝﴾

(النساء: ۵۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں

نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو، ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ (الشوری: ١٠)

"تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے، وہی اللہ میرا رب ہے اس پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔"

ارشادِ گرامی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

"اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔"

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (آل عمران: ٣١)

"اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔"

اس معنی و مفہوم پر مشتمل آیات بکثرت موجود ہیں اور یہ سب اختلافی مسائل کو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے ان کے فیصلہ کردہ احکام کو قبول کرنے کے سلسلے میں صریح نصوص

ہیں، اور یہی ایمان و یقین کا تقاضا اور دنیا و آخرت میں سرخروئی کا سبب ہے۔
حافظ ابن رجب حنبلی اپنی کتاب ''لطائف المعارف'' میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شعبان کی پندرہویں شب کو (ملک) شام کے بعض تابعین جیسے حضرت خالد بن معدان، مکحول، لقمان بن عامر وغیرہ خیر و برکت والی رات سمجھتے تھے اور اس میں کچھ عبادتوں کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ ان حضرات سے بعض لوگوں نے اس کی عظمت وفضیلت کا جواز نکالا ہے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو بعض اسرائیلی روایتیں پہنچی تھیں، پس جب شہروں میں ان حضرات کے متعلق یہ عمل مشہور ہوا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے ان کے عمل کو قبول کر لیا اور اس کی عظمت وفضیلت کے قائل ہو گئے، جن میں اہل بصرہ کے عابدوں کی جماعت پیش پیش تھی۔

لیکن علمائے حجاز نے اس کی شدید مخالفت کی تھی جن میں حضرت عطاء اور ابن ابی ملیکۃ ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فقہائے مدینہ سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور یہی امام مالک کے شاگردوں کا مسلک ہے، ان سبھی حضرات کا قول مشترک اس کے بدعت ہونے کا ہے۔

اور علمائے شام اس رات میں عبادت کی نوعیت کے سلسلے میں دو قول ہیں:
پہلا قول یہ ہے کہ مساجد میں اجتماعی طور پر عبادت اور شب بیداری مستحب ہے۔ اس کے قائل خالد بن معدان، لقمان بن عامر وغیرہ ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس شب میں بہترین لباس زیب تن کرتے تھے اور خوشبو و سرمہ لگاتے اور مسجدوں میں عبادت اور شب گزاری کرتے تھے۔ حضرت اسحاق بن راہویہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بدعت نہیں ہے، حرب الکرمانی نے اسے نقل کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اجتماعی طور پر نماز اور دُعا اور قصہ گوئی اور شب بیداری وغیرہ کرنا مکروہ ہے۔ لیکن انفرادی اور شخصی طور پر کچھ نماز وغیرہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے قائل اہل شام کے سب سے بڑے عالم اور فقیہ امام اوزاعی ہیں۔ یہ دوسرا مسلک زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے (اس کے بعد علامہ ابن رجب فرماتے ہیں) شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق امام احمد کا کوئی صریح قول نہیں ملتا، ہاں ان سے عیدین کی راتوں کے سلسلے میں دو روایتیں ملتی ہیں اور ان ہی کی روشنی میں مذکورہ رات کا حکم بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ عیدین کی شب میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے کسی اجتماعی عبادت کا ثبوت نہیں ملتا ہے، لیکن ایک دوسری روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید الاسود (جو کہ تابعی ہیں) کے عمل کی وجہ سے اسے مستحب قرار دیا ہے۔

اس طرح شعبان کی پندرہویں شب میں عبادت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی طرح کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ صرف اہل شام کے بعض فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔" (ختم شد کلام ابن رجب)

علامہ ابن رجب حنبلی کے مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ شعبان کی پندرہویں شب کی عبادت نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے، بلکہ ان کے بعد کے دور میں شروع ہوا۔

جہاں تک امام اوزاعی کے مسلک کا تعلق ہے جسے علامہ ابن رجب نے بھی پسند کیا ہے تو انتہائی عجیب وغریب اور کمزور سی بات ہے، کیونکہ جو چیز شرعی دلائل سے ثابت نہ ہو تو وہ کیسے مشروع اور جائز ہو سکتی ہے، اور ایک مسلمان کے لیے کیسے یہ بات زیب دے سکتی ہے کہ اللہ کے دین میں کسی چیز کا اضافہ کرے خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی، ظاہری ہو یا پوشیدہ، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جو شخص ایسا عمل کرے جو ہمارے عمل کے مطابق نہ ہو تو وہ ردّ یعنی نامقبول ہے۔''

اس کے علاوہ بہت سے دلائل ردّ بدعت اور اس سے بچنے کے متعلق موجود ہیں۔

امام ابوبکر طوطوش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الحوادث والبدع'' میں لکھتے ہیں:

''ابن وضاح نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو بھی نہیں پایا جو پندرہویں شعبان کی شب میں عبادت کی طرف توجہ دیتے ہوں اور اس کی عظمت وفضیلت کے قائل ہوں بلکہ وہ حضرت مکحول وغیرہ کے مسلک کو ناقابل التفات سمجھتے تھے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ سے عرض کیا گیا کہ زیاد النمیر ی تو اس کے فضائل میں یہ کہتے ہیں کہ ''پندرہویں شعبان کے شب کا اجر وثواب شب قدر جیسا ہے'' تو آپ نے فرمایا: ''اگر ان سے یہ بات سنتے وقت ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا تو میں ان کی پٹائی کر دیتا، زیاد کون ہوتے ہیں وہ تو محض ایک قصہ گو تھے۔''

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الفوائد المجموعۃ'' میں فرماتے ہیں:

''وہ حدیث جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''اے علی! جو شخص شعبان کی پندرہویں شب میں سو رکعت نماز ایسی پڑھے جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ گیارہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضروریات پوری فرمادے گا۔'' یہ حدیث موضوع ہے، اس میں اجر وثواب کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے پیش نظر اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، مزید برآں اس کے سارے رواۃ مجہول ہیں اور دوسرے وتیسرے طرق سے بھی موضوع اور اس کی روایت مجہول ہے۔''

امام شوکانی ''المختصر'' میں فرماتے ہیں کہ ''پندرہویں شعبان کے متعلق حدیث باطل ہے۔''

ابن حبان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت ''جب پندرہویں شعبان کی شب آئے تو راتوں کو جاگا کرو اور دوسرے دن روزہ رکھا کرو'' نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔''

علامہ شوکانی ''اللالی'' میں لکھتے ہیں:

''سورۂ اخلاص کے ساتھ سو رکعتیں شعبان کی پندرہویں شب میں دس مرتبہ پڑھنے کے فضائل جو دیلمی وغیرہ نے ذکر کیے ہیں سب کے سب موضوع ہیں اور اس کے تینوں طریقوں کے راوی مجہول اور ضعیف ہیں اور بارہ رکعت یا چودہ رکعت اخلاص کے ساتھ تیس مرتبہ پڑھنے والی روایتیں موضوع ہے۔

ان مذکورہ احادیث سے بعض فقہاء کی جماعت اور مفسرین کو دھوکا ہوا جیسے ''احیاء العلوم'' کے مصنف امام غزالی وغیرہ۔

اور پندرہویں شب کی نمازوں کی تفصیلات جو مختلف طریقوں سے بیان کی جاتی ہیں سب کی سب بے بنیاد اور موضوع ہیں۔

اور امام ترمذی نے جو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شب بقیع تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے بقدر لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے'' تو مذکورہ روایت ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ہماری گفتگو ان موضوع روایتوں کے متعلق ہے جو اس رات نماز کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔ بایں ہمہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث میں بھی ضعف اور سندوں میں انقطاع پایا جاتا ہے، جیسا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت جو قیام اللیل کے متعلق تھی منافی نہیں ہے باوجود یہ کہ اس میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ شعبان کی پندرہویں شب میں نماز والی روایتیں موضوع ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔

اور امام نووی کتاب ''المجموع'' میں فرماتے ہیں:

''عام طور سے وہ نماز جو صلاۃ الرغائب سے مشہور ہے اور بارہ رکعت ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کے روز مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہے اور اس طرح سے شعبان کی پندرہویں شب میں سو رکعت پڑھی جانے والی یہ دونوں نمازیں

باطل اور بدعت ہیں۔ ''احیاء العلوم'' و ''قوت القلوب'' جیسی کتابوں میں اس کے تذکرے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور نہ ان میں بیان کردہ موضوع احادیث سے اور اسی طرح بعض علماء کی مختصر تصنیفات جو اس کے فضائل و مسائل میں تحریر کی گئی ہیں مغالطہ میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ وہ غلط آراء پر مبنی ہیں۔''

امام عبدالرحمٰن اسماعیل المقدسی رحمہ اللہ نے اس کی تردید میں ایک انتہائی نفیس رسالہ تحریر کیا جس میں بڑی حسن و خوبی سے بحث فرمائی ہے، اس طرح علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا ہے اگر ہم سب کے اقوال و عبارتوں کو نقل کرنے لگیں تو بحث لمبی ہو جائے گی، اُمید ہے کہ مذکورہ اقتباسات حق کے طالب کے لیے کافی و شافی ہوں گے۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث اور علماءِ کرام کے اقوال کی روشنی میں ایک طالب حق و ہدایت پر بڑی حد تک یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''شعبان کی پندرہویں شب میں جشن منانا اور شب بیداری کرنا اور دوسرے دن روزے رکھنا بدعت منکرۃ کے قبیل سے ہے جو کہ شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کی ایجاد ہے، طالبانِ حق و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی اور اس کے مفہوم کی دوسری آیتیں کافی ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدۃ : ۳)

''میں نے آج تیرے لیے تیرا دین مکمل کر دیا ہے۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''جو شخص ہمارے اس دین میں ایجاد کرے جو اس سے نہ ہو تو وہ ردّ یعنی نامقبول ہے۔''

اور اس مفہوم کی دوسری بہت ساری احادیث اس کے پیش نظر ہونا چاہیے۔ صحیح مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جمعہ کی شب کو عبادت کے لیے اسی طرح روزِ جمعہ کو روزہ رکھنے کے لیے مخصوص نہ کیا کرو۔ الا یہ کہ ایسا دن پڑ جائے جس میں کوئی روزہ رکھتا تھا۔''

اگر کوئی رات یا دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کرنا جائز ہوتا تو جمعہ کا دن بدرجہ اولیٰ

خاص کیا جاتا، اس لیے کہ سارے دنوں میں افضل دن ہے اور اس کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے، لیکن جب نبی اکرم ﷺ نے جمعہ اور شب جمعہ کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کرنے سے منع فرما دیا تو دوسرے ایام ولیالی کو بدرجہ اولیٰ مخصوص کرنا ممنوع ہوگا، کیونکہ کسی بھی شب و روز کو کسی عبادت کے ساتھ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اس کی تخصیص پر کوئی صحیح دلیل ہو۔

چونکہ شب قدر اور رمضان المبارک کی راتوں کی فضیلت اور اس میں عبادت کی اہمیت شرعی دلائل سے ثابت ہے اور نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس عمل فرمایا ہے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی ہے اور اس لیے اس میں عبادت کا اہتمام کرنا بدعت نہ ہوگا، جیسا کہ صحیحین میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

> ''جو شخص رمضان المبارک میں ایمان و احتساب سمجھ کر قیام کرے تو اس کے سارے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص شب قدر میں ایمان و احتساب سمجھ کر قیام کرے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

اگر شعبان کی پندرہویں شب یا ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی شب یا شب معراج کو کسی خاص قسم کے جشن منانے یا عبادت کرنے کی تخصیص ثابت ہوتی تو نبی کریم ﷺ اُمت کو ضرور تعلیم دیتے یا کم از کم آپ خود عمل فرماتے، اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی ثابت ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُمت تک ضرور بالضرور پہنچاتے اور اسے چھپا نہ رکھتے کیونکہ وہ حضرات اُمت کے بہترین لوگ تھے اور انبیائے کرام کے بعد سب سے زیادہ وعظ و نصیحت کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

علمائے کرام کے مذکورہ اقوال سے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی شب اور شعبان کے پندرہویں شب کو کسی طرح کی عبادت کرنا یا جشن منانا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام سے کچھ منقول ہے بلکہ اضافہ کردہ بدعت ہے۔

اسی طرح رجب کی ستائیسویں شب کو شب اسراء و معراج سمجھ کر کوئی مخصوص جشن منانا یا

عبادت کرنا سابقہ دلائل کی روشنی میں جائز نہیں ہے۔ حالانکہ شب معراج کا ستائیسویں شب میں سمجھنا غیر تحقیقی چیز ہے اور علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کی کوئی تعیین نہیں ہو سکی ہے، جو کوئی ستائیسویں شب میں محضور و متعین کرتے ہیں وہ درست قول نہیں ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہے۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

''بہترین اور رشد و ہدایت پر مبنی سلف کا طریقہ ہے اور بدترین اُمور ایجاد کردہ بدعتیں ہیں۔''

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو اتباع سنت اور اس پر استقامت کی توفیق دے اور اس کے مخالف چیزوں سے محفوظ رکھے۔ وہ انتہائی جودو کرم والا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے استغاثہ کا حکم

علامہ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ
ترجمہ:......سعید احمد قمر الزمان

ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے اور رسول اللہ ﷺ پر، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور جو بھی آپ کی ہدایت پر ہدایت پائے، سب پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

مجتمع کویتی کے صحیفہ شمارہ نمبر ۱۵ مورخہ ۱۹۔۴۔۱۳۹۰ھ میں "فی ذکری المولد النبوی الشریف" کے عنوان کے تحت چند اشعار شائع ہوئے جو نبی کریم ﷺ سے استغاثہ، اپنی اُمت کو سنبھالا دینے، اس کی مدد کرنے اور اس تفرقہ و اختلاف سے نجات دلانے کے لیے کہے گئے تھے۔ یہ تفرقہ و اختلاف اس اُمت میں پڑا جس کا نام کبھی "امن والی اُمت" تھا، ان اشارہ کردہ اشعار میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں:

"☆......اے اللہ کے رسول! اس جان کو سنبھالا دیجئے
☆......جو جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے اور جو بھڑکائے اسے اس لپیٹ میں لے لیتا ہے۔
☆......اے اللہ کے رسول! اس اُمت کو سنبھالا دیجئے، جس کی رات کا سفر شک کے اندھیروں میں لمبا ہوگیا ہے۔
☆......اے اللہ کے رسول! اس اُمت کو سنبھالا دیجئے۔
☆......جس کی رونق افسوس کی ہلاکتوں میں ختم ہوگئی ہے۔

تا آنکہ یوں کہا:

☆......اے اللہ کے رسول! اس اُمت کو سنبھالا دیجئے۔
☆......جس کی رات کا سفر شک کے اندھیروں میں لمبا ہوگیا ہے۔

☆......آپ ﷺ اُمت کی جلد د مدد کیجئے جیسا کہ آپ نے بدر کے دن مدد کی تھی، جب اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا، تو کمزوری شاندار فتح میں تبدیل ہوگئی۔

☆......کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لشکر ایسے ہیں جنہیں تو دیکھ نہیں سکتا۔''

اللہ اکبر! تحریر کرنے والے نے اپنی ندا اور استغاثہ کو اس انداز سے رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ جلد از جلد اُمت کی مدد کو پہنچیں اور اسے سنبھالا دیں، جیسے وہ اس بات کو بالکل بھولا ہوا تھا یا اس سے جاہل تھا کہ مدد تو صرف اللہ وحدہ لا شریک کے ہاتھ میں ہے، یہ نبی کریم ﷺ یا مخلوقات میں سے کسی بھی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں فرمایا:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (آل عمران : ١٢٦)

''اور مدد تو اللہ غالب حکمت والے ہی کے پاس ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ﴾ (آل عمران : ١٦٠)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر تمہیں رسوا کرے تو اور کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو پہنچے گا۔''

یہ بات صریح حکم اور اجماع سے معلوم ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں اور رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں تا کہ اس عبادت کی وضاحت کریں اور اس کی طرف دعوت دیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات : ٥٦)

'' اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل : ٣٦)

''اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا تا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور غیر اللہ کی حکمرانی سے بچیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝﴾ (الانبیاء : ٢٥)

''اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے ہم یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا الٰہ نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۝﴾

(ھود : ١)

''اس کتاب کی آیات کو محکم بنایا گیا ہے پھر حکیم وخبیر کی طرف سے اسے کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔''

ان آیات محکمات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ جن وانس کو محض اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، نیز یہ وضاحت کی کہ اللہ کے رسولوں کو، ان پر صلوٰۃ وسلام ہو، اسی عبادت کے حکم، اور اس کے مخالف کے نہی کے لیے بھیجا، پھر یہ بھی خبر دی کہ اس کتاب کی آیات کو محکم بنایا گیا ہے پھر اسے کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے اور عبادت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے اوامر کو بجا لانے اور اس کی نواہی کو چھوڑنے کے ذریعے سے اس کی اطاعت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾

(البينه : ٥)

''ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (الاسراء : ٢٣)

''اور تیرے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرنا۔''

نیز فرمایا:

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾

(الزمر : ٢، ٣)

''لہٰذا خالصتاً اللہ ہی کی عبادت کرو، دیکھو عبادت خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہے۔''

اس مضمون کی آیات بہت ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خالصتاً اللہ اکیلے کی عبادت کرنا اور اللہ کے سوا انبیاء وغیرہم کی عبادت کو چھوڑنا واجب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا عبادت کی اہم قسم ہے اور سب قسموں کی جامع ہے، لہٰذا خالصتاً اللہ اکیلے کو ہی پکارنا واجب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (غافر : ١٤)

''اللہ کو خالص کر کے پکارو، عبادت اللہ ہی کے لیے ہے، خواہ یہ بات کافروں کو بُری لگتی ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝﴾ (الجن : ١٨)

''اور مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔''

یہ آیت تمام مخلوقات کو عام ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا کوئی اور ہوں، کیونکہ احد کا لفظ نکرہ

ہے اور نہی کے سیاق میں ہے گویا کہ وہ اللہ سبحانہ کے سوا ہر ایک چیز کو عام ہے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾

(یونس : ١٠٦)

"اور اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو جو نہ تمہیں فائدہ دے سکتا ہے نہ تمہیں کوئی دُکھ پہنچا سکتا ہے۔"

یہ خطاب نبی کریم ﷺ کے لیے ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو شرک سے محفوظ رکھا ہے، اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ڈرایا جائے۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (یونس : ١٦)

"تم نے (شرک) کیا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

پھر جب آدم علیہ السلام کی تمام تر اولاد کے سردار کا یہ حال ہو کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو پکارے تو ظالموں میں سے ہو جائے، پھر اگر کوئی دوسرا پکارے تو اس کا کیا حال ہو گا؟ اور ظلم کا لفظ جب مطلقاً آئے تو اس سے مراد شرک اکبر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرہ : ٢٥٤)

"اور کافر ہی ظالم ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان : ١٣)

"بلاشبہ شرک ہی بڑا ظلم ہے۔"

گویا ان آیات اور ان کے علاوہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو، خواہ وہ فوت شدہ لوگ ہوں یا درخت ہوں یا بت وغیرہ ہوں، پکارنا اللہ عزوجل کے ساتھ شرک ہے اور یہ اس عبادت کے منافی ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جنوں

اور انسانوں کو پیدا کیا، اور اس بات کی وضاحت اور اس کی طرف دعوت دینے کے لیے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں اور یہی لا الہ الا اللہ کا معنی ہے۔ گویا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ بات غیر اللہ کی عبادت کی نفی کرتی اور اسے اللہ اکیلے کے لیے ثابت کرتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾

(الحج: ٦٢)

"یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا جسے یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔"

یہی بات دین کی اصل اور ملت کی بنیاد ہے اور اس اصل کی صحت کے بعد ہی کوئی عبادت صحیح ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الزمر: ٦٥)

"آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف یہی وحی کی گئی کہ اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ زیاں کاروں سے ہو جائیں گے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام: ٨٨)

"اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سب اعمال برباد ہو جاتے۔"

دین اسلام دو بڑی اصلوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ اکیلے کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور دوسرے یہ کہ اللہ کے نبی اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق عبادت کی جائے اور یہی اس شہادت "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا معنی ہے۔

لہٰذا جو شخص مردوں کو پکارے خواہ وہ نبی ہوں یا کوئی اور ہوں یا بتوں کو یا درختوں، پتھروں یا ان کے علاوہ مخلوقات میں سے کسی کو پکارے یا ان سے فریاد کرے یا قربانیوں اور

نذرانوں کے ذریعے سے تقرب چاہے یا ان کے لیے نماز پڑھے یا سجدہ کرے تو بلاشبہ اس نے اللہ کے سوا انہیں رب بنا لیا اور اللہ سبحانہ کا شریک بنایا اور یہ اس اصل کے مخالف اور لا الٰہ الا اللہ کے معنی کے منافی ہے۔ جیسے کوئی شخص دین میں نیا کام کرے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی تو اس پر محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے معنی متحقق نہیں ہوئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝﴾

(الفرقان : ٢٣)

''جو کام انہوں نے کیے ہوں گے ہم ان کی طرف بڑھیں گے تو انہیں اُڑتا ہوا غبار بنا دیں گے۔''

یہ اعمال اس شخص کے ہوں گے جو اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کی حالت میں مرا ہو، یا ایسے بدعی اعمال جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، گویا ایسے اعمال قیامت کے دن اُڑتا ہوا غبار بن جائیں گے، کیونکہ وہ شریعت مطہرہ کے موافق نہ تھے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .))

''جس شخص نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نیا کام نکالا جو پہلے نہ تھا وہ کام مردود ہے۔''

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے، اور یہ مراسلہ نگار اپنی فریاد اور دعا کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور رب العالمین سے اعراض کیا جس کے قبضہ قدرت میں مدد، نفع اور نقصان ہے جو کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا ظلم اور غلیظ قسم کا شرک ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے محض اس (اللہ) سے دُعا کا حکم دیا ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ جو اسے پکارے گا، وہ اس کی دعا قبول فرمائے گا اور یہ بھی دھمکی دی ہے کہ جو شخص اس بات سے تکبر کرے گا وہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝﴾ (غافر: ٦٠)

''اور تمہارے پروردگار نے فرمایا: مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

اس آیت میں داخـریـن کا معنی زبردست اور ذلیل ہے، یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دعا عبادت ہی ہوتی ہے، نیز اس بات پر بھی کہ جو شخص اس سے تکبر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ تو اس شخص کا حال ہے جو اللہ سے دُعا کرنے سے تکبر کرے۔ اب جو شخص دعا ہی کسی دوسرے سے کرے اور اللہ سے اعراض کرے اس کا کیا حال ہوگا؟ جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قریب ہے، دعا قبول کرنے والا ہے، ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ١٨٦)

''جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتلا دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں، جب بھی مجھے کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہِ ہدایت پر آئیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں خبر دی ہے کہ دعا ہی عبادت ہے، اور آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

((احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ .)) (ترمذی)

''اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، اللہ تجھے یاد رکھے گا، تو اسے اپنے سامنے پائے گا جب تجھے

سوال کرنا ہو اللہ ہی سے سوال کر اور جب تجھے مدد درکار ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگ۔"

اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُوا لِلّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ .))

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی شریک کو پکارتا تھا تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔"

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے، نیز صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ .))

"یہ کہ تو کسی کو اللہ کے مدمقابل سمجھے جب کہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔"

"نــد" کا معنی نظیر اور مثیل ہے، لہٰذا جو شخص اللہ کے سوا کسی کو پکارے یا اس سے فریاد کرے یا اسے نذرانہ پیش کرے یا اس کے لیے قربانی کرے یا عبادت کی کوئی بھی قسم اس کے لیے بجالائے تو اس نے اس کو اللہ کا مدمقابل بنایا، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ کوئی نبی، ولی، فرشتہ، جن، بت ہو یا مخلوقات میں سے کوئی اور چیز ہو، البتہ کسی زندہ حاضر شخص سے کسی ایسی چیز کا سوال کرنا یا اس سے مدد چاہنا جس کے ظاہری اسباب موجود ہوں اور وہ اس پر قادر بھی ہو تو یہ شرک نہیں بلکہ یہ تو عادی اُمور ہیں جو مسلمانوں کے لیے جائز ہیں۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ (القصص : ۱۵)

"تو جو شخص موسیٰ (علیہ السلام) کے گروہ سے تھا اس نے اپنے دشمن فریق کے آدمی پر موسیٰ (علیہ السلام) سے فریاد طلب کی۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام ہی میں فرمایا:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ (القصص : ۲۱)

"(حضرت موسیٰ) وہاں سے ڈرتے نکلے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ......"

جیسے کہ انسان جنگ وغیرہ میں اپنے ساتھیوں سے ایسے اُمور پر فریاد کرتا ہے جو لوگوں کو پیش آتے ہیں اور وہ ملک ایک دوسرے کی مدد کے محتاج ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں کہ وہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ چنانچہ سورۂ جن میں فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ٥ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ٥﴾ (الجن: ۲۰، ۲۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا، آپ کہہ دیجیے کہ میں نہ تو تمہارے نقصان کا مالک ہوں اور نہ بھلائی کا۔''

نیز سورۂ اعراف میں فرمایا:

﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ٥﴾ (الاعراف: ۱۸۸)

''آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے آپ کے نفع اور نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو کچھ اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی، میں تو صرف ان لوگوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان لاتے ہیں۔''

اس مضمون کی آیات بہت ہیں نیز آپ ﷺ اپنے پروردگار کے سوا نہ کسی کو پکارتے تھے اور نہ فریاد کرتے تھے، آپ نے بدر کے دن اللہ ہی سے فریاد کی اور دشمن کے مقابلہ میں مدد چاہی اور اس معاملہ میں بہت گریہ وزاری کی، آپ ﷺ فرماتے تھے: ''اے میرے پروردگار! جو آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا فرمائیے۔''

تا آنکہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو کافی ہے، اس نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا۔''

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ وسبحانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ٥ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥﴾

(الانفال: ۹، ۱۰)

"جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں تمہاری پے در پے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں ا، اور اللہ نے یہ کام صرف تمہاری خوشخبری اور تمہارے دلوں کو تسلی دینے کے لیے کیا اور مدد تو اللہ ہی کے پاس ہے، بلاشبہ اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے استغاثہ کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ اس نے فرشتوں کو بھیج کر ان کی فریاد کو قبول فرما لیا، پھر یہ وضاحت فرمائی کہ یہ امداد فرشتوں کی طرف سے نہ تھی اور اللہ کی طرف سے یہ امداد فتح کی خوشخبری اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنے کی غرض سے تھی نیز یہ کہہ کر "النصر الا من عنداللّٰہ" یہ وضاحت فرما دی کہ یہ مدد صرف اللہ کی طرف سے تھی۔ نیز سورۂ آل عمران میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

"اور اللہ نے بدر کے مقام پر تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر کرو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی کہ بدر کے دن اللہ ہی ان کا مددگار تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اسلحہ، قوت اور فرشتوں نے جو مدد دی تھی، یہ سب کچھ مدد، خوشخبری اور اطمینان کے اسباب تھے۔ بذاتِ خود مدد نہ تھی، بلکہ مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف

سے تھی، پھر اس مراسلہ نگار یا کسی دوسرے کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی فریاد اور مدد کی طلب کے لیے نبی ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ رب العالمین سے اعراض کرے جو ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔

بلاشبہ یہ بدترین جہالت اور بہت بڑا شرک ہے، لہٰذا اس مراسلہ نگار پر واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس سے جو گناہ سرزد ہوا اس پر نادم ہو اور اللہ کو بزرگ سمجھتے ہوئے اس کے لیے مخلص بن کر، اس کے حکم کو بجا لاتے ہوئے اور اس کے نہی سے بچتے ہوئے آئندہ ایسا کام کبھی نہ کرنے کا پختہ عہد کرے، یہی سچی توبہ ہے اور معاملہ اگر مخلوق کے حق کا ہو تو توبہ میں ایک چوتھی بات بھی ضروری ہے کہ مستحق کو اس کا حق واپس کرے یا اس سے یہ حق معاف کروائے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ان سے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(النور: ۳۱)

''اے ایمان دارو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اور نصاریٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(المائدة: ۷۴)

''کیا وہ اللہ کے حضور توبہ نہیں کرتے، اور اس سے معافی نہیں مانگتے، اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ۝ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ

وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان: ٦٨ تا ٧٠)

"اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں نہ ہی کسی ایسی جان کو مارتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر وہ جو حق کے ساتھ ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے اسے اس کے گناہ کا بدلہ مل کے رہے گا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دُگنا کیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اس میں رہے گا، مگر جو شخص توبہ کرے ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الشوریٰ: ٢٥)

"وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیاں معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ سے درست طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:!

((اَلْإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَالتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا.))

"اسلام پہلے گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے اور توبہ سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔"

شرک کے بہت بڑا خطرہ اور بہت بڑا گناہ ہونے کی بنا پر اور اس تحریر سے پیدا ہونے والے دھوکا کے خوف اور اللہ اور اس کے بندوں سے خیر خواہی کے جذبہ کی وجہ سے میں نے یہ مختصر مگر جامع رسالہ لکھا ہے اور میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسے مفید بنائے اور ہمارے اور سب مسلمانوں کے احوال کو درست کرے اور دین کی سمجھ عطا فرما کر ہم سب پر احسان فرمائے، ہمیں اس پر ثابت قدم رکھے، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو نفس کی برائیوں اور بداعمالیوں سے پناہ میں رکھے۔ وہ اس بات کا کارساز اور اس پر قادر ہے۔

ماہِ محرم

فرعونی ظلم سے نجات کا مہینا

تالیف:...... شیخ انصار زبیر محمدی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَعْدُ!

محرم الحرام کا مہینا انتہائی عظمت کا حامل اور بابرکت ہے، محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ (التوبة: ٣٦)

”اللہ کے یہاں مہینوں کی گنتی بارہ ہی ہے، اللہ کے نوشتہ کے مطابق اس دن سے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی مضبوط دین ہے، لہٰذا ان مہینوں میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔“

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں، جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں، تین تو لگاتار ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور رجب مضر جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔“ (بخاری: ٢٩٥٨)

حرمت کا مہینا ہونے کی وجہ سے اس مہینے کا نام محرم رکھا گیا ہے۔ ان مہینوں میں ظلم و قتال بڑا سنگین جرم ہے۔ حالانکہ ظلم تو ہر حال میں ظلم ہی ہے، مگر حرمت کے مہینوں میں اس کی سنگینی کچھ اور ہی زیادہ ہے۔ ہم اپنی اس مختصر سی تحریر میں ماہِ محرم کو تین قسموں میں تقسیم کریں گے، تا کہ آپ اس مہینے کے اعمال صالحہ، اس ماہ کی بدعات اور منکرات سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔

محرم الحرام کی تاریخی حیثیت:

تاریخی لحاظ سے یہ مہینا بڑی اہمیت کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں فرعون کو سمندر میں ڈبو کر ہلاک کیا تھا۔ چونکہ فرعون کا ظلم اور جبر اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا، مگر جب اللہ کی گرفت ہوئی اور فرعون اور فرعونی غرقِ آب ہو گئے تو اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے سکھ اور چین کا سانس لیا، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا۔ ذی الحجہ کا مہینا اگر نمرود کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام کی فتح کا مہینا ہے تو دوسری طرف محرم الحرام کا مہینا فرعون کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا مہینا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ ہر ظالم کو ایک مقررہ وقت تک ہی کے لیے مہلت دیتا ہے، پھر جب اس کی گرفت کا وقت آ جاتا ہے تو بڑی سخت پکڑ فرماتا ہے، دشمن خواہ کتنا ہی طاقتور ہو جائے پاور نہیں بلکہ سوپر پاور یا اس سے بڑی کسی بھی پاور اور اختیارات کا مالک ہو جائے وہ اللہ کی قوت کے آگے بے بس ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جس دور میں دعوتِ توحید کا آغاز کیا تھا، وہ دور فرعون کے عروج کا تھا، فرعون آپ کی پیدائش سے قبل بنی اسرائیل کے سارے بچوں کو ذبح کرا دیتا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتا، مگر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا تو فرعون کے دربار میں یہ کہہ کر بھیجا کہ ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾ ”سننے اور دیکھنے کے لحاظ سے میں تم دونوں کے ساتھ ہوں“ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں جا کر توحید کی دعوت دی، اور اسے ایک اللہ کی طرف بلایا، اور ساتھ ہی اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ”تم اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر سے کام لو۔“ یہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے

بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنا دے، اور انجام (خیر) تو متقیوں ہی کے لیے ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: آپ کے آنے سے پہلے ہمیں ستایا جاتا تھا، اور آپ کے آنے کے بعد بھی ستایا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور اس سرزمین میں تمہیں خلیفہ بنا دے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تا کہ وہ کچھ سبق حاصل کریں، مگر وہ عبرت حاصل کرنے کے بجائے غرور اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئے، حق و باطل کا معرکہ قائم رہا، ظلم و جور کی تاریخ لکھی جاتی رہی، دعوتِ توحید جاری رہی، فرعون کا غرور اور گھمنڈ سر چڑھ کر بولتا رہا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ فرعون کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے تعاقب کیا اور جب دریا کے قریب پہنچ گئے تو بنو اسرائیل گھبرا کر کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم تو دھر لیے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو پانی پر مارا اور دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل سمندر پار کر گئے۔ پیچھے سے فرعون نے آ کر کہا: چلو یہ تو راستہ میرے لیے ہے، اور اپنے لشکر کو لے کر دریا پار کرنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے وہیں غرق کر دیا اور دنیا والوں کے لیے اس کی موت کو سامانِ عبرت بنا دیا۔

جب ظلم گزرتا ہے حد سے قدرت کو جلال آ جاتا ہے
فرعون کا سر جب اُٹھتا ہے موسیٰ کوئی پیدا ہوتا ہے

یہ عظیم واقعہ اسی محرم الحرام کی دس تاریخ کو پیش آیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اصل قوت اللہ کے پاس ہے اور مسلمان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں ہم خصوصی طور پر اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے اس سے اپنے تعلقات کو مستحکم کریں۔

محرم الحرام کا مہینا اسلامی سال کا پہلا مہینا ہے اس لیے محرم سے ہمارا اپنا سال شروع

ہوتا ہے، یہ مہینہ ہجرت کا مہینا ہے، جس ہجرت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے جس ہجرت کے بعد اسلام کو ایک نئی زندگی ملی، ایک نئی سلطنت قائم ہوئی اور اسلام پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔ اس لیے تاریخی لحاظ سے یہ مہینا کافی اہمیت کا حامل ہے، اب آیئے ذرا اس کی شرعی حیثیت ملاحظہ فرمائیں۔

ماہِ محرم کی شرعی حیثیت:

شرعی لحاظ سے اس مہینے کی بڑی اہمیت ہے، اس مہینے میں کثرت سے نفلی روزے رکھنا مسنون ہے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے بہترین روزہ محرم کا ہے، جو اللہ کا مہینا ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے بہترین نماز صلاۃ اللیل (تہجد) ہے۔'' (مسلم: ۱۹۸۲)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ دس محرم الحرام کو یہودی روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ جس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو انتہائی نیک اور صالح دن ہے، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی تھی، جس کی خوشی میں موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تو موسیٰ کے معاملہ میں تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں (کہ روزہ رکھوں)'' چنانچہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری: ۱۸۶۵)

عاشورا کا روزہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت وفضیلت کا حامل ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ''میں نے رمضان کے بعد عاشوراء کے روزوں سے بڑھ کر کسی اور صوم کا اتنا اہتمام کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا۔'' (بخاری: ۱۸۶۷)

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''عاشورا کا روزہ گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہ مٹا دیتا ہے۔'' (مسلم)

عاشورا کا روزہ دسویں محرم کو رکھا جاتا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ''تم

نو (۹) دس (۱۰) یا دس (۱۰) گیارہ (۱۱) یعنی دسویں سے ایک دن پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھ لیا کرو، تا کہ یہود کی مخالفت ہو جائے، جیسا کہ دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آیندہ سال میں زندہ رہا تو نویں کو بھی روزہ رکھوں گا، مگر اس سے قبل ہی آپ ﷺ دنیا سے رُخصت ہو گئے۔" (مسلم)

اس ماہ کی بدعات وخرافات:

یہ مہینا اپنی پہلی دو حیثیتوں سے تو امتیازی شان کا مالک ہے، مگر افسوس کہ دنیا کے نام نہاد مسلمانوں نے اس مہینے کی حرمت کو پامال کر دیا، اس کی تاریخی حیثیت کو فراموش کر دیا، اور اس کی شرعی حیثیت کو زنگ آلود کر کے نوحہ و ماتم، ڈھول و میوزک، بینڈ باجے اور دیگر منکرات میں پڑ گئے۔ ۶۱ ہجری میں کربلا کے میدان میں نواسۂ رسول حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کا سانحہ پیش آیا جس کی یاد میں لوگ نوحہ و ماتم کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ کسی میت کا سوگ منانا جائز نہیں۔ البتہ کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ چار ماہ دس دن تک سوگ منا سکتی ہے، مگر افسوس کہ ہزارہا سال گزرنے کے بعد بھی نوحہ و ماتم کی یہ رسم ختم نہ ہو سکی، حالانکہ یہ ایک کھلی گمراہی اور صریح بدعت ہے۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو گریبان پھاڑے، سینہ کوبی کرے اور جاہلیت کی پکار پکارے۔" (متفق علیہ)

محرم الحرام کے مہینے میں تعزیہ کی رسم ایک ہندوانہ رسم ہے، اس دن بدعتی مسلمان سیاہ کپڑے پہنتا ہے، اس دن اچھی غذا نہیں کھاتا، نوحہ و ماتم کرتا ہے، مرثیہ اور دیگر قصائد کا اہتمام کرتا ہے۔ عاشوراء کے چالیس دن بعد چہلم کرتا ہے، جس میں کھانے اور دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے، دراصل یہ رسم یہود کی سازش، ہندوؤں کی نقل اور روافض کے مکر کا نتیجہ ہے۔ اس مہینے کی خوشی، اس کا روزہ، اس کی تاریخی اور شرعی حیثیت، فتح خیبر اور دوسرے عظیم تاریخ ساز معرکوں اور فتوحات کے اس مہینہ کو یہود نے ایک مکر کے ذریعے سے ماتم حسین میں تبدیل کر دیا ہے۔ دسہرہ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے جس میں ہندو اپنے رام کی مورتی بناتا

ہے اور دس دن تک اس مورتی کے آگے گانے اور اشعار پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرے رام آئیں گے، اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ پھر دسویں دن اس مورتی کو کسی ندی یا تالاب میں ایک جلوس کے ساتھ بہا دیتا ہے۔ ٹھیک یہی کام ایک مسلمان محرم الحرام میں کرتا ہے اور تعزیہ بنا کر دس دن تک نوحہ و ماتم کرتا ہے، تعزیتی جلسے کرتا ہے اور حسین رضی اللہ عنہما کی محبت کا دَم بھرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے حسین آئیں گے اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ اور دسویں دن اس تعزیہ کو ایک جلوس کے ساتھ کسی قریبی ندی یا تالاب میں لے جا کر پھینک دیتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہندو اپنے رام کو بلاتا ہے اور مسلمان اپنے حسین کو، حالانکہ دونوں عمل شرک کے ہیں۔

دیکھا جو تعزیہ تو پنڈت نے یہ کہا
تو نے تو میرے مندر کا نقشہ چرالیا
کاغذمیں جب حسین کو تونے بلالیا
مٹی کی مورتی میں خدا کیوں نہ آئے گا؟

چونکہ ہندو پاک کے مسلمانوں میں بہت سی رسمیں ہندوؤں سے گھس آئی ہیں، دیوالی کے مقابلے میں شب برات، گنگا جل کے مقابلے میں انا ساگر، دان کے مقابلے میں نذر و نیاز، مندروں کے مقابلے میں درگاہیں، اوتار کے مقابلے میں اولیاء، اسی طرح دسہرہ کے مقابلے میں تعزیہ کی یہ رسم ہے۔ ہندوستان میں یہ رسم امیر تیمور لنگ مغلیہ بادشاہ کے زمانے میں اس کے ایک شیعہ وزیر معز الدولہ شیعی نے ایجاد کی تھی۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس ماتم کی آڑ میں صحابہ کرام کو برا بھلا کہا جاتا ہے، انہیں گالیاں دی جاتی ہیں، اور ان صحابہ کرام پر بھی تیر ونشتر چلائے جاتے ہیں جن کا اس واقعہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ اس وقت وہ دنیا میں موجود ہی نہ تھے، حتی کہ ان کے مکر وفریب کا حال یہ ہے کہ کربلا کا واقعہ بیان کرتے وقت حسین رضی اللہ عنہما کے اصل قاتلوں کا نام بھی نہیں لیتے، اس لیے ہمیں اس یہودی اور شیعی مکر کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اللہ سے دُعا ہے کہ ہمیں اس مہینہ کی تاریخی وشرعی حیثیت کو پہچاننے اور اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور یہود ونصاریٰ کے مکر سے محفوظ رکھے۔ آمین

اور ہمیں دلوں کا تقویٰ عطا فرمائے اور آخرت کی فکر کے ذریعے سے اصلاحِ اعمال کی توفیق بخشے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الحشر: ۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان تیار کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

ماہِ سفر منحوس نہیں!

تالیف:...... فضیلۃ الشیخ ابو کلیم مقصود الحسن فیضی

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُونُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيرُ الْأَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ.))[1]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیماری کا کسی دوسرے کو لگ جانا، بدشگونی لینا، ماہِ صفر کا منحوس ہونا اور اُلو کا منحوس ہونا کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اس فرمان کو سن کر ایک صحرا نشین نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر بیماری کا کسی دوسرے کو لگ جانا کوئی چیز نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ اونٹ کے ریوڑ صحرا میں رہتے ہیں وہ اس طرح صاف ستھرے اور نشیط ہوتے ہیں گویا کہ ہرن ہیں، لیکن ان میں ایک ایسا اونٹ شامل ہو جاتا ہے جو جرب (خارش) کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو پورے ریوڑ کو خارش زدہ کر دیتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تو یہ بتلاؤ کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش زدہ کیا ہے؟

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر خیر وشر کا خالق ہے، سبب اور مسبب کو اس نے پیدا کیا ہے، چنانچہ اس نے تریاق کو پیدا کیا ہے اور زہر ہلاہل کا خالق بھی وہی ہے، اسی نے صحت کو پیدا کیا ہے اور وہی بیماری کا خالق ہے۔ اسی نے بیماری کا علاج بھی پیدا کیا اور بیماری کے اسباب کا خالق بھی وہی ہے۔ اسی نے آگ بھی پیدا کی ہے اور

[1] صحیح بخاری: ۵۷۷۰۔ صحیح مسلم: ۲۲۲۰.

وہی اس کے اندر جلانے کی صلاحیت کا خالق بھی ہے۔لیکن قدیم زمانے سے یہ چلا آرہا ہے کہ بہت سے لوگ کم علمی، کمزور ایمانی اور خالق حقیقی اور مالک کل پر توکل و بھروسا نہ کرنے کے سبب، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ خیر پر اس قدر بھروسا کر لیتے ہیں گویا کہ خود اسی کے اندر نفع پہنچانے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور اس خیر کے مالک حقیقی کو بھول جاتے ہیں کہ اگر وہ نہ چاہے تو یہ خیر تم تک نہیں پہنچ سکتی، اسی طرح شر سے اس قدر خائف رہتے ہیں کہ گویا یہی ان کے ہر قسم کے ضرر و نقصان کا مالک ہے اور اس شر کے خالق حقیقی کو بھول جاتے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو یہ شر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، مذکورہ بالا احدیث میں اس غلط عقیدہ کی تصحیح کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں چار چیزوں کے متعلق اہل جاہلیت کے عقیدہ کی تصحیح کی ہے:

۱۔ بیماری کا کسی دوسرے کو لگ جانا کوئی چیز نہیں۔ اس میں اس امر کی نفی نہیں ہے کہ بعض متعدی بیماریاں ایک مریض سے دوسرے تندرست شخص تک منتقل نہیں ہوتیں کیونکہ یہ تو ایک بدیہی چیز ہے اور خود آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جس کا اونٹ بیمار ہوا سے نہیں چاہیے کہ اپنے اونٹ کو ان اونٹوں کے پاس لے جائے جو تندرست ہیں۔'' (متفق علیہ)

نیز فرمایا: ''کوڑھی سے ایسے ہی بھاگو جیسے کہ شیر سے بھاگا جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

بلکہ آپ ﷺ کا مقصد جاہل، مشرک اور بیمار عقیدہ لوگوں کے اس باطل خیال کی تردید ہے کہ کسی بیماری میں دوسرے تک پہنچ جانے کی اپنی کوئی صلاحیت ہے، بلکہ یہ بھی مشیت الٰہی کے تابع ہے ورنہ اگر بیماری ہی اصل سبب ہوتی تو پھر جس گھر کے ایک فرد کو کوئی متعدی بیماری لگ جائے تو اس گھر اور ان سے ملنے جلنے والے ہر فرد کو وہ بیماری لگتی جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے اسی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

۲۔ بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بجائے خود منحوس ہو، منحوس وہی ہے

جسے اللہ تعالیٰ منحوس پیدا کرے، کوئی پرندہ، کوئی دن اور ہفتہ منحوس نہیں بلکہ یہ ساری مخلوقات حکم الٰہی کے تابع ہیں، اگر کسی چیز میں نحوست پیدا ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز بعض غیر مرغوب صفات تاریک گھر وغیرہ لیکن یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں ان معنیٰ میں منحوس ہیں کہ ان کو دیکھ کر یا ان کے سامنے سے گزر جانے سے یا ان کی آواز سن لینے سے کسی قسم کے شر کی توقع کی جائے۔

۳۔ ماہِ صفر منحوس نہیں۔ تمام مہینوں اور دنوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس نے اپنی حکمت وعدل سے یہ تو کیا ہے کہ بعض دنوں کو بعض دنوں اور بعض مہینوں کو بعض مہینوں پر فضیلت دی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ کسی مہینے کو منحوس ٹھہرایا ہو، بلکہ جس مہینے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان بجا لائے جائیں وہ بندہ کے لیے مبارک اور جس مہینہ میں اللہ کی نافرمانی کی جائے وہ بندے کے لیے منحوس ہیں۔ اس لیے بجائے اس کے کہ بندہ کسی مہینہ کو منحوس تصور کرے اسے چاہیے کہ خود اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔ اس طرح ایک ایسا مہینا جسے اللہ تعالیٰ نے کسی فضیلت سے نہیں نوازا اس کے لیے مبارک بن جائے گا۔

۴۔ اُلو منحوس نہیں ہوتا۔ الو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی بڑی حکمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے اُلو نہیں رکھا بلکہ یہ لوگوں کی اپنی غلطی ہے کہ اسے اُلو کہتے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے منحوس بھی پیدا نہیں فرمایا کہ اس کی آواز یا صورت کو دیکھ کر بندہ اپنے اندر انقباض محسوس کرے اور یہ سمجھے کہ ہمارے گھر کوئی مصیبت ضرور آنے والی ہے۔ یہ لوگوں کی جہالت اور بدعقیدگی ہے کہ اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کرنے والی ایک مخلوق اُلو کو منحوس کہا جا رہا ہے۔

صوفیاء کو پہچانئے!

فضیلۃ الشیخ دکتور صالح الفوزان

ترجمہ:......مختار احمد مدنی

نشو ونما:

اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز تابعین عظام کے مبارک دور میں صوفیاء کا کہیں نام ونشان تک نہیں تھا۔ بعد میں زہد وعبادت سے منسلک چند لوگوں نے صوف (اون) کا کپڑا پہننا شروع کیا جس کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ صوفیاء لفظ (صوفیا) سے ماخوذ ہے یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں، جب کہ صوفیاء اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کلمہ صفاء سے ماخوذ ہے، بلکہ یہ صرف دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے (صفائی) کہا جائے گا نہ کہ صوفی، اس لیے یہ دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے۔

صوفیاء کے طریقے:

صوفیوں کے بہت سارے طریقے ہیں (جن پر وہ بیعت شدہ ہوتے ہیں) مثال کے طور پر:

۱۔ تیجانی یہ سب سے گمراہ اور باطل پرست لوگ ہوتے ہیں۔

۲۔ قادری ۳۔ نقشبندی

۴۔ چشتی ۵۔ سہروردی

۶۔ رفائی ۷۔ مجددی

۸۔ صابری وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی کچھ طریقے پائے جاتے ہیں البتہ وہ غیر معروف ہیں اور ان کی طرف منسوبین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

دُعا اور صوفیاء:

"صوفیاء" اللہ کو چھوڑ کر نبیوں، زندہ و مردہ ولیوں کو پکارتے ہیں۔ عام طور پر "یـــا رسـول الـلّٰه المدد المدد"، اسی طرح "یا رسول اللہ! مجھے آپ ہی پر بھروسا ہے" جیسے شرکیہ کلمات ادا کرتے رہتے ہیں۔ کبھی عبدالقادر جیلانی، رفاعی، داتا علی ہجویری، خواجہ غریب نواز، بابا فرید سے روزی، شفا اور مدد طلب کرتے ہیں تو کبھی "یا علی المدد یا حسین المدد" اس کے علاوہ "المدد یا عطار" کا بھی نعرہ لگاتے ہیں۔ جب کہ قرآن غیروں کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور اسے شرک شمار کرتا ہے، اللہ رب العالمین اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (یونس: ۱۰۶)

"اللہ کو چھوڑ کر کسی چیز کو نہ پکاریں جو آپ کو نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔"

ظالمین سے مراد مشرکین ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ.)) "دعا ہی عبادت ہے۔" (سنن ترمذی)

معلوم ہوا کہ دُعا، صلاۃ (نماز) کی طرح ایک عبادت ہے جو غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے خواہ جسے پکارا جائے وہ رسول ہو یا ولی یا فرشتہ، یہی تو شرک اکبر ہے جس سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے جہنم اس کا مقدر بن جاتی ہے ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(النساء: ٤٨)

"اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی بھی نہیں بخشے گا اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔"

اللہ کی عبادت:

شاید آپ اس حقیقت کو تسلیم نہ کریں کہ صوفیاء حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی عبادت

جنت کے لالچ اور جہنم کے خوف سے نہیں کرتے ہیں جب کہ اللہ رب العالمین انبیائے کرام کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ وہ جنت کی طلب اور عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾

(الانبیاء: ۹۰)

''ہم نے اس (زکریا علیہ السلام) کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست کر دیا یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کیا کرتے تھے اور ہمیں طمع اور خوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔''

یعنی جنت کی رغبت اور اس کے عذاب کے خوف سے اللہ کو پکارتے تھے۔

اللہ کا ذکر:

صوفیاء ڈھول باجے کی تھاپ پر بلند آواز کے ساتھ رقص کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، جو سراسر ممنوع ہے ارشادِ ربانی ہے:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾

(الاعراف: ۵۵)

''اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو، حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

صوفیاء حضرات کا ذکر بڑا ہی عجیب وغریب بلکہ عام طور پر مضحکہ خیز ہوتا ہے مثال کے طور پر وہ شروع میں اللہ، اللہ کی رَٹ لگاتے ہیں اور اخیر میں صرف ھو، ھوھو کہتے رہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بھول جاتے ہیں کہ:

((أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .)) (ترمذی)

''سب سے بہترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔''

یہی نہیں بلکہ ان کے یہاں ایسے خود ساختہ اذکار و اوراد ہیں جن میں شرک والحاد کی کھلی دعوت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ پر جب دُرود بھیجتے ہیں تو اس میں آپ ﷺ کے لیے ایسی صفات کا تذکرہ ہوتا ہے جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں کسی اور کو ان صفات سے متصف کرنا اللہ کے ساتھ شرک ہے۔

صوفیا کے چند اقوال:

۱۔ ابن عربی جسے صوفیا ''شیخ اکبر'' کا لقب دیتے ہیں اس کا عقیدہ تھا کہ ''خالق ومخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے، اللہ ہی خالق ہے اور مخلوق ہی اللہ ہے۔'' اپنے اس الحادی عقیدہ کی تعبیر یوں کرتا ہے: ''وہ (اللہ) میری اور میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں، وہ میری اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔''

۲۔ جنید بغدادی نو آموز لوگوں کے لیے یہ شروط رکھتا ہے کہ وہ تین چیزوں میں اپنے آپ کو نہ مشغول رکھیں:

طلب رزق، طلب حدیث اور شادی۔ کیونکہ انسان جب ان چیزوں سے دُور رہے گا تو اس کے پاس زیادہ دلجمعی اور سکون واطمینان ہوگا۔

۳۔ ابو یزید بسطامی اپنی ''الوہیت'' کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے: ((سبحانی سبحانی ما أعظم شأنی)) ''میری ذات پاک ہے پاک ہے کیا ہی میری عظیم شان ہے۔'' جب کہ ایک دوسرا صوفی لباس پہن کر اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح اللہ کا مذاق اُڑاتا ہے کہ ''اس جبہ (کرتا) میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' استغفر اللہ، ہم ان ساری کفریہ باتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

شیطان کے ولی:

بعض شعبدہ باز اہل بدعت اپنے آپ کو تلوار سے مارنے اور آگ کھا جانے کا جو کرتب دکھاتے ہیں اس سے ہرگز طور پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ ایسے سارے کام شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، یہ شعبدہ بازی ہے، ولایت نہیں۔ نیز اللہ کی طرف سے ڈھیل ہوتی

ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾

(الزخرف : ٣٦)

''جو اللہ کے ذکر سے دُوری اختیار کرتا ہے ہم اسے ایک شیطان مہیا کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔''

یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہندو اور کافر لوگ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز کرتب دکھاتے ہیں تو کیا اسے کرامت مانتے ہوئے کوئی صاحب عقل انہیں ولی شمار کرے گا؟

اللہ رب العالمین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار؟

صوفیا اس بات کے دعوے دار ہیں کہ دنیا میں اللہ رب العالمین کا دیدار ممکن ہے، جب کہ اللہ عزوجل موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ (الاعراف : ١٤٣)

''اے میرے رب! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، تو اللہ رب العالمین نے فرمایا: تو مجھے (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔''

صحیح مسلم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''تم اس وقت تک اللہ کو نہیں دیکھ سکتے جب تک تمہاری موت نہ ہو جائے۔'' جب قرآن و حدیث کا یہ فرمان ہے پھر کیسے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن ہے، اسی طرح ان کا یہ بھی گمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بحالت بیداری ممکن ہے، جب کہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو بیداری کی حالت میں دیکھا ہو، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ لوگ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں؟ یہ احمقوں کی بات ہے، سچ فرمایا امام شافعی رحمہ اللہ نے ''اگر کوئی آدمی صبح کو تصوف میں داخل ہو جائے تو ظہر کا وقت آنے سے پہلے وہ احمق بن جائے گا۔''

عظیم ترین دعوے:

۱۔ صوفی پیشوا ابن عربی اپنی کتاب ''فتوحاتِ مکیہ'' کے بارے میں دعویٰ کناں ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے۔

۲۔ صوفی منصور حلاج کا دعویٰ تھا کہ ''اللہ رب العالمین کی طرف سے اس کے پاس خطوط آتے تھے۔''

۳۔ صوفی محمد المرغنی کا کہنا تھا کہ جس نے اسے (محمد المرغنی کو) دیکھ لیا، پھر اس شخص کو جس نے دیکھ لیا، پھر اسے جس نے دیکھ لیا اسی طرح پانچ اشخاص تک تو ان پر جہنم حرام ہے۔

۴۔ احمد تیجانی کہا کرتا تھا کہ ''اللہ میرے بعد ولی پیدا کرنے پر قادر تو ہے لیکن وہ ایسا کرے گا نہیں'' لوگوں نے پوچھا: آخر کیوں؟ کہنے لگا کہ ''جس طرح وہ چاہے تو محمد ﷺ کے بعد نبی پیدا کر سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا (اسی طرح میرے بعد ولی نہیں پیدا کرے گا) (استغفر اللہ)

ناقابل یقین مگر سچ!

۱۔ ابلیس لعین پر رحم کرتے ہیں۔

۲۔ اپنی ربوبیت کا دعوے دار فرعون، موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ علم والا تھا۔

۳۔ قوم نوح مشرک نہیں تھی۔

۴۔ کتوں اور سؤروں سے بھی سلام کرتے ہیں، کیا جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہے ایسا کر سکتا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ برحق ہیں تو اپنے دروس، بیانات و اجتماعات اور اپنے ناموں کو ظاہر کیوں نہیں کرتے؟ ان کا چھپ چھپ کر کام کرنا ان کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

لمحہ فکریہ!

یہ ایک دل خراش مگر ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو صوفیوں، پیروں اور مریدوں سے مخفی ہے کہ وہ خود گمراہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سارے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے

ہوئے ہیں، میں صوفیوں سے اللہ رب العالمین کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تم ایسی جماعت کی طرف کس طرح اپنی نسبت کرتے ہو جس کے سب سے مشہور شخص کا دعویٰ تھا کہ ''اس کے پاس وحی آتی تھی'' حالانکہ وحی انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے، کوئی اپنی کبریائی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ''میری ذات پاک ہے، میری ذات پاک ہے، میری شان کتنی عظیم ہے'' کوئی یہ کہتا ہے کہ ''براہِ راست اس کے پاس اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط آتا ہے'' کیا یہ معقول ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتے ہوئے جہنم کو اپنا ٹھکانا بنا لے اور ایسے مجہول اشخاص کی پیروی کرے؟ جب کہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ اپنے متبعین کو مطالعہ اور سوال و مناقشہ سے منع کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ صرف یہ ہے کہ تم ضلالت و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہو اور وہ تمہارے آقا و حاکم بنے رہیں اور تم ان کے غلام و دست نگر۔

صوفیا اور قبریں:

صوفیاء قبروں کا سفر، ان کا طواف اور وہاں جانور ذبح کرتے ہیں۔ مردوں سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ یہ حدیث رسول اکرم ﷺ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ بخاری و مسلم میں آپ ﷺ سے مروی ہے کہ ''(بغرضِ اجر و ثواب) تین مساجد کے سوا کسی دوسری مسجد کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔''

صوفیاء اور عرس:

صوفیا ہر سال عرس مناتے ہیں، جس میں مختلف شہروں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ صاحب عرس کو وہ مقام و مرتبہ دیا جاتا ہے جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس عرس میں شرکیہ نعت خوانی کی بھی محفل منعقد ہوتی ہے جس میں عورتیں بھی مکمل زیب و زینت کے ساتھ اجنبی مردوں کے ساتھ قوالیاں اور شرکیہ اشعار پڑھتی ہیں، آپ ﷺ کو اس کائنات کا منتظم و متصرف کہا جاتا ہے جو سراسر اللہ رب العالمین کے ساتھ شرک ہے۔

ملعون ابلیس جسے اللہ رب العالمین نے اپنے دربار سے نکال دیا اور وہ قیامت تک

لعنت و پھٹکار کا مستحق قرار پایا۔ صوفیاء اسے سب سے بڑا موحد مانتے ہیں اس کی مدح وستائش کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے ہی جیسی ایک مخلوق آدم (علیہ السلام) کا سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ صوفیاء کی بہت ساری کتابیں ہیں انہی میں سے (۱) ''فتوحاتِ مکیہ'' جو ابن عربی کی تالیف ہے۔ جس میں کفر وشرک کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ (۲) ''قوت القلوب'' یہ جونی کی کتاب ہے۔ (۳) ''طواسین'' منصور حلاج کی تالیف ہے جسے کفر والحاد کی بنا پر پھانسی دے دی گئی تھی۔ اگر کوئی ان کتابوں کو پڑھ کر ان کفریہ وشرکیہ کاموں کے مطابق عمل کرے تو جہنم میں جانے کے لیے یہی چیز کافی ہے۔

قارئین کرام! یہ صوفیاء کے چند عقیدے ہیں اور ان کے تعلق سے چند باتیں تھیں جنہیں پیش کیا گیا ہے۔ اب اس سوال کا جواب آپ کی صوابدید پر منحصر ہے کہ کیا یہ صوفیت اس قابل ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یا اس کی ہفوات و دسیسہ کاریوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر اُمت مسلمہ کو اس سے آگاہ کیا جائے لیکن یاد رکھئے کہ ان کی برائیوں کے خاتمہ کے لیے اگر کوشش نہ کی گئی تو یہ اپنے زہریلے وشرکیہ افکار وخیالات اور غلط عقائد کی تبلیغ واشاعت کرتے رہیں گے جس کی وجہ سے اُمت مسلمہ ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں گرتی چلی جائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ ان صوفیاء کو بھی دعوتِ فکر ہے کہ وہ جس راستہ کو اپنائے ہوئے ہیں وہ باطل کی راہ ہے جس پر چل کر دنیا وآخرت میں خسارہ کے سوا کچھ اور نہیں حاصل ہوگا۔ ابھی وقت ہے کہ راہِ حق کو اپنا لو اور سچی توبہ کر لو تا کہ کل قیامت کے دن یہ کہنے کی نوبت نہ آئے:

﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ o لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا﴾

(المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰)

''میرے رب مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دے تا کہ نیک اعمال کرلوں۔''

اگر تم نے اللہ کی سچی تابع داری کی تو یقین کریں کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہوگا، اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

جادو اور کہانت کی مشروعیت؟

علامہ الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ
ترجمہ:......محمد اسماعیل محمد بشیر

طبیب اور دوا کی ضرورت:

دور حاضر میں جھاڑ پھونک کرنے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں جو طب کا دعویٰ کرتے ہیں اور جادو، کہانت کے ذریعے سے بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ یہ لوگ بعض ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کے لیے میں نے چاہا کہ اسلام اور مسلمانوں کے اوپر جو اس طریقہ کار سے جو عظیم خطرہ لاحق ہو رہا ہے اسے بیان کر دوں کہ اس میں غیر اللہ سے تعلق اور اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ بیماری کا علاج متفقہ طور پر جائز ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ باطنی امراض یا سرجری اور اعصابی امراض وغیرہ کے ماہر ڈاکٹروں کے پاس جا کر اپنے امراض کی تشخیص کرائیں، تا کہ وعلم طب کے مطابق مناسب اور شرعی طور پر جائز دوا سے اس کا علاج کریں، کیونکہ یہ ضروری اسباب ہیں جن کا سہارا لینا اللہ پر توکل کے منافی نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری پیدا کی ہے اور اس کے ساتھ اس کی دوا بھی بنائی ہے جسے جاننے والے جانتے ہیں اور نہ جاننے والے نہیں جانتے۔

نجومی اور کاہن سے علاج حرام ہے:

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس چیز میں اپنے بندوں کے لیے شفا نہیں رکھی ہے جسے ان کے اوپر حرام کیا ہے۔ لہٰذا مریض کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیماری دریافت کرنے کے لیے

ان کاہنوں کے پاس جائے جو پوشیدہ چیزوں کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی جائز نہیں کہ ان کی بتلائی ہوئی بات کی تصدیق کرے کیونکہ وہ اٹکل ہانکتے ہیں اور جناتوں کو حاضر کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مقصد میں ان سے مدد حاصل کریں۔

ان کا معاملہ کفر و ضلالت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ اُمور غیب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِینَ لَیْلَةً .)) ❶

''جو شخص کسی نجومی کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا تو چالیس رات تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''

اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتٰی كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ .)) ❷

''جو شخص کسی کاہن (غیب کے دعوے دار) کے پاس آیا اور اس بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر اُتاری گئی شریعت کا انکار کیا۔''

اور حاکم نے ان الفاظ میں صحیح کہا ہے:

((مَنْ أَتٰی عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فِیْمَا یَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ .)) ❸

''جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر اُتاری گئی شریعت کا انکار کیا۔''

---

❶ صحیح مسلم، : ۱۷۵۱/٤، ح: ۲۲۳۰.

❷ ابوداؤد: ۲۲٥/٤، ح: ۳۹۰٤۔ ترمذی: ٤۱۸/۱، ح: ۱۳٥۔ ابن ماجه: ۱۱۷/۱، ح: ٦۳٤.

❸ مستدرك حاكم: ۸/۱.

اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مِنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ ، وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ .))

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بدفالی کرے یا جس کے لیے بدفالی کی جائے، یا جو غیب کی باتیں بتلائے یا جسے غیب کی باتیں بتلائی جائیں یا جو جادو کرے یا جس کے لیے جادو کیا جائے اور جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس بات کی تصدیق کی، تو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا۔''

ان احادیث شریفہ میں نجومیوں وغیرہ کے پاس آنے اور مسئلہ دریافت کرنے اور ان کے جواب کی تصدیق کرنے کی ممانعت اور وعید ہے۔ لہٰذا ذمہ داران اُمور اور دینی معاملات کی تفتیش کرنے والوں اور ان کے علاوہ جنھیں بھی اختیار و اقتدارات حاصل ہوں ان پر واجب ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں کے پاس آنے سے لوگوں کو روکیں اور بازاروں وغیرہ میں مشغلہ کرنے والوں کو سختی سے منع کریں۔

نجومیوں پر عقیدہ رکھنا کفر ہے:

ان نجومیوں کی بعض باتوں کے صحیح ہو جانے اور ان کے پاس آنے والوں کی کثرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ جو ان کے پاس آتے ہیں وہ پختہ عالم نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اس بات سے بھی نابلد ہوتے ہیں کہ ان کے پاس آنا منع ہے۔ کیونکہ شریعت کی عظیم مخالفت، بڑے خطرات اور ضرر رساں نتائج کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کاہنوں وغیرہ کے پاس آنے سے روکا ہے۔ نیز یہ جھوٹے فاجر ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث کاہنوں اور جادوگروں کے کفر پر دلیل ہیں۔ اس لیے کہ یہ علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں جو کفر ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے جناتوں کی خدمت لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان جناتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر

ہے۔ نیز علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے اور ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کرنے والے دونوں برابر ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس نے بھی جادوگری اور نجومیت وغیرہ ان پیشہ وروں سے سیکھی، اللہ کے رسول اس سے بری الذمہ ہیں۔

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ان کے بتلائے ہوئے طریقہ علاج کی پیروی کرے۔ مثلاً جادوئی لکیریں کھینچنا اور قلعی اُتارنا وغیرہ جیسی خرافات پر عمل نہ کریں۔ جیسے یہ لوگ کرتے ہیں، کیونکہ یہ سب کاہنوں کی فطرت اور تلبیس کاری کی باتیں ہیں۔ جو شخص ان چیزوں پر رضا مند ہوا اور وہ ان کے کفر وضلالت پر معاون ثابت ہوگا۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کاہنوں کے پاس جا کر اس سے اس شخص کے بارے میں سوال کرے جس کے بیٹے یا قریبی رشتہ دار سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ یا شوہر و بیوی، یا ان کے خاندان کے درمیان ہونے والی محبت و وفا یا عداوت واختلافات کے بارے میں دریافت کرے، کیونکہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

جادو سیکھنا اور کرنا حرام ہے:

جادوگری محرمات کفریہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں دو فرشتوں ''ہاروت و ماروت'' کے بارے میں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۰۲)

''وہ فرشتے جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ ''دیکھ ہم محض آزمائش ہیں تو کفر میں مبتلا نہ ہو'' پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالیں، ظاہر تھا کہ اذن

الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیزیں سیکھتے تھے جو خود ان کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھیں، اور خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، کتنی بڑی متاع تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش! انہیں معلوم ہوتا۔"

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جادوگری کفر ہے اور جادوگر شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتے ہیں، نیز اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جادو بذاتِ خود نفع ونقصان میں اثر انداز نہیں ہوتا، بلک اللہ تعالیٰ کی مشیت کونیہ قدریہ سے اثر کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے خیر وشر کو پیدا کیا ہے اور ان جادوگروں کو نقصان وضرر اور خطرات سخت ہیں جنھوں نے ان علوم کو مشرکین سے ورثہ میں لیا ہے اور ضعیف العلق عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

جیسا کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ جادو سیکھتے ہیں وہ ایسے کام سیکھتے ہیں جو انھیں ضرر پہنچاتے ہیں، نفع نہیں پہنچاتے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ان لوگوں کے لیے کوئی خیر وفضل نہیں ہے۔ یہ زبردست وعید ہے جو دنیا وآخرت دونوں جگہ ان کے خسران اور ہلاکت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو گھٹیا قیمتوں کے عوض بیچ ڈالا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس تجارت کی مذمت کی ہے۔

﴿وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرة: ١٠٢)

"کتنی بڑی متاع تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش! انھیں معلوم ہوتا۔"

ہم ان جادوگروں، کاہنوں اور باقی تمام دوسرے جھاڑ پھونک کرنے والوں کے شر سے اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی طلب کرتے ہیں۔ نیز سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے، اور ان سے دُور رہنے اور ان کے بارے میں حکم الٰہی

نافذ کرنے کی توفیق دے تاکہ اللہ کے بندے ان کے ضرر سے اعمالِ خبیثہ سے نجات پائیں۔ بے شک اللہ فیاض اور سخاوت کرنے والا ہے۔

جادو کا شرعی علاج:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و احسان اور اتمامِ نعمت کے طور پر بندوں کے لیے ایسے وظائف مشروع کیے ہیں جن کے ذریعے سے وہ جادو لگنے سے پہلے ہی اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں، اور جادو لگ جانے کے بعد بھی ان اعمال سے اس کا علاج کر سکیں۔ چنانچہ آئندہ سطور میں ان شرعی اور مباح وظائف کا ذکر آ رہا ہے جن کے ذریعے سے جادو کے خطرات سے بچا جا سکتا ہے اور اس کا علاج بھی کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم: ......یعنی جادو کے خطرات سے بچنے کے لیے جو طریقے ہیں ان میں سے نفع بخش اور اہم طریقہ یہ ہے کہ شرعی اذکار، دعائیں اور ماثور تعویذات کے ذریعے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے اس کے لیے مختلف اذکار و دعائیں ہیں:

۱۔ ہر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد مشروع وظائف کرنے کے بعد آیت الکرسی پڑھے۔

۲۔ سونے کے وقت آیت الکرسی پڑھے۔ آیت الکرسی قرآن کی سب سے عظیم آیت ہے۔ اور وہ یہ ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

''اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے زمین اور آسمانوں میں

جو کچھ ہے انٹی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آ سکتی، الا یہ کہ جس چیز کو وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمینوں پر چھائی ہوئی ہے۔ اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔''

۳۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ مکمل سورتیں ہر فرض نماز کے بعد پڑھے، نیز تینوں سورتوں کو صبح کے وقت تین تین مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اور رات کو نمازِ مغرب کے بعد پڑھے۔

۴۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھے اور وہ یہ ہیں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝﴾

(البقرہ: ۲۸۵، ۲۸۶)

''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو اس رسول کے ماننے والے ہیں انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے

رسولوں کو مانتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے، اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اس کے لیے ہے۔ اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر۔ (ایمان لانے والو! تم یوں دعا کرو!) اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بارے کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولا ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

کیونکہ صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ لَيْلَةٍ لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرِبُهُ شَيْطَانٌ حَتّٰى يُصْبِحَ .)) ❶

"جس شخص نے رات کو آیت الکرسی پڑھ لی اس کے اوپر اللہ کی طرف سے ایک نگران برابر رہے گا۔ اور شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا، یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔"

نیز یہ بھی صحیح طور پر نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ .)) ❷

۵۔ ((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ .)) کا ورد کثرت سے کرنا

---

❶ بخاری: ۹/۵۵، ح: ۵۰۱۰.

❷ بخاری: ۹/۵۵، ح: ۵۰۰۹۔ مسلم: ۱/۵۵٤، ۵۵۵، ح: ۸۰۷، ۸۰۸۔ ابوداؤد: ۲/۱۱۸، ح: ۳۰٤۳۔ ابن ماجه، ح: ۱۳٦۳، ۱۳٦٤.

چاہیے۔ رات دن میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے وقت، خواہ مکان ہو یا صحراء، فضاء ہو یا سمندر، ہر جگہ اس کا ورد کرنا چاہیے کیونکہ آپ نے فرمایا۔

((مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ: ...... اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ .)) ❶

''جس شخص نے کسی مقام پر پڑاؤ ڈالا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے سے اس کی مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں تو اسے کوئی شے ضرر نہیں پہنچا سکتی یہاں تک کہ وہ صحیح سالم اس مقام سے کوچ کر جائے گا۔''

٦۔ انہیں وظائف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دن کے اوّل وقت اور رات کے اوّل وقت میں تین مرتبہ کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ .)) ❷

''شروع کرتا ہوں اس ذات کے نام سے جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

یہ اذکار اور تعویذات جادو وغیرہ کے شر سے بچنے کے لیے عظیم اسباب ہیں، اس شخص کے لیے جو صدق دل سے، ایمان اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا و اعتماد اور ان کے معانی پر انشراح صدر کے ساتھ ان کا پابند ہو۔

یہی تعویذات و اذکار جادو لگ جانے کے بعد اس کو زائل کرنے میں بھی عظیم ہتھیار ہیں ساتھ ہی ساتھ اس کے ضرر کو دفع کرنے اور مصیبت کو دُور کرنے کے لیے بکثرت اللہ تعالیٰ

---

❶ مسلم: ٤/ ٢٠٨٠، ح: ٢٧٠٨۔ ترمذی: ٩/ ٣٩٦، ح: ٣٤٩٩۔ ابن ماجه: ٢/ ٢٨٩، ح: ٣٥٩٢.

❷ ابوداؤد: ٥/ ٣٢٤، ح: ٥٠٨٨۔ ترمذی: ٩/ ٣٣١، ح: ٣٤٤٨۔ ابن ماجه: ٢/ ٣٥٠، ح: ٣٩١٥۔ حاکم: ١/ ٥١٤.

سے گریہ و زاری اور سوال کرنا چاہیے۔ جادو وغیرہ کے اثرات کا علاج کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ دعاؤں (جن کے ذریعے سے آپ صحابہ کرام کو دَم کیا کرتے تھے) میں سے بعض یہ ہیں:

((أَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ ، أَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا .)) ❶

''اے اللہ! لوگوں کے پالنہار اس مصیبت کو دُور کر دے اور شفا عطا کر، تو ہی سفا عطا کرنے والا ہے۔ تمہاری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا نہیں، اللہ ایسی شفا عطا کر جو کوئی بیماری باقی نہ رکھے۔''

جن رقیوں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو دَم کیا تھا ان میں سے ایک یہ ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْعَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ .)) ❷

''اللہ کے نام سے میں آپ کو دَم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے۔ ہر نفس اور ہر حاسد نگاہ سے آپ کو اللہ شفا عطا فرمائے۔ اللہ کے نام سے میں آپ کو دَم کرتا ہوں۔''

تین مرتبہ اس دعا کا تکرار کرنا چاہیے۔

جادو کا اثر زائل کرنے کا ایک علاج یہ بھی ہے، خاص کر مردوں کے لیے، اگر انہیں بیوی سے جماع کرنے میں رکاوٹ محسوس ہوتی ہو کہ بیر کے درخت کے سر سبز سات پتے لے کر اسے پتھر وغیرہ سے کوٹ ڈالیں۔ پھر اسے کسی برتن میں رکھ کر اتنا پانی بھر دیں کہ غسل

---

❶ بخاری: ۱۰/۲۰۶، ح: ۵۷۴۳۔ نیز دیکھیے: ۱۰/۲۱۰، ح: ۵۷۵۰۔ مسلم: ۴/۱۲۲۱، ح: ۲۱۹۱۔ ترمذی: ۱۰/۱۰، ح: ۳۶۳۶۔ ابن ماجہ، ح: ۱/۱۶۱۹؛ ۲/۳۵۶۵، ۳۵۷۶۔

❷ مسلم: ۴/۱۷۱۸، حج: ۲۱۸۶۔ ابن ماجہ۲، ح: ۳۵۶۸۔

کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔ پھر اس پر "آیت الکرسی" اور ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھیں۔ نیز سورۂ اعراف کی یہ آیتیں پڑھیں جس میں جادو کا ذکر ہے۔

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ٥ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ٥﴾ (الاعراف : ۱۱۷ تا ۱۱۹)

"ہم نے موسیٰ کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا، اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا۔ اس طرح جو حق تھا حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) اُلٹے ذلیل ہو گئے۔"

پھر سورۂ یونس کی یہ آیتیں پڑھے:

﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ٥ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ٥ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ٥﴾

(یونس : ۷۹ تا ۸۲)

"اور فرعون نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ "ہر ماہر فن جادوگر کو میرے سامنے حاضر کرو۔ جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا: جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے پھینکو پھر جب انہوں نے اپنے انچھر پھینک دیے تو موسیٰ نے کہا کہ یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے، جادو ہے۔ اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے۔ مفسدوں کے کام اللہ سدھرنے نہیں دیتا۔ اور اللہ اپنے زبانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ خواہ

مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔''

اس کے بعد سورۂ طٰہ کی یہ آیتیں پڑھے:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝﴾ (طٰه: ٦٥ تا ٦٩)

''جادوگر بولے: ''موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا: نہیں تمہی پہلے پھینکو'' یکا یک ان کے درمیان اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے۔ ہم نے کہا: ''مت ڈرو، تم ہی غالب رہو گے، پھینک جو کچھ تیرے دائیں ہاتھ میں ہے۔ ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگل جاتا ہے، یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادو گر کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا خواہ کسی شان سے وہ آئے۔''

جادو کے علاج کے طریقے:

یہ مذکورہ بالا سورتیں اور آیتیں اس پانی پر پڑھنے کے بعد اس میں سے تھوڑا سا پانی پی لے اور باقی پانی سے غسل کرے۔ اس سے ان شاء اللہ جادو کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اگر دو چند مرتبہ یہ طریقہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو تو کریں کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ جادو کا اثر زائل ہو جائے۔

سب سے زیادہ نفع بخش علاج جادو کا اثر زائل کرنے کا یہ ہے کہ وہ جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں جادو دفن ہے، زمین ہو یا پہاڑ وغیرہ۔ اگر جگہ کا پتہ لگ جائے تو اسے نکال کر فنا کر دیا جائے تو جادو بے کار ہو جائے گا۔

یہ ہیں وہ اُمور جن کا بیان کر دینا ضروری تھا۔ جن سے جادو کے خطرات سے بچا جا سکتا

ہے اور جن سے جادو کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

رہا جادوگروں کے عمل سے جادو کا علاج کرنا جو ذبح یا دوسری قربانیوں کے ذریعے سے جناتوں سے تقرب پر مشتمل ہوتا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ شیطانی عمل ہے۔ بلکہ شرک اکبر میں سے ہے لہٰذا اس سے دُور رہنا ضروری ہے۔ نیز جادو کے علاج کے لیے کاہنوں، نجومیوں اور منتر والوں سے سوال کرنا اور ان کے ارشادات پر عمل کرنا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹے اور فاجر ہیں۔ علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔ نیز اللہ کے رسول نے ان کے پاس جانے سے ان سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ اس کا بیان شروع کتابچہ میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مسلمانوں کو ہر مصیبت سے عافیت بخشے اور ان کے دین کی حفاظت کرے اور اللہ انہیں دین میں سمجھ عطا فرمائے اور ہر اس عمل سے دُور رکھے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو، اور دُرود و سلام ہو اس کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور ان کے آل اور ان کے اصحاب پر۔

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت اور اس کے اعمال

علامہ الشیخ عبداللّٰہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللّٰہ

ترجمہ:......ابوالمکرّم عبدالجلیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ!

فضیلت:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان ایام یعنی عشرۂ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی ایسا دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح اتنا محبوب ہو، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد بھی نہیں، سوائے اس صورت کے کہ آدمی اپنی جان و مال کے ساتھ نکلے، پھر ان میں سے کسی بھی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان ایام یعنی عشرۂ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل صالح اتنا محبوب اور عظیم ہو، لہٰذا ان ایام میں کثرت سے تکبیر و تہلیل اور اللہ کی حمد و ثنا کرو۔''

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دنوں میں سب سے افضل عرفہ کا دن ہے۔''

عشرۂ ذی الحجہ کے اعمال:

۱۔ حج اور عمرہ ادا کرنا۔ اور یہ اس عشرہ کا سب سے افضل عمل ہے، اس کی فضیلت پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں، جن میں ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے (صغیرہ گناہوں کے) لیے کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے۔''

اس کے علاوہ بھی دیگر احادیث حج وعمرہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔ عشرۂ ذی الحجہ کا یا ان میں سے بعض دنوں کا اور بالخصوص عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ بذاتِ خود افضل ترین اعمال میں سے ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میرا بندہ میرے لیے اپنی شہوت اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔''

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی بندہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو ستر سال کی مسافت کے برابر جہنم سے دُور کر دے گا۔'' (متفق علیہ)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ عرفہ کا روزہ سالِ گزشتہ اور سالِ آئندہ (دو سال کے) گناہوں کے لیے کفارہ ہے۔''

۳۔ عشرۂ ذی الحجہ میں تکبیر اور ذکر واذکار میں مشغول رہنا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ (الحج: ۲۸)

''اور مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔''

اس آیت میں (ایام معلومات) یعنی مقررہ دنوں کی تفسیر عشرۂ ذی الحجہ سے کی گئی ہے، اسی لیے علمائے کرام نے اس عشرہ میں کثرت سے ذکر واذکار کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: ''لہٰذا ان ایام میں کثرت سے تکبیر وتہلیل اور اللہ کی حمد وثنا کرو۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں یہ دونوں حضرات بازار کی طرف نکل جاتے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے، اور ان کی تکبیر سن کر دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے۔

امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیا ہے کہ وہ عشرۂ ذی الحجہ میں یوں تکبیر کہتے:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ))

بازاروں، گھروں، راستوں، مسجدوں اور اس طرح کی دوسری عام جگہوں میں بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

''اور تاکہ تم اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو۔''

واضح رہے کہ اجتماعی طور پر تکبیر کہنا جائز نہیں، اجتماعی طور سے مراد یہ ہے کہ پوری جماعت مل کر ہم آواز ہو کر تکبیر کہیں، سلف صالحین سے ایسا کرنا ثابت نہیں، بلکہ سنت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے طور پر تنہا تکبیر کہے، اور یہی حکم تمام اذکار اور دعاؤں کا ہے، ہاں اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو تو سکھانے کی غرض سے کوئی دوسرا شخص اس کو تلقین کر سکتا ہے۔

ان ایام میں مذکورہ تکبیر کے علاوہ دوسری تکبیر وتحمید اور تسبیح کے ساتھ بھی اللہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے اور دوسری مشروع دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

۴۔ ہر قسم کے گناہ اور معصیت سے سچی توبہ کرنا۔ تاکہ بندے کے اعمال پر اسے اللہ کی رحمت ومغفرت حاصل ہو، کیونکہ معصیت، رحمت سے دُوری اور نفرت کا سبب ہے اور اطاعت وفرماں برداری اللہ سے تقرب اور محبت کا ذریعہ ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے، اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی حرام کردہ چیز کا ارتکاب کرے۔'' (متفق علیہ)

۵۔ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادات انجام دینا۔ مثلاً نماز پڑھنا، صدقہ و خیرات کرنا، جہاد کرنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا اور ان کے علاوہ بھی دیگر نیک اعمال بجا لانا، یہ سب ایسے اعمال ہیں جن کا ثواب ان ایام میں بڑھ جاتا ہے، کیونکہ ان ایام میں عمل اگرچہ کم درجہ کا ہو لیکن اللہ کے نزدیک دوسرے ایام کے افضل اعمال حتی کہ جہاد جیسے افضل عمل سے بھی زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال کے ساتھ نکلے اور اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے۔

۶۔ ان ایام میں نمازِ عید تک رات و دن ہر وقت مطلق تکبیر کہنا مشروع ہے، اور مقید تکبیر باجماعت فرض نمازوں کے بعد کہنا مشروع ہے، یہ تکبیر غیر حاجی کے لیے عرفہ (۹ ذی الحجہ) کی نماز فجر سے اور حجاج کے لیے قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ) کی نمازِ عصر سے ایامِ تشریق کے آخری دن (۱۳ ذی الحجہ) کی نمازِ عصر تک مشروع ہے۔

۷۔ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) اور ایامِ تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) میں قربانی کرنا مشروع ہے۔ قربانی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم قربانی (دنبہ) کے بدلے ان کے بیٹے کو بچا لیا تھا، اور حدیث سے ثابت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے اور سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی کی، انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت (بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) پڑھا اور اپنا پیر ان کی گردنوں پر رکھا۔'' (متفق علیہ)

۸۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ حدیث نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

"جب تک وہ قربانی نہ کر لے اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

یہ حکم شاید (مکہ مکرمہ میں قربانی کے لیے) ہدی کا جانور بھیجنے والے سے مشابہت کی بنا پر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ (البقرہ: ١٩٦)

"اور اپنے سر منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی قربان تک پہنچ جائے۔"

بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت بظاہر قربانی کرنے والے شخص کے لیے خاص ہے، بیوی اور بچے اس ممانعت میں داخل نہیں، الا یہ کہ ان میں سے کسی کی اپنے نام کی خاص قربانی ہو تو وہ بھی اس ممانعت میں شامل ہوگا۔ البتہ سر دھلنے اور ملنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اس سے بعض بال گر جائیں۔

٩۔ ہر مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کے ساتھ عید گاہ میں نمازِ عید ادا کرے، خطبہ سنے اور اس سے مستفید ہو اور عید کی مشروعیت کی جو حکمت ہے اس کو سمجھے کہ یہ دن اللہ کی شکر گزاری اور عمل خیر کا دن ہے، لہٰذا اسے اترانے، اکڑنے اور گناہ ومعصیت کے کام کرنے کا دن نہ بنا لے، اور نہ ہی ناچنے گانے، شراب ومنشیات استعمال کرنے اور اس طرح کے دیگر محرکات کا ارتکاب کرنے کا موسم سمجھ لے جس سے اس عشرہ میں کیے گئے اعمالِ صالحہ اکارت ہو جائیں۔

١٠۔ مذکورہ بالا اُمور سے واقف ہونے کے بعد ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہیے کہ ان ایام کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی، ذکر و شکر، واجبات و فرائض کی ادائیگی اور محرمات و منہیات سے پرہیز کرنے میں گزارے، اس موسم سے فائدہ اُٹھائے اور اللہ کی رحمت و برکت حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کی رضا وخوشنودی سے بہرہ مند ہو۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

ایامِ تشریق کے فضائل

تالیف:......محمد طیب بھواروی

ایامِ تشریق یہ ان مبارک ایام اور عظیم موسموں میں سے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں (ایامِ تشریق) میں کرو'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرمایا ہے کہ آیت ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''اور تم معلوم دنوں میں اللہ کا ذکر کرو'' سے مراد ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، اور (اوپر کی آیت میں) ایام معدودات سے مراد تشریق ہیں۔

ایامِ تشریق کے وظائف و اعمال:

ایامِ تشریق کا پہلا دن سب سے بہتر ہے اور وہ گیارہواں دن ہے اس کو یوم القر (ٹھہرنے کا دن) کہا جاتا ہے، اس لیے کہ منیٰ والے، میدانِ منیٰ میں ٹھہرتے ہیں وہاں سے اس کا کوچ کرنا جائز نہیں ہے۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: '' اللہ کی بارگاہ میں تمام دنوں میں سب سے عظیم دن قربانی کا دن ہے پھر قر (ذوالحجہ کی گیارہ تاریخ) کا دن ہے۔''[1]

ان دنوں کے کچھ وظائف و اعمال ہیں، ہمیں چاہیے کہ ان وظائف و اعمال سے اپنے آپ کو محروم نہ رکھیں:

ا۔ ایامِ تشریق کھانے پینے، اہل و عیال اور رشتہ داروں کی زیارت کرنے اور ان کے ساتھ مفید اجتماعات قائم کر کے مسرت وخوشی کے اظہار کا دن ہے۔ کھانے پینے میں وسعت سے کام لینے کا دن ہے، خصوصاً گوشت کھانے میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے

[1] سنن ابی داؤد، ج: ۵/ ۱۷۴۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔ ملاحظہ ہو: تحقیق المشکاۃ، ج: ۲/ ۸۱۰.

رسول ﷺ نے انہیں کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے بشرطیکہ اسراف وتبذیر کی حد کو نہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہ ہو۔

۲۔ تشریق کے ایام اللہ رب العالمین کے ذکر اور شکر ادا کرنے کے ایام ہیں، جب کہ حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور شکر ہر وقت کیا جائے، لیکن ان مبارک دنوں میں اس کی تاکید اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ نبیشہ الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا دن ہے۔'' ❶

چونکہ تشریق کے ایام اس مبارک موسم کے آخری ایام ہیں اور حجاج اس میں اپنا حج پورا کرتے ہیں اور غیر حجاج ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں نیک عمل کرنے کے بعد قربانی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے تشریق کے ایام کو ختم کرتے ہیں، اس لیے حاجیوں کے لیے بہتر ہوا کہ اس موسم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ختم کریں، اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض عبادات کے اختتام پر مشروع قرار دیا ہے، جیسے نماز کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾

(النساء: ۱۰۳)

''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔''

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (الجمعہ: ۱۰)

''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو۔''

حج کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم: ۱۱۴۱۔

﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرہ: ۲۰۰)

''پھر جب تم ارکانِ حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

ان ایام میں ذکر الٰہی کا جو حکم ہے اس کی متعدد شکلیں ہیں:

۱۔ تکبیر ﴿اَللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ کے ذریعے اللہ کا ذکر کیا جائے، خواہ تکبیر مقید کے ذریعے ہو یا تکبیر مطلق کے ذریعے جیسا کہ حاجیوں اور غیر حاجیوں سے متعلق گزر چکا ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان دنوں میں منیٰ کے اندر، نمازوں کے بعد، اپنے بستر پر، اپنے خیمے میں، اپنی مجلس میں اور راہ میں تکبیر کہا کرتے تھے۔ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا قربانی کے دن تکبیر کہا کرتی تھیں اور عورتیں بھی ابان بن عفان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے پیچھے تشریق کے دنوں میں مسجدوں میں مردوں کے ساتھ تکبیر کہا کرتی تھیں۔ ❶

اسی طرح اللہ رب العالمین کی عظمت و شان بیان کرنے اور اس کے شعائر کے اظہار کے لیے بازار، گھر، مسجد اور راستے میں بھی تکبیر کہنا مشروع ہے۔

۲۔ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

۳۔ کھاتے پیتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ جب یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں تو پھر کھانا کھاتے اور پانی پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا مشروع ہے اور وہ یہ کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے اور آخر میں الحمد للہ۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔'' ❷

---

❶ فتح الباری، ج: ۲/ ٥٣٤.

❷ صحيح مسلم، ح: ٢٧٣٤.

ایامِ تشریق کے مسائل:

۱۔ قربانی تشریق کے آخری دن یعنی تیرہ ذی الحجہ تک کی جائے۔

۲۔ ان تین دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے اس لیے کہ یوم النحر سمیت یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔

ایامِ تشریق کی غلطیاں:

۱۔ کھانے پینے خصوصاً گوشت کھانے میں اسراف سے کام لینا۔

۲۔ ان راتوں میں رات گئے تک جاگتے رہنا۔

۳۔ صحرائی خیمے نصب کرنا، اور اللہ کے ذکر سے غفلت برتنا اور نماز کی ادائیگی میں کوتاہی و سستی کرنا۔

۴۔ لہو ولعب اور ساز و سارنگ کے وہ آلات جو سنے اور دیکھے جاتے ہوں اس کے ساتھ جٹے رہنا۔

خلاصہ کلام:

ہمیں چاہیے کہ ان ایام کو ذکر و اذکار اور تکبیر میں لگائیں اور صرف کھانے اور پینے ہی میں مشغول نہ رہیں، اور کیا ہی عمدہ بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے رب کے حق کو ہمیشہ یاد رکھے اور یہ کہ وہ اپنے تمام تر اوقات میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرے گا اور آسودگی کی حالت جیسے کھانے پینے اور سیر وتفریح کے حالات و واقعات میں بھی اللہ کو نہیں بھولے گا۔

خلاصہ یہ کہ ایامِ تشریق میں مومنوں کے لیے ان کے بدن کو نعمت جیسے کھانا پینا اور دلوں کو نعمت جیسے ذکر و شکر وغیرہ اکٹھی ہو جاتی ہیں، اس طرح سے نعمتیں تام اور پوری ہو جاتی ہیں، اور جب بھی مومن کسی نعمت پر اللہ کا شکر بجالاتا ہے تو یہ بھی اسے ایک نعمت حاصل ہوتی ہے جس کے لیے ایک اور شکر کا محتاج ہوتا ہے، اس طرح کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے شکر سے چھٹکارا نہیں ہے۔

زندہ انسان کے عمل سے میت کو فائدہ پہنچنے کا حکم؟

اہل سنت والجماعت نے اتفاق کیا ہے کہ مُردوں کو دو وجوہات کی بنا پر زندہ انسان کے نیک عمل سے فائدہ ہوتا ہے:

۱۔ وہ عمل خیر جس میں میت اپنی زندگی میں سبب اور ذریعہ بنا ہو مثلاً کوئی کنواں وغیرہ وقف کر دیا، یا اس نے وصیت کی کہ میرے مال سے مسجد بنوا دینا یا اس نے کوئی اور صدقہ جاریہ کیا ہو۔ اس سے میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

۲۔ مسلمان اس میت کے لیے دعا اور استغفار کریں مثلاً میت کی طرف سے صدقہ کریں یا حج کریں یا روزہ رکھیں اور اعمال کے ثواب پہنچنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا کریں۔

پہلی صورت:

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ .)) ❶

"جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس سے اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں میں ختم نہیں ہوتا: (۱) صدقہ جاریہ، (۲) یا اس نے نیک لڑکا چھوڑا ہو جو اس کے لیے دعا کرتا رہا ہو، (۳) یا اس نے علم چھوڑا ہو جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہا ہو۔"

دوسری صورت کی دلیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

❶ مسلم فی الوصیة، ج: ۳/ ۱۲۵۵۔ ابوداؤد، ج: ۳/ ۳۰۰ [illegible] ترمذی، ج: ۳/ ۶۵۱.

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال۔ اے ہمارے رب! تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔''

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفنا کر فارغ ہو جاتے اور اس کی قبر پر ٹھہرے جاتے تو فرماتے:

((اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَاسْئَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْأَلُ .)) ❶

''اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دُعا کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو اس لیے کہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے۔''

میت کو صدقہ کے ثواب پہنچنے کی دلیل بخاری و مسلم میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری والدہ وفات پا گئی ہے اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو وہ صدقہ کرنے کے بارے میں وصیت کرتی اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا ان کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نَعَمْ)) ❷ ''ہاں، پہنچ جائے گا۔''

میت کو روزے کے ثواب پہنچنے کی دلیل:

امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ ابو داؤد فی الجنائز، ج: ۳/ ۵۵۰.

❷ بخاری فی الجنائز، ج: ۳/ ۲۵۴۔ والوصایا، ج: ۵/ ۳۸۸

((مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ .)) ❶

"جو مر گیا اور اس کے ذمے روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔"

صحیح قول کے مطابق نذر اور قضا کے روزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

میت کو حج کا ثواب پہنچنے کی دلیل:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ جہینہ کی ایک عورت آئی تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی تو انہوں نے حج ادا نہیں کیا اور مر گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

((حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوا اللَّهَ فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ .)) ❷

"تم اس کی طرف سے حج ادا کرو آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کی والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے قرض ادا کرتی؟ تم اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ وفا کا زیادہ حق دار ہے۔"

اس حدیث کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حج کے بارے میں مشروع یہی ہے کہ جب آدمی مر جائے اور اس پر حج فرض تھا مگر اس نے حج ادا نہیں کیا تو قریب قریب کی طرف سے حج کرے یا آدمی حج کرنے سے عاجز آ جائے تو وہ دوسرے کو اپنی طرف سے بھیج دے بشرطیکہ اس قریبی نے اپنی طرف سے پہلے حج کیا ہو۔

اب حج کے باب میں وسعت کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ حج کرنے پر اُجرت وصول کرنا اگرچہ بعض فقہا نے اس کی اجازت دی ہے مگر اس پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی۔ مناسب

---

❶ بخاری في الصوم، ج: ١٩٢/٤۔ مسلم، ج: ٨٠٣/٢.

❷ بخاري في الاعتصام، ج: ٢٩٦/١٣.

یہی ہے کہ اس پر اکتفا کیا جائے۔

اور جس پر کوئی دلیل وارد ہوئی ہے وہ قریب قریب کی طرف سے حج ادا کرنا ہے۔ ماقبل کی دلیلوں سے چار اُمور ظاہر اور واضح ہوئے ہیں:

۱۔ دُعا ۲۔ صدقہ ۳۔ روزہ ۴۔ حج

ان پر وارد ہونے والی دلیلوں کو اچھی طرح پہچان لیا جائے جو ان کے علاوہ عبادتیں ہیں ان کا میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں جیسے کہ نماز، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر واذکار۔ ان کے ثواب پہنچنے پر قرآن وحدیث کی کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

ان عبادتوں کے ثواب کے قائلین کے پاس بھی کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے ان کے پاس صرف قیاس ہے۔ یہ لوگ نماز، قرآن کریم اور ذکر کو صدقہ، حج اور دُعا پر قیاس کرتے ہیں۔

ہم نے ماقبل اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تمام عبادتیں توقیفی ہیں، ان میں قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

قراءت قرآن کریم پر اُجرت لینے کی حرمت پر علماء نے اجماع کیا ہے اور سلف صالحین میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور نہ ہی معتبر ائمہ دین رحمھم اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض متاخرین جاہل مولوی لوگوں کے اموال کو لوٹنے اور حرام کھانے کی غرض سے ایسا کرتے ہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کی حد بندی کے پاس نہیں ٹھہرتے۔

مُردوں پر قرآن کریم پڑھنے والے مولویوں نے تو اپنے اپنے دفتر کھول رکھے ہیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور اپنے مُردوں پر قرآن کریم پڑھوائیں اور ان سے یہ بدبخت اُجرت وصول کریں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُجرت کی حد بندی میں سودے بازی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں پھر مُردے کے پاس جلسے منعقد کرتے ہیں اور قرآن خوانی اور ولیموں کے ذریعے سے مردوں کو تازہ دَم کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ قبیح حرکت مرنے کے سات دن بعد کرتے ہیں اور پھر چالیس دن بعد پھر سال بعد اور پھر ہر سال بعد م

مستقل طور پر اس مردے کا دن منایا جاتا ہے۔

مردے کے گھر میں قرآن خوانی ہوتی ہے، محفلیں لگتی ہیں، دیگیں چڑھائی جاتی ہیں اور یہ قرآن وسنت اور دین محمدی کے ساتھ مکروفریب کرنے والے مولوی اور حافظ خوب اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں اگر کوئی متبع سنت ان سے کہہ دے کہ جناب یہ اُمور جو تم کر رہے ہو سب بدعت ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی تو یہ اسے کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تم ''وہابی'' ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ٥﴾ (التوبہ: ۳۴)

''اے ایمان والو! بے شک بہت زیادہ مولوی اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے (زکوٰۃ) میں خرچ نہیں کرتے (اے میرے رسول!) ان دونوں گروہوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔''

قارئین کرام! آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ مولوی کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں سے لوگوں کا مال ہڑپ کر رہے ہیں۔

ماقبل جتنی رسومات کا ذکر ہوا ہے سب بدعتیں ہیں اس سے میت کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچے گا (وہاں مولویوں کو خوب فائدہ حاصل ہوگا) اور جو اس پر اُجرت وصول کی جاتی ہے، حرام ہے۔

بالخصوص فوت شدہ شخص اپنا مال اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں میں چھوڑ گیا ہو تو پھر اس اُجرت کی حرمت اور زیادہ سخت ہوتی ہے اس لیے کہ مولوی اور قرآن پڑھنے والے جھوٹ

بول کر بچوں کا مال کھا رہے ہیں۔

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز اور قراءت قرآن کریم میں کسی کی نیابت ثابت نہیں ہے جیسا کہ قراءت قرآن کریم پر اُجرت لینا حرام ہے چاہے اُجرت روپے کی صورت میں ہو یا کھانا کھانے کی صورت میں ہو۔ چاہے قراءت قرآن کریم میت کے گھر میں ہو یا اس کی قبر کے پاس ہو، یا کسی دوسری جگہ ہو۔

اسی طرح کے اعمال چہ جائیکہ بدعت ہوں بلکہ یہ تو سنت رسول اللہ ﷺ کے بھی خلاف ہیں۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے میت والوں کے پڑوسیوں کو ان کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔ جس وقت سیّدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِصْنَعُوْا لِآلِ جَعْفَرَ طَعَامًا فَقَدْ آتَاهُمْ مَا يُشْغِلُهُمْ .)) [1]

"تم جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرو ان کو مشغول کرنے والی چیز پہنچ چکی ہے۔"

آج مسلمانوں کی اکثریت اس سنت کی بھرپور خلاف ورزی کر رہی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ میت والوں کو کھانا کھلاتے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ میت والوں کے گھر جمع ہوتے ہیں اور خوب پیٹ بھر کر ان کا کھانا کھاتے ہیں۔

مسلمانوں پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اس زمانہ جاہلیت والی رسم و رواج سے دُور رہیں اور سنت مطہرہ کی پیروی کریں بالیقین دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی کے لیے یہی راستہ ہے۔

[1] مسند احمد، ج: ۲۰۵/۱۔ ترمذی، ج: ۳۱۴/۳۔ ابن ماجه، ج: ۵۱٤/۱.

رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب جھوٹا خواب

فضيلة الشيخ محمد بن عبدالله السبيل

ترجمہ:......ابوالمکرّم عبدالجلیل

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے مومن بندوں کو بصیرت عطا کی، حق و یقین کا راستہ دکھایا اور علم و معرفت دے کر ان کے لیے صراطِ مستقیم کو واضح فرمایا۔ میں اس رب سبحانہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور اس احسانِ عظیم پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے سیدھی اور واضح راہ دکھائی اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور وہی معبودِ برحق ہے، اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو اُمت کے خیر خواہ اور رسالت کے امین ہیں، اللہ کا بے شمار دُرود و سلام ہو ہمارے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کے تمام آل و اصحاب پر۔ امابعد!

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، اس سے ڈرتے رہو اور یہ بات ذہن نشین کرلو کہ رسول مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں ایسی واضح شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی مانند روشن ہے، آپ نے خیر و بھلائی کا راستہ واضح فرما دیا ہے تاکہ ہم اس پر چلیں اور ضلالت و گمراہی کی راہ بھی واضح کر دی ہے تاکہ اس سے اجتناب کریں۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے دین کی تکمیل فرما دی۔ نعمتیں مکمل کر دیں اور بصیرت و ہدایت کا نور عطا کر دیا۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سنت کو لازم پکڑیں، آپ کا طریقہ اپنائیں اور دین کے اندر نو ایجاد کاموں سے بچیں، کیونکہ دین کے نام پر ایجاد کی جانے والی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

برادرانِ اسلام! اللہ کی کتاب ہمارے درمیان ہے، اس کے رسول کی سنت بھی ہمارے

پاس موجود ہے، ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور رسولِ خیر الانام ﷺ کی حدیث پڑھتے ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ الٰہی قانون سازی پوری ہو گئی اور شریعت اپنے اُصول وفروغ اور قواعد و مسائل ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہو گئی۔ یہی شریعت اسلام ہے جو ہر اعتبار سے کامل اور زندگی کے تمام شعبہ جات کو شامل ہے۔

لہٰذا جس نے اس شریعت کو جانا اور اسی پر قناعت کی نیز اس عظیم ترین نعمت پر اللہ تعالیٰ کا ثنا خواں وشکر گزار رہا اس نے صراطِ مستقیم پا لیا، لیکن اس کے برخلاف جس شخص نے اس شریعت کی مخالفت کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے عقیدہ میں خرابی، عقل وفہم میں نقص وکوتاہی اور ایمان میں شک وشبہ کی بیماری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (الاسراء: ۹)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸)

''ہم نے کتاب کے اندر کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی۔''

نیز صحابی جلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((لَقَدْ تَرَكْنَا مُحَمَّدٌ ﷺ وَمَا يحرك طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ الا اذكرنا منه علما.))[1]

''اللہ کے رسول ﷺ ہم اس سے حال میں رخصت ہوئے کہ آسمان میں پر ہلاتے پرندے کے بارے میں بھی ہمیں علم دے گئے۔''

لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ دجال وکذاب ظاہر ہوئے جس کی پیشگوئی آپ نے اپنی زندگی میں ہی فرما دی تھی، ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، کسی

[1] مسند احمد: ۱۵۳/۵، ح: ۲۱٤۱۹.

نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹی حدیثیں گھڑی اور کسی نے دنیاوی غرض یا لالچ کے لیے، یا لوگوں کو عجیب عجیب باتیں سنا کر شہرت حاصل کرنے کے لیے، یا کسی بدعت کی تائید کے لیے، یا اپنے مذہب کی حمایت کے لیے، یا ترغیب وترہیب کے لیے یا کچھ اور اغراض ومقاصد کے لیے حدیثیں گھڑ گھڑ کر اللہ کے رسول ﷺ کی جانب غلط طور پر منسوب کیں۔ ہر دور میں اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اس طرح کا دجل وکید اور کذب وافترا ہوتا رہا ہے، لیکن ساتھ ہی ان تمام کذب وافترا اور ان کے آثار بد کا قلع قمع کرنے اور لوگوں پر اس کا بطلان واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں علمائے راسخین، صحیح وضعیف کو پرکھنے والے اور ماہرین فن پیدا کرتا رہا ہے، جنہوں نے احقاق حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهُ ، يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِّيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ .)) [1]

”اس علم دین کے وارث ہر بعد میں آنے والی نسل کے عادل اور ثقہ لوگ ہوں گے، جو غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط نسبت اور جاہلوں کی بے جا تاویل سے اس علم کی حفاظت کریں گے۔“

چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسا ہی ہوتا رہا، جب بھی کسی گروہ نے فساد اور گمراہی پھیلائی تو جماعت حقہ نے اس کا قلع قمع کیا، دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا، باطل کی ملمع سازیوں سے پردہ ہٹاتے ہوئے حق کو نکھارا اور اسے پاک وصاف کیا، اور اللہ کا شکر ہے کہ حق کبھی بھی مغلوب نہ ہوا، بلکہ ہمیشہ غالب وظاہر رہا اور باطل کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (الاسراء: ٨١)

”کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہی ہے۔“

[1] النهاية في غريب الحديث لابن الأثير: ٢/ ٦٥.

اللہ کے بندو! ہمارے دور میں بھی کچھ اسی قسم کے کذب و افترا پر مشتمل ایک ورقہ (پوسٹر) وقتاً فوقتاً تقسیم ہوتا رہا ہے، جو معانی ومطالب کے اعتبار سے بالکل ہی بے تکا ہے، فطرت اور عقل سلیم اسے قبول نہیں کرتی اور اسے وہی شخص تسلیم کرسکتا ہے جو علم وبصیرت میں نہایت ہی کمزور اور بودا ہو، ایک عقل مند اور صاحب علم اس کو پڑھنے سے پہلے ہی اس کے دجل وفریب کو بھانپ لیتا ہے، لیکن بہت سے لوگ جہالت اور علمی بے مائیگی کی وجہ سے اس فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ ورقہ اللہ کے رسول ﷺ کی بابت گھڑے گئے چند جھوٹے خوابوں پر مشتمل ہوتا ہے، جس کی عبارت کے اندر خود اختلاف وتضاد پایا جاتا ہے، ان خوابوں کی کوئی اصل وبنیاد نہیں، ان کے الفاظ جدا جدا اور عبارتیں مختلف ہیں، اس کا بیان کرنے والا مکار کبھی تو کہتا ہے کہ یہ سب عالم خواب کی باتیں ہیں، کبھی کہتا ہے کہ حالت بیداری کی وصیتیں ہیں، اس کے لیے وہ خوب خوب قسمیں کھاتا ہے اور جھوٹی قسموں کے ذریعے سے اس باطل کی تائید اور اسے صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے جیسا کہ ابلیس لعین نے دادا آدم علیہ السلام کے ساتھ جھوٹی قسم کھا کر کہا تھا:

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾

(الاعراف: ۲۱، ۲۲)

”ابلیس نے ان سے (دادا آدم اور اماں حوا سے) قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں، چنانچہ اس مردود نے دھوکا دے کر ان کو معصیت کی طرف کھینچ ہی لیا۔“

یہ خواب ایک ایسے شخص کے ہیں جو اپنا نام شیخ احمد بتلاتا ہے اور مسجد نبوی کے خادم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے نفس کی صفائی اور تزکیہ کے لیے اپنی عبادت و ریاضت، تہجد اور تلاوتِ قرآن کا ذکر کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ (النجم: ۳۲)

”تم اپنے آپ کو پاک وصاف نہ جتاؤ، اللہ اس شخص سے خوب واقف ہے جو پرہیزگار ہے۔“

شیخ احمد نے اپنی صفائی اور تزکیہ پیش کرنے کے بعد اس صریح جھوٹ کا ذکر کیا ہے جس کی کتاب اللہ اور سنت رسول تردید کرتے ہیں، کہتا ہے کہ غیر ملت اسلام پر چالیس ہزار افراد مر چکے ہیں، کبھی کہتا ہے کہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار غیر اسلام پر مر چکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس شخص کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں جب کہ رسول اللہ ﷺ جنہوں نے قیامت سے پہلے رونما ہونے والے تمام اہم حادثات کی پیشین گوئی فرما دی، انہوں نے بھی اس طرح کی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی، بلکہ قرآنِ کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یوں خطاب فرمایا ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾

(الانعام: ٥٠)

''کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔''

اسی طرح شیخ احمد کبھی ان خوابوں کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ قرآن کریم سے بھی افضل بنا دیتا ہے، کبھی کچھ لوگوں کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونے کا فیصلہ سناتا ہے، کبھی کسی کو اللہ کی رحمت سے محروم بتاتا ہے، کبھی کچھ لوگوں کے کافر ہونے کا فتویٰ دیتا ہے، کبھی کسی کے فقیر و محتاج ہونے اور کسی کے غنی و مالدار ہونے کا فیصلہ سناتا ہے، لیکن پھر بھی یہ سب کوئی عجیب یا نئی بات نہیں، اس طرح کے دجال ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، البتہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو اس جھوٹے وصیت نامہ کو صحیح جانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اود اس کو لکھتے، چھاپتے اور لوگوں کے اندر تقسیم کرتے ہیں۔ اس کی تقسیم ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو ان لوگوں کے زمرے میں سے ہو جن کے بارے میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((وهمج رعاع اتباع كل ناعق ، يميلون مع كل ريح ، لم يستضيئوا بنور العلم ، ولم يلجزوا الى ركن وثيق .))

''یہ نہایت ہی ناکارے اور ذلیل لوگ ہیں، ہر آواز لگانے والے کے پیچھے ہو

لیتے ہیں، ہر ہوا کے ساتھ پر جاتے ہیں، علم کی روشنی سے استفادہ نہیں کرتے،
کسی مضبوط پناہ گاہ کا سہارا نہیں ڈھونڈتے۔"

پس اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، عقل کے ناخن لو اور ان ناکاروں میں سے نہ ہو جاؤ جو ہر آواز کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں، یہ مفروضہ وصیت قرآن وسنت کے منافی اور ضلالت و بطلان پر مشتمل ہے، اس لیے امراء و حکام پر ضروری ہے کہ نہایت دانش مندی اور سختی کے ساتھ ان لوگوں پر پابندی لگائیں جو اس جھوٹی وصیت کی نشر و اشاعت کرتے ہیں، کیونکہ یہ رسول ہدایت ﷺ پر صریح جھوٹ اور بہتان ہے، اور ایسے شخص کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.)) [1]

"جس کسی نے جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔"

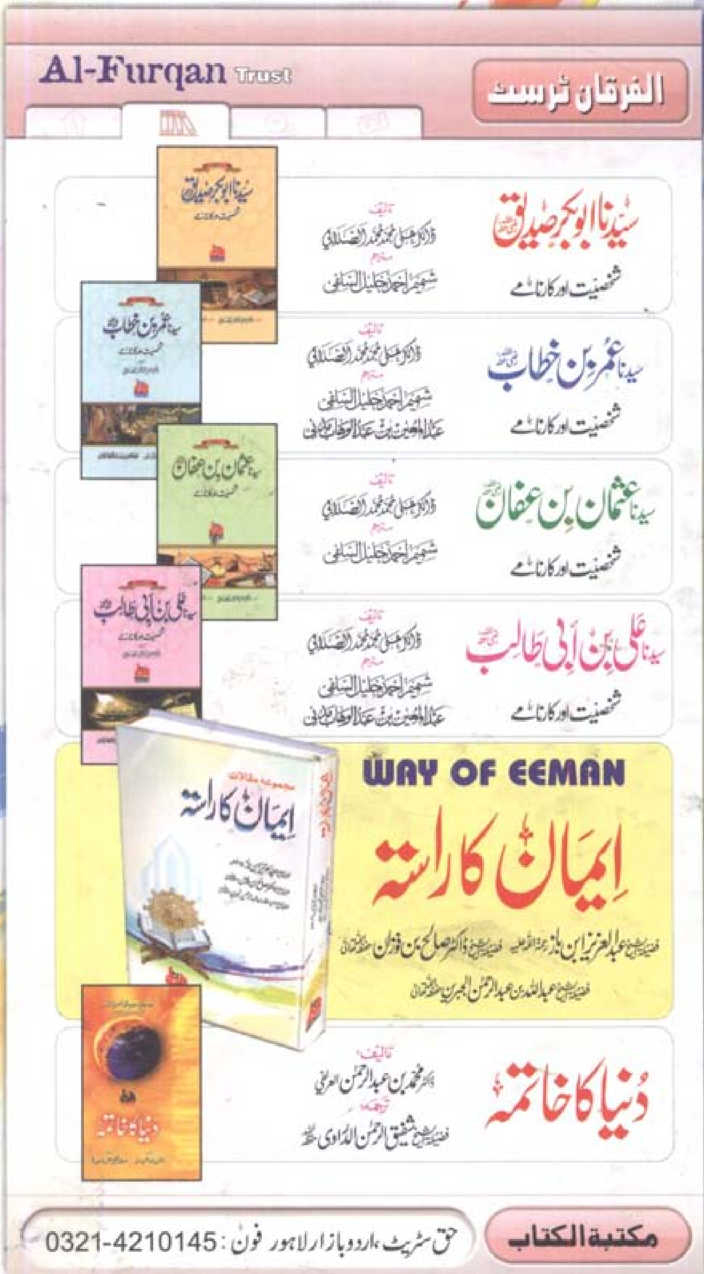
نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (الانعام: ۲۱)

"اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا، بے شک ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔"

[1] صحیح بخاری، ح: ۱۱۰۔ صحیح مسلم، ح: ۲۴۹۳۔

ضروری نوٹ یہاں تحریر کریں


Al-Furqan Trust
الفرقان ٹرسٹ
سیدنا ابوبکر صدیق
شخصیت اور کارنامے
تالیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم
شمیم احمد خلیل السلفی
سیدنا عمر بن خطاب
شخصیت اور کارنامے
تالیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم
شمیم احمد خلیل السلفی
سیدنا عثمان بن عفان
شخصیت اور کارنامے
تالیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم
شمیم احمد خلیل السلفی
سیدنا علی بن ابی طالب
شخصیت اور کارنامے
تالیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم
شمیم احمد خلیل السلفی
WAY OF EEMAN
ایمان کا راستہ
فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ علیہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ
دنیا کا خاتمہ
تالیف
ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العریفی
ترجمہ
فضیلۃ الشیخ شفیق الرحمن الدراوی حفظہ اللہ
مکتبۃ الکتاب
حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145